ان من البیان لسحرا (الحدیث)

خطبات حکیم العصر

افادات

حکیم العصر، محدثِ دوراں
ولی کامل، مخدوم العلماء

حضرت اقدس

مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم
کہروڑ پکا ضلع لودھراں

جلد سوم

تصویب: استاذ العلماء
حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید دامت برکاتہم العالیہ کے
علمی خطبات کا حسین مجموعہ
خطبات
حکیم العصر
تصویب:
اُستاذ العلماء
حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم
مکتبہ شیخ لدھیانوی
باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں 0300-6804071

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلوا علیہ وآلہٖ

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ

کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شُمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں

مَروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار

اُڑ کے بادِ مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ

کرے حُضور کے روضے کے آس پاس نثار

اقتباس قصیدۂ بہاریہ حُجۃ الاسلام نانوتوی

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی ۱۴۰۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید دامت برکاتہم العالیہ کے

علمی خطبات کا حسین مجموعہ

خطبات حکیم العصر

جلد سوم

مرتبہ

مولانا مفتی سجاد حسین ظفر

مکتبہ شیخ لدھیانوی

باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

ضابطہ

نام کتاب: ——— خطبات حکیم العصر (جلد سوم)

خطیب: ——— حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہٗ

اہتمام: ——— استاذ العلماء مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہٗ

ترتیب: ——— مولانا مفتی سجاد حسین ظفر

تصحیح: ——— مولانا محمد عمران

تخریج: ——— مولانا مفتی محمد عارف

کمپوزنگ: ——— الکتاب گرافکس ملتان

تزئین: ——— ابو میسون اللہ بخش احرار

ضخامت: ——— 368 صفحات

تعداد: ——— 1100

اشاعت دوم: ——— جنوری 2007ء

قیمت: ——— 190 روپے

واحد تقسیم کنندگان

مکتبہ شیخ لدھیانوی باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

فون: 0300-6804071 - 0300-7807630

انتساب

☆ اُس زاہدہ، عابدہ صالحہ خاتون کے نام!*

جن کی ہمت، تعاون اور اخلاص سے حضرت اُستاذ مکرم کی تعلیم مکمل ہوئی اور آپ کے علمی، عملی اور تبلیغی فیوضات کو اندرون و بیرون ملک فروغ ملا۔

* مرحومہ اہلیہ محترمہ حضرت حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم جنہیں تمام متوسلین خالہ جی کے نام سے پکارتے ہیں۔

☆ اپنے تمام اساتذہ کرام جن کی تربیت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ یہ عظیم سرمایہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ناشر

اجمالی فہرست

اجمالی فہرست

فہرست خطبات حکیم العصر

(جلد ثالث)

3۔عقیدۂ توحید و تقدیر 53

287

15۔عقیدۂ حیاۃ النبی ﷺ 356

اظہار تشکر

انسانی زندگی عزم وعمل سے آراستہ وپیراستہ ہےاور یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے زندگی کی گیرائی اور گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔اگر حیات انسانی میں عزم وعمل نہ ہوتو زندگی بے روح لاش کی شکل اختیار کر جاتی ہے جبکہ عزم وعمل کی بلندی انسانی زندگی کو کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار کرتی ہے۔گویا کہ یوں کہ لیجئے کہ یہ ایک فطری ضرورت ہے کہ انسانی زندگی کو عزم وعمل اور کردار وگفتار کے ساتھ مربوط رکھا جائے تاکہ مقصد زندگی کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ ہواور عزم وعمل کی حرارت اور حدت حیات انسانی میں اپنا رنگ بھرتی رہے۔اس فطری ضرورت کی تکمیل کے لئے ہر دور میں اللہ تعالی نے معاشرے کو باکمال اور باصلاحیت اور تذکیر وتسخیر جیسی خوبیوں سے مزین افراد عطا فرمائے ہیں جو نہ صرف یہ کہ خود پیکر عزم وعمل ہیں بلکہ ان کی ذات سے دوسروں کو بھی جہد مسلسل کا پیغام ملتا ہے اور وہ نہایت صبرو استقلال کے ساتھ صلاح امت اور احیاء سنت کا اہم فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔اوران کی زندگیوں سے قلوب کو ایمان و یقین کی روشنی ملتی رہتی ہے ان افراد امت میں ایک شخصیت میرے استاذ مکرم حضرت حکیم العصر مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہ کی بھی ہے جن کے بارے میں بلاشک وریب یہ بات کہ سکتا ہوں کہ ان کی ذات میں میں نے زہد وتقویٰ ،محبت ومروت جیسی صفات کو ہنستے مسکراتے اور رقت ولطافت کو آہ وبکا کرتے دیکھا ہے اس وقت میں انتہائی مسرت اور شادمانی کے ساتھ قارئین کے سامنے حضرت حکیم العصر مدظلہ کے خطبات کی جلد ثالث پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں اوراپنے اس وعدے سے سبق دوش ہورہا ہوں جو جلد ثانی کی اشاعت کے وقت کیا گیا تھا اس جلد میں آنے والے خطبات کے ذریعے حضرت حکیم العصر مدظلہ کی مسلک حقہ (مسلک علماء دیوبند) پر پختگی صوفیانہ عظمت اور علمی

سطوت کی ہلکی سی جھلک دیکھی جا سکتی ہے میں امید کرتا ہوں کہ اس وقت باطل پوری دنیا میں اپنے لٹریچر کے ذریعے ضلالت کو فروغ دے رہا ہے تو ایسے حالات میں حضرت حکیم العصر کے خطبات امت کے لئے ہدایت کی روشنی پھیلانے اور علم کی خوشبو عام کرنے کا سبب بنیں گے ؛بقول غالب

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

خطبات حکیم العصر کی جلد ثالث تیاری کے ابتدائی مراحل میں تھی کہ میرے معاون عزیز القدر مفتی سجاد صاحب سلمہ جامعۃ الرشید کراچی میں M.BA کرنے کے لئے چلے گئے کچھ دنوں تک تو میں سوچ وبچار میں رہا کہ اس جلد ثالث کی تکمیل کیسے اور کیونکر مکمل ہو سکے گی مفتی صاحب میرے مزاج اور کام سے خوب واقف تھے اور مجھے ان پر خوب اعتماد تھا اللہ تعالیٰ انکو مزید ترقیاں نصیب فرمائیں (آمین)

اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اپنا کرم فرمایا مفتی سجاد صاحب کے بدلے اور دو عزیزان کو انکی جگہ بھیج دیا میری مراد مولانا مفتی محمد عارف صاحب سلمہ اور مولانا محمد عمران صاحب سلمہ جو دونوں جامعہ ہذا کے فاضل ہیں۔ اور الحمد للہ دونوں صاحب بہت ہونہار، اور کام سے شغف رکھنے والے ہیں انہوں نے مفتی صاحب کی کمی کو خوب پورا کیا اور میری معاونت کا حق ادا کر دیا بلکہ ان خطبات کی تزئین وتخریج کر کے ان میں مزید نکھار پیدا کر دیا اور اسی طرح عزیزم مولانا مفتی صہیب ظفر صاحب سلمہ نے رات دن ایک کر کے اس کتاب کو چھپائی کے آخری مراحل تک پہنچا کر محنت کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی اس سعی کو قبولیت سے نوازے اور ان کو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں نصیب فرمائے (آمین)

ابو طلحہ ظفر اقبال غفرلہ
ناظم اعلیٰ
جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

اکابر کی نسبتوں کے امین

مناظر اسلام حضرت مولانا منیر احمد صاحب

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم

انسان انس سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر انسان کی فطرت وجبلت میں انس ومحبت، الفت وپیار کا جوہر ودیعت فرمایا ہے۔اور ہر انسان کو اس انمول نعمت سے بہرہ مند کیا ہے۔لیکن انسان کو عطا کردہ حسی نعمتوں کی طرح اس مخفی نعمت کے بھی دو مصرف ہیں۔خالق اور مخلوق۔اگر اس لازوال وبے بہا نعمت کا مصرف صرف اور صرف مخلوق ہو۔سائے کی طرح ڈھلنے والے یہ عارضی نقوش اور مٹی کے گروندے ہوں تو پھر انسان اور حیوان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔کیونکہ خدا سے غافل، ولاتعلق ہو کر اور اللہ تعالیٰ کے قانون سے آزاد رہ کر آپس میں انس ومحبت، پریم وپریت تو جانوروں میں بھی حیران کن حد تک پائی جاتی ہے۔بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے۔

انسان کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی محبت کا رخ اپنے خالق ومالک کی طرف ہوتا ہے۔وہ اس اعلیٰ وعمدہ نعمت کا صحیح واصلی مصرف، اپنے محسن ومنعم حقیقی کو سمجھتا ہے اسکو کہا جاتا ہے تعلق مع اللہ اور محبت الٰہیہ۔اگر اس کو مخلوق کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو وہ محبت الٰہیہ کے تابع ہوتی ہے۔وہ اسی محبت الٰہیہ کا عکس، پرتو اور اسی کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔جیسے حدیث میں ہے۔الحب فی اللہ و البغض فی اللہ یعنی محبت وبغض اللہ کی خاطر ہو۔اور جب یہ محبت انسان کا تعلق اللہ سے توڑ کر مخلوق کے ساتھ جوڑ دے....اس حی و قیوم ذات سے ہٹا کر فانی اشیاء کی طرف لگا دے تو اس کا نام محبت نہیں ہوتا بلکہ اس کا

نام بن جاتا ہے حرص و ہوا.. ہوس نفس، نفس پرستی اور خواہش پرستی۔ محبت تو اسی وقت تک محبت ہے جب تک اس کی بنیاد تعلق مع اللہ پر ہے۔ پھر یہ محبت بنیاد بنتی ہے طاعت کیلئے۔ جس قدر محبت ہوتی ہے اسقدر طاعت ہوتی ہے۔

اور جب یہ محبت الٰہیہ دل میں ملکہ راسخہ کی کیفیت اختیار کر لے یعنی اللہ کی محبت سب محبتوں پر غالب آجائے اور اتنی پختہ ہو جائے کہ عارضی حالت نہ رہے۔ بلکہ ایسی دائمی کیفیت بن جائے کہ گردش زمانہ اور گرداب بلا اس کو مضمحل تو کجا ذرا برابر متاثر بھی نہ کر سکے تو اس محبت الٰہیہ کا نام بن جاتا ہے نسبت۔ اور صاحب محبت کو کہا جاتا ہے صاحب نسبت۔ اور چونکہ اس کی ساری راحتیں، ساری خوشیاں، ساری کامیابیاں سمٹ آتی ہیں اسی نسبت کی طرف۔ اس لئے اس کو سکینہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی نسبت کی روشنی میں اس پر علوم و معارف، اسرار و حقائق اور کشف و الہام کے دروازے کھلتے ہیں اس لئے اس کو نور بھی کہا جاتا ہے۔ یہی نسبت روحانی ترقی کا ذریعہ اور منازلِ سلوک طے کرنے کا زینہ ہے۔

تصوف اور تمام سلاسلِ تصوف سے مقصود اسی محبت الٰہیہ اور نسبت مع اللہ کا حصول ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ القول الجمیل میں فرماتے ہیں۔ مَرجِعُ الطُّرقِ کُلِّها الیٰ تَحصِیلِ هیئةٍ نفسانیةٍ تُسمّیٰ عند هم بالنسبة لانها انتسابٌ وارتباطٌ بالله عز وجل وبالسکینةِ وبالنُّورِ ..

(ترجمہ) مشائخ کے سب طریقوں کا مقصد و منتہی ایک باطنی کیفیت کا حصول ہے جس کو صوفیاء کرام نسبت کہتے ہیں۔ کیونکہ اس نسبت کے ذریعے بندگان خدا کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق و ارتباط حاصل ہوتا ہے۔ اس نسبت کا نام سکینہ ہے۔ اور اس کو نور بھی کہا جاتا ہے۔ اسی کے متعلق حدیث میں ہے۔ اِتَّقُوا فِرَاسَةَ المُؤمِنِ فَاِنَّهٗ یَنظُرُ بِنُورِ اللهِ

(ترجمہ) مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے عطا کردہ باطنی نور سے دیکھتا ہے۔ اسی نسبت کو حدیث پاک میں حلاوت ایمان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے . وزینه فی قلوبکم (اس نے ایمان کو تمہارے دلوں میں چمکا دیا ہے)

حصول نسبت:

اس نسبت کا حصول دو طرح ہوتا ہے۔ (۱) وہبی۔ یعنی بغیر ریاضت ومجاہدہ کے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے کسی کو اپنا تعلق اور اپنی محبت نصیب فرمادیں۔ اور آلائش زمانہ سے اس کی حفاظت فرماتے ہوئے اس کو اپنے قرب کی روحانی منزلیں طے کرادیں۔ ایسے ہی لوگوں کو کہا جاتا ہے مادرزاد ولی۔ ان کی معمولی محنت پر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے روحانی ثمرات مرتب فرماتے ہیں۔ (۲) کسبی۔ یعنی کسی رہبر کامل کی راہنمائی میں کثرت کے ساتھ ریاضت ومجاہدہ اور صحبت شیخ سے نسبت الٰہیہ کا حاصل ہونا۔ پھر اس نسبت کا حصول بھی قرب الٰہی کے درجات اور روحانی منازل کا مبدء ہے منتہی نہیں۔ یہ روحانی ترقی کی ابتداء ہے انتہاء نہیں۔

مولانا عبدالقدوس رحمہ اللہ کی ریاضت کا واقعہ:

مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کی ریاضت کا واقعہ جو ہم نے آج سے تقریباً چالیس سال قبل حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم سے مشکوٰۃ شریف کے سبق میں ارواح ثلثہ کے حوالے سے سنا تھا۔ وہ ارواح ثلثہ ص ۳۲۶ سے ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ ابوسعید گنگوہیؒ بغرضِ بیعت شاہ نظام الدین بلخیؒ کی خدمت میں بلخ تشریف لے گئے شاہ نظام الدینؒ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لا رہے ہیں تو ایک منزل پر آکر استقبال کیا اور بہت اعزاز واکرام کے ساتھ لیکر بلخ پہنچے۔ وہاں

پہنچ کر صاحبزادے صاحب کی خوب تعظیم وخدمت کی۔ اور ہر روز نئے نئے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکوا کر کھلاتے۔ ان کو مسند پر بٹھاتے۔ خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔

آخر جب شاہ ابوسعید نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں۔ تو شاہ نظام الدین نے بہت سی اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اس وقت شاہ ابوسعید نے عرض کیا۔ کہ حضرت اس دنیوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ نہ اس کے لئے میں یہاں آیا۔ مجھے تو وہ دولت چاہیے جو آپ ہمارے یہاں سے لے کر آئے ہیں۔ بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدینؒ آنکھ بدل گئے۔ اور جھڑک کر فرمایا۔ جاؤ۔ طویلہ (اصطبل) میں بیٹھو اور کتوں کے دانہ راتب (خوراک) کی فکر رکھو۔ غرض یہ طویلہ میں آئے۔ شکاری کتے ان کی تحویل میں دیدیے گئے۔ کہ روز نہلائیں دھلائیں اور صاف ستھرا رکھیں۔ کبھی حمام دھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے۔ اور یہ کتوں کی زنجیر تھام کر ہمراہ چلتے ایک آدمی سے کہدیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے۔ اس کو دو روٹیاں جو کی دونوں وقت گھر سے لا کر دیدیا کرو۔

اب شاہ ابوسعید صاحب جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا تین چار ماہ بعد ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لے جائے تو اس دیوانے کے پاس سے گذریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابوسعید پر پڑی شاہ ابوسعید کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ تیوری چڑھا کر بولے گنگوہ ہے۔ ورنہ اچھی طرح مزہ چکھاتا۔ غیر ملک ہے شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اس لئے کچھ کر نہیں سکتا۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ کے سامنے عرض کر دیا حضرت نے فرمایا۔ ہاں ابھی بو ہے صاحبزادگی کی۔

پھر دو ماہ تک خبر نہ لی اس کے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر دیسا ہی کرے بلکہ قصداً شاہ ابوسعید پر کچھ غلاظت ڈال کر جواب سنے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی۔ اس مرتبہ شاہ ابوسعید نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو گئے بھنگن نے آ کر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں۔ تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے حضرت شیخ نے فرمایا ابھی کچھ بو باقی ہے۔ پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ اس مرتبہ لید (گوبر) کا بھرا ٹوکرا سر پر پھینک ہی دیجیو۔ کہ پاؤں تک بھر جائیں۔ چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابوسعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا۔ اس لیے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے۔ مجھ سے ٹھوکر کھا کر بے چاری گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔ یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر ٹوکرا میں ڈالنی شروع کی کہ لا میں بھر دوں بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آ کر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ اُلٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی۔

شیخ نے فرمایا۔ بس اب کام ہو گیا۔ اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ ہونا شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے شاہ ابوسعید کتوں کی زنجیر تھامے پا برکاب ہمراہ ہو لیے کتے زبردست شکاری کھاتے پیتے توانا تھے۔ اور ابوسعید بے چارے سوکھے اور بدن کمزور، اسلئے کتے انکے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے بھتیرا کھینچتے، روکتے، مگر وہ قابو سے باہر ہوئے جاتے تھے۔ آخر زنجیر انہوں نے اپنی کمر سے باندھ لی شکار جو نظر پڑا تو کتے اس پر لپکے اب شاہ ابوسعید بے چارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگی کہیں کنکر چبھی، بدن سارا لہولہان ہو گیا۔ مگر انہوں نے اُف نہ کی۔ جب دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور انکو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپ رہے تھے کہ حضرت

خفا ہو نگے اور فرمائیں گے کہ حکم کی تعمیل نہیں کی کتوں کو روکا کیوں نہیں ؟ شیخ کو تو امتحان منظور تھا سو ہولیا اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبد القدوس کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی۔

صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابوسعید کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگا لیا۔ اور فرمایا کہ خاندان چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا۔ تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیض کو ہندوستان لئے جاتے ہو۔ وطن جاؤ اس ریاضت و مجاہدہ کے متعلق سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کے یہ اشعار آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو
نفی ، اثبات دا پانی ملیا ہر رگ وچ ہر جائی ہو
اندر بوٹی مُشک مچایا جاں پھلن تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہ بوٹی لائی ہو

مخلَصین اور مخلِصین :

قرآن کریم میں محبت الٰہیہ، تعلق مع اللہ اور حصول نسبت کے ان دونوں طریقوں کی طرف بہت سی آیات و احادیث میں اشارات کیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی ایک صفت (مخلَصین) قرآن کریم میں (۹) جگہ ذکر فرمائی ہے مخلَصین کا معنیٰ ہے الذین اخلصھم اللہ تعالیٰ لطاعتہ ودینہ وہ لوگ کہ جن کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت اور اپنے دین کے لئے مختص کیا ہے۔ اسی میں دوسری قرآۃ ہے مخلِصین اس کا معنیٰ یہ ہے الذین اخلصوا دینھم للہ تعالیٰ

جنہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کی لئے خالص کر لیا اول قرآۃ میں موہبت کی طرف اشارہ ہے دوسری قرآۃ میں درجہ کسب اور اکتساب کی طرف اشارہ ہے جب کہ مخلصین میں ولایت کسبیہ کی طرف اشارہ ہے۔اس کو دوسرے عنوان میں یوں کہہ سکتے ہیں جیسے اصطفائے نبوت ہے اسی طرح ایک درجہ اصطفاء ولایت کا ہے یعنی خود اللہ تعالیٰ اپنی محبت و دوستی کے لئے کسی کا چناؤ کر لیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا واذ قالت الملائکۃ یامریم ان اللہ اصطفاک وطھرک واصطفاک علی نساء العالمین اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا ہے۔ تجھے پاک بنا دیا ہے اور تجھے اس زمانہ کی سب عورتوں میں سے خاص کر لیا ہے۔اس میں ولایت کے اسی وہبی واصطفائی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔اور والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو لوگ ہمارے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان کیلئے اپنی ہدایت و معرفت کے راستے وا کر دیتے ہیں۔اس آیت میں ولایت کے کسبی واکتسابی درجہ کی طرف اشارہ ہے۔

نسبت وہبیہ کی مثال ایسے ہے جیسے چنگاری موجود ہے مگر راکھ میں دبی ہوئی ہے۔پھونک مار کر راکھ ہٹانے کی دیر ہے فوراً آگ بھڑک اٹھے گی اسمیں زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں جبکہ نسبت کسبیہ کی مثال نئے سرے سے آگ جلانے کی طرح ہے جس میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔یا نسبت وہبیہ کی مثال خشک لکڑی کی طرح ہے کہ بس آگ لگانے کی دیر ہے فوراً آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔جبکہ نسبت کسبیہ کی مثال گیلی لکڑی کی طرح ہے جس کے ساتھ آگ جلانے میں محنت بھی زیادہ مگر شعلے اور حرارت کم۔

حکیم العصر کا مقام ولایت:

حضرت استاذ حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کے مختلف مراحل زندگی (بچپن، جوانی، بڑھاپے) کے احوال کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو ہمیں حضرت والا ولایت اصطفائیہ اور نسبت وھبیہ کے مقام پر فائز نظر آتے ہیں بطور دلیل چند امور ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

ا۔ اکابرین دیوبند سے عقیدت ومحبت:

حضرت استاذ حکیم العصر کو حضرت شیخ الاسلام سیدنا حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہ کے ساتھ فنائیت کے درجہ میں عقیدت ومحبت ہے۔حضرت استاذ حکیم العصر حضرت شیخ الاسلام سیدنا حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔آپ اس پر اللہ کا انتہائی شکر ادا کرتے ہیں اور تحدیث بالنعمت کے طور پر اس کا ذکر فرماتے ہیں۔زیارت سے مشرف ہونے کا دلچسپ اور عجیب قصہ ہم نے براہ راست متعدد بار حضرت حکیم العصر کی زبان سے سنا کہ الیکشن کی تیاریاں عروج پر تھیں۔سلیم پور (حضرت کا گاؤں) سیاسی سطح پر بڑی اہمت کا حامل تھا۔انگریز کے خلاف تحریک آزادی اور ہندوستان کی تقسیم اور عدم تقسیم پر تحریک زور وشور سے جاری تھی۔جلسے جلوس بکثرت ہورہے تھے۔انہی حالات میں سلیم پور میں جلسہ منعقد ہوا۔شیخ الاسلام سیدنا حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہ کی تشریف آوری تھی۔

حضرت الاستاذ فرماتے ہیں۔میں اس دن سکول نہیں گیا بلکہ گھر سے سیدھا استقبال کے میدان میں پہنچ گیا ظہر تک انتظار کرتا رہا مشہور ہوا کہ شیخ الاسلام مولانا مدنی صاحب تشریف نہیں لائیں گے البتہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

رئیس الاحرار، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور دیگر حضرات تشریف لائے، جلسہ ہوا ،فرمایا کہ مجھے اس غیر حاضری کی وجہ سے ایک آنہ جرمانہ ہوا۔

اگلے دن سکول میں سبق ہورہا تھا اور مسلمان استاذ کا سبق تھا کسی نے آکر میرے کان میں کہا مولانا مدنی صاحب آگئے ہیں یہ سنتے ہی بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اپنا بستہ اور جوتا دوست کو دیا کہ گھر پہنچا دے اور میں بھاگتا ہوا استقبال کے میدان میں پہنچ گیا۔

مولانا مدنی صاحب تشریف لا چکے تھے تقریر فرما رہے تھے۔ کم سنی کی وجہ سے تمام الفاظ تو نہیں، صرف چند الفاظ یاد ہیں تقریر سے فراغت کے بعد شیخ الاسلام سیدنا مدنیؒ گاؤں میں مختلف جگہوں پر گئے میں ننگے پاؤں گاڑی کے پیچھے بھاگتا رہا اور جی بھر کر مولانا مدنی کی زیارت کی، فرمایا آج بھی وہ لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے اس کم عمری میں اپنے بزرگوں کیساتھ اتنا تعلق اور عقیدت ومحبت اور زیارت وملاقات کا شوق من جانب اللہ رحمت کا ملہ اور عطائے عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔

سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

وہی بچپن کی محبت دل میں ایسی راسخ ہوئی کہ جب تذکرۂ مدنی ہوتا ہے۔ تو محسوس ہوتا ہے کہ آنکھیں پرنم ہیں اور دل عشق ومحبت اور عقیدت واحترام میں ڈوبا ہوا ہے۔

سلیم پور دو بزرگوں کے سائے میں:

(۲) حضرت والا فرماتے ہیں کہ چونکہ میرا بچپن تھا اس لئے یہ واقعہ مجھے تو یاد نہیں البتہ جمال دین آف کمالیہ نے بتایا کہ سلیم پور کے مشرقی جانب میں حضرت مولانا احمد خانؒ کے جانشین حضرت مولانا عبداللہ صاحب کا گھر تھا۔ اور مغربی جانب میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میاں چنوں والے رہائش پذیر تھے سلیم پور میں شیخ

الاسلام حضرت مدنی تشریف لائے تو فرمایا سلیم پور والو تم تو دو بزرگوں کے سائے میں محفوظ ہو۔ تقسیم کے بعد بہت نقصانات ہوئے۔ لیکن سلیم پور محفوظ رہا بلکہ ارد گرد کے مسلمانوں کو بھی سلیم پور میں جمع کر دیا گیا تو وہ بھی محفوظ رہے۔ سلیم پور اہل اللہ کا مسکن تھا۔ اور یہی حضرت موصوف کا مولد ہے اور بچپن یہیں گزارا ہے اس کے بھی روحانی اثرات ہیں۔ کہ ماحول کے جیسے جسم پر اثرات پڑتے ہیں اسی طرح روح وقلب پر بھی اثرات پڑتے ہیں۔

(۳) حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ جامعہ ربانیہ میں زیر تعلیم تھے ابھی نحو میر پڑھتے تھے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق کشمیریؒ نے کہیں پروگرام پر جانا تھا انہوں نے حضرت حکیم العصر کو کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں تقریر آپ کریں گے حضرت الاستاذ فرماتے ہیں کہ میں ساتھ تیار ہو گیا لیکن میرے پاس کوئی ایسے اچھے کپڑے نہ تھے کہ میں پہن کر ان کے ساتھ جا سکتا حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھے اپنی قمیص پہنا دی میں وہ قمیص پہن کر آپ کے ساتھ گیا۔ تقریر ہو گئی واپس آکر میں نے وہ قمیص اتار کر حضرت کے حوالے کر دی۔ نحو میر کے ابتدائی سال میں ایک شیخ الحدیث آپ کو تقریر کیلئے ساتھ لے جائیں پھر آپ واپس آکر از خود ان کی قمیص اتار کر ان کے حوالے کر دیں یہ صلاحیت اور یہ فہم وسلیقہ موہبت الٰہیہ ہے۔

(۳) حضرت والا فرماتے ہیں کہ جب میں جامعہ ربانیہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ پہلی مرتبہ کمالیہ تشریف لائے تو میں حضرت شاہ جی کی زیارت کرنے اور تقریر سننے کے لئے ربانیہ سے کمالیہ تک پیدل چل کر گیا۔

(۴) حضرت حکیم العصر زید مجدہ نے فرمایا کہ میں چک روشن والا میں پڑھتا تھا جو فیصل آباد سے تقریباً ۸،۹ میل کے فاصلہ پر تھا۔ کہ اسی اثناء میں حضرت قاری محمد

طیب صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند فیصل آباد گرونانک پورہ میں تشریف لائے تو میں ان کی زیارت کے لئے گرونانک پورہ تک پیدل چل کر گیا نوعمری میں ہی بزرگوں کے ساتھ اتنی وابستگی اور قلبی عقیدت ومحبت خالص عطاء الٰہی اور انعام خداوندی سے ہی ہوسکتی ہے۔

(۵) حضرت فرماتے ہیں کہ میں ربانیہ پڑھتا تھا کہ اسی عرصہ میں ایک نیک سیرت ونیک صورت شخصیت ماسٹر محمد رمضان صاحب تشریف لائے اور مجھ سے مختلف باتیں کرتے رہے گفتگو کے دوران یہ بھی پوچھا کہ آپ دین تو پڑھ رہے ہیں لیکن روزگار کا کیا کریں گے حضرت فرماتے ہیں میں نے جواب دیا کہ ہم نے تو یہ پڑھا ہے کہ آدمی اتنا رزق کو تلاش نہیں کرتا جتنا کہ رزق آدمی کو تلاش کرتا ہے وہ سن کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد انہی کے ہاں رشتہ طے ہوگیا اور قدوری والے سال عقد مسنونہ ہوگیا ابھی حضرت کے تقریباً چھ سال تعلیم کے باقی تھا اور مالی وسعت بھی نہ تھی۔

بس جیسے اللہ نے حضور پاک ﷺ کی مالی کمی کو حضرت خدیجہؓ کے ذریعہ دور کیا اور اظہار نعمت کے طور پر فرمایا و وجدک عائلاً فاغنیٰ، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے خالہ جی مرحومہ ومغفورہ کیساتھ عقد نکاح کی صورت میں آپ کے تعلیمی وسائل کی کمی کو پورا کردیا

حضرت کے ہاں اولاد نہ تھی مختلف احباب نے دوسری شادی کا مشورہ دیا ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میری بیوی کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں اسکو پریشان نہیں کرنا چاہتا پھر اس اجمال کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ قدوری والے سال میری شادی ہوگئی تھی، میری بیوی کو میری مالی حالت معلوم تھی اس لئے اس نے کبھی بھی مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ کر کے نہ مجھے پریشان کیا اور نہ میری تعلیم

میں کوئی رکاوٹ ڈالی بلکہ اپنے جہیز کے وہ کپڑے جو میرے استعمال میں آسکتے تھے وہ سلوا کر مجھے استعمال کرائے اور جب میں نے فارغ ہونے کے بعد تدریس شروع کی تو تنخواہ پوری سوری تھی اور چائے کی عادت تھی تو یہ وفادار بیوی خود گڑ کی چائے پیتی اور مجھے چینی ڈال کر دیتی۔

حضرت نے ایک عجیب واقعہ سنایا فرمایا کہ میں قاسم العلوم ملتان میں مدرس تھا اور مولوی عبدالحق (جو راقم الحروف کے پھوپھا اور حضرت کے زمانہ طالب علمی کے بے تکلف گہرے دوست ہیں) میرے پاس آئے گرمی کا موسم تھا میں نے پانی پلایا اور بڑی بے تکلفی سے کہا مولوی عبدالحق کھانا کہیں اور جا کر کھاؤ۔ ہمارے پاس کھانا نہیں ملے گا وہ خلاف توقع یہ بات سن کر حیران ہوگئے وجہ پوچھی تو میں نے بتا دیا کہ مہینے کا اخیر ہے۔

ہم تو جیسے کیسے ہوگا گزارا کریں گے آپ تو ہمارے ساتھ بھوکے نہ رہیں وہ گئے اپنی طرف سے چاول وغیرہ لے آئے وہی چاول پکا کر ہم نے خود بھی کھائے انکو بھی کھلائے۔ پھر اگلے دن تنخواہ مل گئی تو ہم نے انکی دعوت کی اور پچھلے دن کی کسر بھی پوری کر دی۔

ان حالات میں جب بیوی نے میرا ساتھ دیا ہے اور کبھی شکوہ تک نہیں کیا تو میں دوسری شادی کر کے اسکو پریشان نہیں کرنا چاہتا اور یہ تو میں نے بار ہا دیکھا کہ جب کوئی اہم مہمان دارالعلوم میں آجاتے انکو اساتذہ کے رہائشی کواٹر دکھانے ہوتے جو اس وقت کچے تھے۔ تو ہمیشہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ انکو حضرت والا کے مکان پر لیکر آتے کیونکہ خالہ مرحومہ اتنی سلیقہ مند اور صفائی پسند تھیں کہ مکان اور صحن کچا ہونے باوجود نہایت صاف ستھرا ہوتا اور ہر چیز بڑے سلیقہ سے ٹھکانہ پہ رکھی ہوتی اسی طرح حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ نے شوق سے کوئی چیز پکوانی

ہوتی تو حضرت کے گھر سے پکوا کر شوق پورا کرتے تھے کسی اہم شخصیت کی آمد ہوتی اور ان کے لئے اچھا کھانا پکوانا ہوتا تو حضرت حکیم العصر کا گھر متعین تھا اور حضرت کے ہاں مہمان نوازی کا سلسلہ بھی چلتا رہتا تھا حتی کہ منتظمین مدرسہ کو شکایت پیدا ہو گئی کہ جو مہمان آتے ہیں مولانا عبد المجید صاحب ان پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

لیکن خالہ جی مرحومہ نے کبھی بھی مہمانوں کے لئے انتظام کے معاملہ میں تنگ دلی نہیں دکھائی بلکہ ہمیشہ سخاوت اور مہمان نوازی کا سلسلہ جاری رکھا۔ میں نے جب کبیر والہ دار العوم میں داخلہ لیا تو حضرت کی شفقت کہ انہوں نے مجھ جیسے اجڈ دیہاتی کو خدمت کے لئے قبول فرما کر بیٹوں کی طرح اپنے پاس رکھا بلا مبالغہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے جسمانی باپ کا اتنا پیار نہیں دیکھا جتنا اس روحانی باپ کا پیار دیکھا ہے آپکی شفقت کا نتیجہ تھا کہ دار العلوم میں جب چھٹیاں قریب ہوتیں تو دوسرے طلبہ اپنے گھروں کو جانے کے لئے بے تاب ہوتے جوں ہی چھٹی کا اعلان ہوا۔۔۔ مدرسہ منٹوں میں خالی لیکن میں مدرسہ کی چھٹی کو کافی نہیں سمجھتا تھا بلکہ آپکی اجازت کا منتظر رہتا جب آپکی طرف سے اجازت ملتی تب گھر جاتا۔

ایک دفعہ استاذ مکرم سفر پر تشریف لے گئے آپکی عدم موجودگی میں شہر سے کچھ مہمان عورتیں اور بچے حضرت کے گھر آئے خالہ جی نے مجھے بلوایا اور کہا کہ: ”منیر بازار چلا جاتے کسے چنگی جئی دکان توں کھانے تے پھلیاں لئیے آ“ مجھے چونکہ سودا لینے کا اتنا تجربہ نہ تھا اس لئے میں نے ایک اور ساتھی کو ساتھ لیا اور بازار چلا گیا اس ساتھی نے ایک دکان پر لے جا کر کھڑا کر دیا کہ اس سے لے لے، میں اسکے اعتماد پر وہ دونوں چیزیں لیکر آ گیا مگر ہوا یہ کہ میں خالہ جی کے سپرد کر کے چند قدم ہی واپس چلا تھا کہ آواز پڑی منیر: میں واپس ہوا تو خالہ جی نے بڑی شفقت کے ساتھ سمجھانے کے انداز میں فرمایا۔ پُت چیز دیکھ کے لیا کر“ ایسی زاہدہ، عابدہ، اطاعت شعار، وفادار دین

و دنیا میں مددگار، علم دوست اور ہم مزاج سلیقہ مند بیوی موہبت الٰہیہ نہیں تو اور کیا ہے۔
بلاشبہ خالہ جی مرحومہ استاذ مکرم کیلئے خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة کا مصداق تھیں۔
اللہ انکی تربت پہ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے (آمین)
آج حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کی علمی، عملی، تبلیغی، روحانی خدمات کا سلسلہ اندرون اور بیرون ملک جہاں تک پھیلا ہوا ہے اسمیں اس پاک باز خاتون کا پورا پورا حصہ شامل ہے۔ انشاء اللہ العزیز جب تک حضرت الاستاذ کے فیوضات وبرکات کا یہ سلسلہ ہزاروں شاگردوں کے ذریعہ جاری وساری رہیگا۔ ہماری خالہ جی مرحومہ کو برابر کا ثواب پہنچتا رہیگا۔ کروٹ کروٹ گلشن لدھیانوی کے سدا بہار پھولوں کی خوشبو انکی روحانی راحت وفرحت کا ذریعہ بنتی رہیگی۔ رحمها الله تعالی رحمة واسعا۔

مجسم شفقت ومحبت:

اللہ تعالی نے حضرت الاستاذ کو محبت والا مزاج عطا فرمایا ہے لیکن ایسی محبت جو عقل وشریعت کے تابع ہے ایسی محبت آپکو کبھی کسی سے نہیں ہوئی جو عقل وشریعت کی حدود کو پامال کردے اور جو محبت عقل وشریعت کے تابع ہو وہ دین وایمان اور اخلاق واعمال کے حسن وجمال کو نکھارنے اور روحانی ترقی وکمال پانے کا اعلی اور عمدہ ذریعہ ہے۔

تصوف وسلوک کی لائن میں ریاضت ومجاہدہ سے مقصود محبت اور دوسرے خصائل فطرت کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ امالہ مقصود ہوتا ہے یعنی ان خصائل فطرت کو عقل اور شریعت کے تابع کرنا اور محبت کا رخ اس طرح خالق کی طرف پھیر دینا کہ مخلوق کی محبتیں اللہ تعالی کی محبت کے تابع بن جائیں۔ اللہ تعالی کی محبت اصل ہو باقی محبتیں اس شجرہ

طیبہ کی فروع اور شاخیں ہوں۔

جسکی سرشت میں محبت موجود ہے وہ اس ہرے درخت کی طرح ہے جو پانی اور مالی کی خدمت کا منتظر ہے بس پانی ملا مالی نے خدمت کی وہ فورا پھل پھول دینے لگ جائیگا اور وہ دل جو محبت سے خالی ہو خشک درخت کی طرح ہے اس پر مالی جتنی چاہے محنت کرے جتنا چاہے پانی دے وہ کبھی بارآور ثابت نہیں ہوسکتا اور جس آدمی میں محبت کی حس جتنی زیادہ ہو محبت کا رخ صحیح ہوجائے تو وہ اتنی زیادہ روحانی ترقی کرتا ہے اور یہ محبت اللہ تعالی کی نعمت ہے وہ جس دل میں جتنی چاہے رکھ دے اللہ تعالی نے حضرت حکیم العصر کے قلب وجگر میں اتنی محبت رکھ دی ہے کہ وہ مجسم محبت ہیں حضرت فرماتے ہیں کہ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحبؒ (بانی جامعہ امدادیہ فیصل آباد) اور میں جامعہ ربانیہ میں اکٹھے پڑھتے تھے پھر وہ جامعہ ربانیہ چھوڑ کر جانے لگے تو میں انکی محبت میں نہر پر جاکر روتا رہا حضرت اپنی اس فطری محبت، محبانہ مزاج ،تقوی وطہارت، علم وعمل، فہم وفراست، عبادت وطاعت کے اعتبار سے اپنے اقران ومعاصرین میں معروف ہیں فطرت میں محبت پھر اس محبت کا رخ اپنے اکابرین کی طرف بچپن سے ہوجائے اور بچپن ہی سے علم وعمل کا شوق، تعلق مع اللہ اور محبت الہیہ نصیب ہوجائے تو یہ خالص عطاء الہی اور وہبی نعمت ہے اس لئے اللہ تعالی کے ان انعامات موہوبہ کی طرف دیکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہے کہ حضرت الاستاذ دامت برکاتہم العالیہ الاعباد ک منھم المخلصین کا ایک فرد ہیں۔ اور ولایت وہبیہ، اصطفافیہ کے ساتھ متصف ہے۔

شیخ سعدی کی نصیحت:

حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ جامعہ قاسم العلوم کچہری روڈ

ملتان میں مدرس تھے تدریس کا دوسرا سال تھا قاسم العلوم کی سامنے والے چھوٹے دروازے سے جو گلی گھنٹہ گھر کی طرف جاتی ہے اس میں کچھ آگے جا کر ایک کرائے کے مکان میں رہائش تھی ۔ مکان میں ایک کمرہ اور ایک چھپر نما باورچی خانہ تھا۔حضرت فرماتے ہیں کہ میں صبح کو ہزاردانہ تسبیح ہاتھ میں لئے ذکر میں مشغول تھا کہ یک لخت میرے دل میں شیخ سعدی کا یہ شعر اس طرح گونجا کہ جیسے شیخ سعدی خود سنا رہے ہیں۔

دست از طمع پیچ ار مردی   تسبیح ہزار دانہ بر دست مپیچ

اگر مردانگی ہے تو حرص وطمع سے ہاتھ پھیر ہزار دانہ تسبیح ہاتھ میں مت پھیر۔

حضرت نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں تسبیح وذکر سے روکنا مقصود نہیں بلکہ ذکر کے اصل مقصود کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ ذکر سے اصل مقصود یہ ہے کہ حرص وطمع دل سے نکل جائے ۔شاید شیخ سعدی کی نصیحت کا اثر ہے کہ حضرت دنیا کے حرص وطمع سے آزاد ہیں چونکہ حضرت والا کو شروع سے ہی شیخ سعدی کے ساتھ بہت عقیدت ومحبت ہے تو شاید اللہ تبارک وتعالی نے اس محبت کا یہ انعام دیا کہ شیخ سعدی کو ہی اللہ تعالی نے تسبیحات کے مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ بنا دیا ،یا حاصل شدہ مقصود پر متنبہ کردیا،مقصود تو حاصل ہو چکا تھا اب حضرت والا نے اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کو اپنا معمول بنالیا اور تسبیحات والی محنت کا رخ علمی محنت کی طرف پھیر دیا جو پچاس سال سے تا حال برابر جاری ہے اطال اللہ بقائہ ونفعنا بعلومہ وفیوضہ ۔

شفقت کے مختلف انداز:

وہ منظر اب تک میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے جو بڑا ہی عجیب اور

حیران کن تھا آج سے ۳۶ سال قبل جب میں دار العلوم کبیر والہ میں مدرس تھا تو غالبا سہ ماہی نتیجے کے موقع پر مجلس نتیجہ میں اساتذہ کرام اور طلبہ کے سامنے حضرت حکیم العصر کا بیان ہوا آپ نے ایک تو یہ آیت تلاوت فرمائی فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك (پس اللہ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان (صحابہؓ) کیلئے نرم ہیں اور اگر آپ سخت زبان اور سنگ دل ہوتے تو آپ کے اردگرد کے یہ لوگ (یعنی صحابہؓ بکھر جاتے)۔ دوسری یہ آیت تلاوت فرمائی یاایھاالذین امنوا اذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔ (اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تمہارے درمیان آپسمیں عداوتیں تھیں سو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی پس اس کا انعام کہ تم بھائی بھائی بن گئے) تیسری آیت دسویں پارہ سے تلاوت کی هو الذی ايدک بنصره وبالمؤمنين الخ اللہ وہ ہے جس نے آپ کو اپنی خاص مدد اور مؤمنین کے ذریعے قوت دی اور مؤمنین کے قلوب میں الفت ڈال دی اگر آپ زمین کے سارے خزانے خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کردی ان آیات کی روشنی میں تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کوئی بھی معاشرہ ہو اس کی ترقی، کامیابی اور اس کی بھلائی و اچھائی کا دارومدار اس پر ہے کہ اس معاشرہ کی بنیاد ہمدردی، خیر خواہی اور الفت و محبت پر ہو انتظام و انصرام کی بنیاد بھی شفقت و محبت ہمدردی و خیر خواہی پر ہو اور اس معاشرہ کے افراد کے درمیان بھی اتفاق و اتحاد، الفت و محبت، ایک دوسرے کی ہمدردی و خیر خواہی کی فضا قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو یہی اصول بتایا اور آپ نے اسی بنیاد پر جماعت صحابہ کو تیار کیا پس آپ ﷺ ان کیلئے نرم خو، نرم دل، مجسم شفقت و محبت تھے اسی طرح صحابہ ﷺ بھی باہمی شیر

وشکر، سراپا الفت ومحبت حتی کہ ان کے متعلق اللہ نے شہادت دی رحماء بینھم اور خود فرمایا الف بین قلوبھم توان کی باہمی الفت ومحبت، رأفت ورحمت میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ تقریباً آپ نے آدھ گھنٹہ اسی موضوع پر بیان فرمایا مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ نے اکابرین دیوبند کے آپس میں الفت ومحبت کے چند واقعات بھی بیان فرمائے تھے۔

اس کے بعد شیخ المعقول والمنقول حضرت الاستاذ مولانا منظور الحق صاحبؒ جو اس وقت دار العلوم کے مہتمم تھے انہوں نے تقریر فرمائی ان کی تقریر کا لب لباب یہ تھا اگر ڈاکٹر ایک مریض کیلئے آپریشن کو ضروری سمجھتا ہے اس کے بغیر اس کا علاج ممکن نہیں یا کسی عضو کا کاٹنا ضروری خیال کرتا ہے ورنہ سارے جسم کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسے موقع پر مریض کے ساتھ شفقت یہی ہے کہ اس کا آپریشن کیا جائے اور اس کا عضو کاٹ دیا جائے اور اگر ڈاکٹر خوش کن دل بہلانے والی باتیں تو سناتا رہے، الفت ومحبت کا اظہار کرتا رہے پیار سے سر پہ ہاتھ پھیر کر اس کو خوش کرتا رہے مگر اپریشن نہ کرے کینسر زدہ عضو نہ کاٹے تو یہ الفت ومحبت اور ہمدردی وخیر خواہی نہیں بلکہ اس مریض کے ساتھ عداوت ودشمنی ہے۔

میرا بہت جی چاہا کہ میں ان دونوں تقریروں کے درمیان اسی مجلس میں تطبیق دوں لیکن اساتذہ کرام کی موجودگی میں ہمت نہ ہوسکی تاہم میں نے محسوس کیا کہ طلبہ ان دونوں تقریروں کو متضاد خیال کر رہے ہیں تو میں نے اسباق کے دوران اور نجی مجلسوں میں تطبیق بیان کی وہ یہ کہ دونوں اساتذہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی بھی معاشرہ ہو اس کے نظم ونسق، انتظام، انصرام کی بنیاد شفقت ومحبت پر ہونی چاہیے۔ حتی کہ ڈاکٹر کے اپریشن کی بنیاد بھی مریض کے ساتھ شفقت ومحبت پر ہے اسی طرح اگر منتظمین مدرسہ یا اساتذہ کرام کسی طالب علم کے ساتھ تادیبی معاملہ

کریں تو اس کی بنیاد بھی شفقت ومحبت اور اس کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی ہو محض غیظ وغضب اور جوش وانتقام کی بنیاد پر نہ ہو پہلی تقریر میں بھی بنیاد شفقت ہے دوسری میں بھی بنیاد شفقت ہی ہے یہ الگ بات ہے کہ موقع محل کے لحاظ سے شفقت کے انداز مختلف ہوسکتے ہیں پس دوسری تقریر پہلی تقریر کی تائید وتفصیل ہے۔

سو دونوں حضرات کی تقریروں میں عداوت وانتقام کی نفی اور شفقت ومحبت کا اثبات ہے حضرت کے اس بیان کی بنیاد بھی اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ وہبی جذبہ الفت ومحبت اور رأفت ورحمت ہے۔۳۵ سال ہو چکے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ باب العلوم حضرت کے دیے ہوئے انہیں اصولوں پر چل رہا ہے والحمدللہ علی ذالک.

روحانی نسبت کی قسمیں:

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ نسبت مع اللہ کے حاصل کرنے کا کسبی اور اکتسابی طریقہ پیر رومی کے فرمان کے مطابق یہ ہے۔

قال را بگزار مرد حال شو پیش پیر کامل پامال شو

باتوں کو چھوڑ اور صاحب حال (یعنی صاحب نسبت) بن جسکا طریقہ یہ ہے کہ کسی پیر کامل کے سامنے مکمل طور پر سپرد ہوجا۔

پس دل میں اپنے پیر و مرشد کی جس قدر محبت واطاعت ہوگی اور جس قدر پیر کی صحبت میسر ہوگی اسی قدر انکے ساتھ روحانی مناسبت ہوگی اور روحانی فیض نصیب ہوگا ۔حتی کہ رفتہ رفتہ مرشد کی قوۃ جاذبہ قوۃ تاثیر اور توجہ مرید صادق کی روحانیت کو اپنی روحانیت کی طرف کھینچ کر اس طرح اپنے ساتھ پیوست کر لیتی ہے کہ مرید کو فنافی الشیخ کا مقام حاصل ہوجاتا ہے اور شیخ اتباع سنت اور نسبت مع الرسول

میں کامل وراسخ ہوتا ہے۔تو شیخ کے واسطہ سے مرید کو بھی اتباع سنت اور نسبت مع الرسول کی نعمت نصیب ہو جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی روحانی نسبت ہر آن اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اس لئے نسبت مع الرسول کے واسطے سے نسبت مع اللہ کا مقام بھی حاصل ہو جاتا ہے پس روحانیت کے مختلف مدارج ومنازل کا دارومدار اپنے مرشد کے ساتھ مناسبت بلکہ نسبت تامہ اور نسبت کاملہ پر ہے۔

ایک مجلس میں حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم نے تفسیر عزیزی پارہ عم کے حوالے سے روحانی نسبت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ روحانی نسبت کی چار قسمیں ہیں (۱) نسبت انعکاسی۔ اسکی مثال اس طرح ہے کہ ایک آدمی اپنے جسم پر قیمتی عمدہ قسم کا بہت سا عطر لگا لیتا ہے جس کی خوشبو خوب مہک رہی ہے سو جو لوگ اسکی مجلس میں بیٹھتے ہیں وہ اس خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں خوشبو ان کے دل ودماغ کو معطر کرتی رہتی ہے یہ نسبت کمزور درجہ کی ہے کیونکہ اس کی تاثیر اس وقت تک ہے جب تک یہ لوگ اس شیخ کی مجلس میں ہیں مجلس کے بعد اس کی تاثیر محسوس نہیں ہوتی۔

(۲) نسبت القائی اسکی مثال یوں ہے ایک آدمی چراغ میں زیتون کا تیل اور بٹ ڈال کر شیخ کے پاس جاتا ہے شیخ کے پاس آگ جل رہی ہے وہ آدمی اس آگ سے اپنا چراغ جلا لیتا ہے گویا کہ شیخ نے اپنی روحانیت کے انوارات اس کی طرف منتقل کر دیے اس نسبت کی تاثیر پہلی نسبت سے قوی تر ہے کیونکہ شیخ کی مجلس سے اٹھنے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے لیکن خطرہ بھی ہے کہ شاید تیز ہوا اس جلتے چراغ کو بجھا دے۔

(۳) نسبت اصلاحی اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک آدمی نے نہر کھودی اور اس کو خوب صاف کیا اور اس کو دریا کے ساتھ ملا کر پانی گرنے کی جگہ کو پست کر

دیا تاکہ دریا کا پانی اس میں گرے تو پوری روانگی کے ساتھ چلے اور کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے اس نسبت کی تاثیر پہلی دونوں نسبتوں سے قوی تر ہے کیونکہ پانی کے چلنے میں مٹی پتے جو رکاوٹ بن سکتے تھے وہ دور کر دیے گئے اور جو کچھ رہ گئے وہ پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے پانی کے ساتھ بہ جاتے ہیں لیکن ایک خطرہ پھر بھی رہتا ہے کہ شاید نہر کا کنارہ ٹوٹ جائے یا کوئی سوراخ ہو جائے۔

(۴) نسبت اتحادی یہ ہے کہ شیخ اپنی روح باکمال کو طالب کی روح کے ساتھ خوب زور سے ملا دے کہ شیخ کی روح کا کمال طالب کی روح میں اثر کر جائے یہ مرتبہ تاثیر کی سب قسموں سے زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ دونوں روحوں کے اتصال کی وجہ سے جو کچھ شیخ کی روح میں ہوتا ہے وہ طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی اس قسم کی تاثیر اولیاء اللہ میں بہت کم پائی جاتی ہے (دو روحوں کے اتصال کو یوں سمجھ لیجئے جیسے آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ بم کہیں رکھا ہوتا ہے اور ریموٹ کنٹرول والا آدمی کہیں اور ہوتا ہے جب وہ بٹن دباتا ہے تو ریموٹ کنٹرول کی تاثیر بم میں ظاہر ہوتی ہے اور بم پھٹ جاتا ہے اسی طرح ٹی وی کا شوقین ٹی وی کا ریموٹ لے کر دور بیٹھا ہوتا ہے اس ریموٹ کا ٹی وی میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ وہ ریموٹ سے ٹی وی کھولتا اور بند کرتا ہے اسی سے اسٹیشن بھی بدلتا ہے اور ٹی وی کا کلر بھی تبدیل کرتا ہے۔ پس اسی طرح شیخ روحانی قوت کے ساتھ اپنی روح کا طالب کی روح کے ساتھ اتصال پیدا کر کے اپنے روح کے کمالات طالب کی روح کی طرف منتقل کر دیتا ہے جس سے روح وقلب کی کیفیات ایک جیسی ہو جاتی ہیں بلکہ بعض دفعہ ظاہری شکل وصورت بھی ایک جیسی ہو جاتی ہے از راقم الحروف)۔

اس کی مثال میں خواجہ باقی باللہؒ کا واقعہ اس طرح ذکر فرمایا کہ ایک دن

خواجہ صاحب کے مکان پر کئی مہمان آگئے اس روز آپ کے ہاں کوئی کھانے کی چیز موجود نہ تھی جس سے خواجہ صاحب کو بہت تشویش ہوئی اتفاقاً ایک نان بائی کی دکان آپ کے مکان کے متصل تھی اس کو کسی طرح اس کی خبر ہوگئی تو وہ خواجہ صاحب کے مہمانوں کیلئے پرتکلف مرغن کھانا لے کر حاضر ہوا آپ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا حضرت مجھ کو اپنے جیسا کر دیجئے فرمایا تو اس حالت کو برداشت نہ کرسکے گا کچھ اور مانگ وہ اسی بات کا اصرار کرتا رہا اور خواجہ صاحب انکار کرتے رہے جب اس کا اصرار بڑھا اور بہت عاجزی کرنے لگا تو خواجہ صاحب لاچار ہو کر اس کو اپنے ساتھ حجرے میں لے گئے۔ اور اس پر توجہ و تاثیر اتحادی کی جب حجرے سے باہر نکلے تو باطنی کیفیات میں جو یکسانیت پیدا ہوئی وہ تو اپنی جگہ نان بائی کی ظاہری شکل وصورت بھی خواجہ صاحب جیسی تھی دونوں کی ظاہری شکل وصورت میں کوئی فرق نہ تھا ہاں یہ فرق ضرور تھا کہ خواجہ باقی باللہؒ باہوش اور صحیح سلامت تھے مگر نان بائی بیہوش تھا اور لڑکھڑا رہا تھا وہ نان بائی اس حالت کا تحمل نہ کرسکا بالآخر تین دن کے بعد اسی بیہوشی کی حالت میں فوت ہوگیا۔

نسبت اتحادی اور تاثیر اتحادی کے سلسلے میں دوسرا واقعہ یہ سنایا کہ حضرت اقدس حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ لاہور میں صوفی عبد الحمید کی کوٹھی پر قیام پذیر تھے اپنی وفات سے کچھ روز قبل اپنے شیخ قطب الاقطاب حضرت عالی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے نواسے حضرت اقدس حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ، سرگودھوی جو حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ اور خصوصاً حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے روحانی فیوض وبرکات سے سیراب تھے ان کو اپنے

قریب کیا اپنے سینے پر لٹایا اور دیر تک توجہ دی۔ جب چھوڑا تو حضرت مولانا عبد العزیزؒ کی ظاہری شکل وصورت بالکل حضرت رائے پوریؒ جیسی تھی البتہ ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں یہ نسبت اتحادی اور تاثیر اتحادی کا اثر تھا۔

حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رائے پوریؒ کی وفات کے بعد میں نے میاں چنوں میں حضرت سرگودھویؒ کو دیکھا تو مجھے محسوس ہوا جیسے خود حضرت رائے پوری ہیں حضرت والا نے اس نسبت اتحادی کے آثار میں مزید تین چیزوں کا ذکر فرمایا حضرت رائے پوریؒ کے دانتوں کا جبڑا محفوظ تھا جب حضرت سرگودھویؒ نے جبڑا بنوانے کی ضرورت محسوس کی تو وہی حضرت رائے پوریؒ کا جبڑا لگایا اور بالکل فٹ آ گیا ذرا برابر فرق نہ تھا حالانکہ جبڑے کا معمولی سا فرق بھی ہو تو ان فٹ ہو جاتا ہے۔

ایک موقع پر حضرت سرگودھویؒ نے بڑے محبت بھرے انداز میں فرمایا اللہ کی شان حضرت کا جبڑا اس طرح فٹ آیا کہ دانت پہ دانت بیٹھ گیا حضرت رائے پوریؒ پان کھاتے تھے حضرت سرگودھویؒ پان تو نہیں کھاتے تھے لیکن غیر اختیاری طور پر حضرت کا منہ اس طرح ہلتا تھا جیسے پان کھانے والوں کا ہلتا ہے حضرت رائے پوریؒ بھی زندگی کے اخیر میں سات سال بیمار رہے حضرت سرگودھویؒ بھی سات سال بیمار رہے۔

حضرت سرگودھویؒ کے شیخ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کو بھی اپنے شیخ حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے ساتھ نسبت اتحادی حاصل تھی۔ چنانچہ حیاۃ طیبہ میں حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ (خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ) کے بیان کردہ ملفوظاتِ رائپوری کا اندراج ہے ملفوظ نمبر ۸ میں ہے ایک روز احقر (حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب مدظلہ) حضرت کی خدمت میں تنہا بیٹھا ہوا تھا حضرت نے

فرمایا جو پاس بیٹھنا ہے اسکو توجہ کہتے ہیں پھر فرمایا اس پاس بیٹھنے کی برکت تھی کہ میرے حضرت کے دل میں جو خیال آتا تھا وہی میرے دل میں بھی آتا تھا اب یہ معلوم نہیں کہ حضرت کے جی میں پہلے آتا تھا یا میرے جی میں۔

حضرت حکیم العصر کی اکابر سے مضبوط نسبت:

ہمارے حضرت حکیم العصر زیدت فیوضہ کی علمی، عملی، روحانی نسبت اپنے اکابر دیوبند کے ساتھ بڑی راسخ اور پختہ ہے جب حضرت کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ حضرت مدنیؒ اور حضرت انور شاہؒ اور حضرت تھانویؒ کی ارواح کے ساتھ آپ کی روح کا تعلق اور کنیکشن جڑا ہوا ہے اُدھر سے لے رہے ہیں اِدھر دے رہے ہیں۔ اُدھر سے پا رہے ہیں اِدھر عطاء کر رہے ہیں۔ اُدھر سے القاء ہو رہا ہے اور حضرت بول رہے ہیں اور ان کی ترجمانی کر رہے ہیں اس کا پورا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو حضرت کے پاس اسباق پڑھتے ہیں یا آپ کی مجالس میں بیٹھ کر فیض صحبت اٹھاتے ہیں یا آپ کے خطبات و مواعظ کے جواہر و انوار سے اپنے دل و دماغ کو روشن کرتے ہیں۔ جہاں تک خطبات حکیم العصر کی اشاعت کا تعلق ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالی نے جس طرح خطبات حکیم العصر کی پہلی اور دوسری جلد کو خواص اور عوام میں قبول عام کی نعمت سے نوازا ہے۔ علماء کرام مشائخ عظام اور سب دیندار، باشعور لوگوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح کیلئے اس کو بہت مفید و موثر پایا ہے اسی طرح خطبات حکیم العصر کی تیسری جلد بھی انہیں خوبیوں سے مزین و مرصع ہے۔ دعا ہے اللہ تعالی حضرت والا کے اس فیض کو تا دیر جاری و ساری رکھے۔ آمین

منیر احمد منور

عقیدۂ توحید و تقدیر

بموقع 8 ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام 8 جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت 8 بعد عشاء

تاریخ 8 ۱۲ محرم ۱۴۲۱ھ

عقیدۂ توحید وتقدیر

خطبہ!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ــ وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ. ☆ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى

☆ (سورہ قمر۔ آیت ۴۹، ۵۰)

تمہید

ہفتہ وار بیان کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کا مقصد طلباء کو صحیح عقائد کی تلقین کرنا ہے اور ان باتوں کی وضاحت کرنا...جو عام طور پر درسی کتابوں میں نہیں آتیں۔تقریباً دو سال سے یہ سلسلہ شروع ہے درمیان میں وقتی ضرورتوں کے تحت کچھ اور باتیں بھی آتی گئیں سب سے پہلے توحید اور اس کے لوازمات کو ذکر کیا تھا پھر رسالت اور اس کے بعد معاد کو....یہ ساری باتیں دو سال کے عرصہ میں آپ کے سامنے بیان کی جا چکیں...عقائد کے سلسلے میں اب اگلا نمبر عقیدہ تقدیر کا ہے۔

عقیدہ تقدیر کی اہمیت

عقیدہ تقدیر اسی طرح سے ضروری ہے جیسے توحید، رسالت اور معاد...جیسے ان عقیدوں میں سے کسی عقیدے کا انکار کفر اور ان کی صحیح تعبیر اختیار نہ کرنا گمراہی ہے...ایسے ہی عقیدہ تقدیر کا انکار بھی کفر ہے۔اور اس کی تعبیرات میں سے ..صحیح تعبیر اختیار کرنا لازمی ہے اور اس کی صحیح تعبیر اختیار نہ کرنا گمراہی ہے اور اس عقیدے کی اہمیت حدیث مبارکہ میں ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے

وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَاقَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْکَ حَتّٰی تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ ☆

مشکوۃ شریف باب القدر میں ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے راستہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ قبول نہیں جب تک کہ اس کا تقدیر پر ایمان نہ ہو اور تقدیر پر ایمان اس تفصیل کے ساتھ کہ انسان اس بات کو جان لے کہ جو تکلیف

☆(مشکوۃ ۱/۲۳)

تمہیں پہنچ گئی وہ خطاء کرنیوالی نہیں تھی اور جو خطاء کر گئی وہ تجھے پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر اس عقیدے کے بغیر مر گیا تو جہنم میں جائیگا ان الفاظ سے اس عقیدے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عقیدے کا سمجھنا سمجھانا بہت پیچیدہ اور مشکل ہے اس لئے میں سوچتا رہا کہ میں اپنے عزیز طلباء کو یہ عقیدہ کیسے سمجھاؤں اور اسکی کیا تعبیر اختیار کروں بس اللہ سے توفیق طلب کرتا ہوں کہ بس سادے الفاظ میں عقیدہ تقدیر آپ حضرات کے ذہن میں اتار دے۔

اللہ خالق ہے

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی کسی شئی کا خالق نہیں ہے اس کائنات میں ذرے سے لیکر پہاڑوں تک اور جواہر و اعراض جو کچھ بھی ہے سب کا خالق اللہ ہے۔ قرآن میں ارشاد باری ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ☆ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

اللہ عالم الغیب ہے

اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے...کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں..جو کچھ ہوا یا جو کچھ ہوگا وہ سب کچھ کو جاننے والا ہے...کوئی معمولی سے معمولی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ابتداء سے لیکر انتہاء تک جاننے والا ہے اور اللہ کا علم واقعہ کے مطابق ہے واقعہ کے خلاف نہیں اور جو اللہ کے علم میں ہے ویسے ہی ہوگا..اللہ کے علم کے خلاف کوئی بھی چیز دنیا میں نہیں آسکتی....لہٰذا اللہ کا علم تام ہے، کامل ہے، واقعہ کے مطابق ہے۔

☆ (سورہ زمر۔ آیت ۶۲)

اللہ تعالیٰ قادر ہے

ایسے ہی اللہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں کائنات کا ہر ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اللہ کی قدرت کے بغیر کوئی شئی اپنی مرضی کے ساتھ کوئی حرکت نہیں کر سکتی... یہ ایسی باتیں ہیں جو ہر مومن جانتا ہے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

قضاء وقدر کا مفہوم

ان باتوں کو ذہن میں رکھنے کے بعد عقیدہ تقدیر کو ماننا اور اس پر عمل کرنا آسان ہے... ہمارے ہاں قضاء وقدر یہ دو لفظ استعمال ہوتے ہیں جیسے ہم نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا... میں اس جگہ کو اپنے ذہن میں مستحضر کرتا ہوں اور ذہن میں ایک نقشہ بناتا ہوں کہ یہاں دروازہ ہونا چاہیے... یہاں کھڑکی ہونی چاہیے... یہاں وضو خانہ ہونا چاہیے.... یہاں پانی کی ٹینکی ہونی چاہیے.... یہاں برآمدہ ہوگا.... یہاں تہہ خانہ ہوگا.... اس طرح سے میں اپنے ذہن میں ایک مکمل نقشہ بناتا ہوں۔

اب ذہن میں بنائے ہوئے نقشہ کو کاغذ پر اتارتا ہوں پھر اس مسجد کو بنانا شروع کرتے ہیں اب یہاں پر تین باتیں ہوتی ہیں... ذہنی نقشہ...، کاغذ پر بنایا نقشہ، ...اس کی عملی تصویر... ذہنی نقشہ یہ قضاء ہے اللہ تعالیٰ نے جس وقت مخلوق کو بنانے کا ارادہ کیا اور اس کے مطابق اللہ کے علم میں ایک نقشہ تھا کہ مخلوق یوں بنانی ہے اور پھر اس نقشہ کو لوح محفوظ پر اتار دیا یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم کاغذ پر نقشہ بناتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کے اندر اس کی پوری تفصیل لکھ دی کہ میں نے اس طرح آسمان بنانا ہے.....، اس طرح زمین بنانی ہے۔

اس طرح پہاڑ بنانے ہیں.....اس طرح سمندر بنانے ہیں۔

اس طرح ریگستان بننے ہیں.....اس طرح چوپائے بنانے ہیں۔

اس طرح آدم کو بنانا ہے اور یوں آدم علیہ السلام کی اولاد پھیلے گی۔

اور اس طرح سے دنیا آباد ہوگی...پھر قیامت آئے گی...پھر حساب وکتاب ہوگا ...پھر جنت ہوگی دوزخ ہوگی.....جو بھی تھا سب کچھ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا۔

اب اس کے بعد تیسر درجہ تخلیق کا ہے کہ اب اس نقشہ کے بعد اس کو بنانا شروع کیا...ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے بنائے ہوئے نقشہ کو جب عملی تعبیر دینا شروع کرتے ہیں تو اس میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں مثلاً یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ ہم اس کو یوں بناتے ہیں تو یہ رکاوٹ اور یوں بناتے ہیں تو یہ رکاوٹ پیدا ہوتی رہتی ہے اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کیلئے نقشے میں تبدیلی کرنی پڑ جاتی ہے اب سوال یہ ہے کہ یہ تبدیلی کیوں کرنی پڑ گئی؟ وہ اس لئے کہ ہمارا علم ناقص ہے اور ہم پوری مطابقت نہیں دے سکے اس لئے تخلیق کے وقت اس نقشہ میں تبدیلی کرنی پڑی اور اگر نقشہ نویس کا علم کامل ہوتا اور اس کے علم میں نقص نہ ہوتا تو وہ عمارت کو اس طرح نہ بناتا کہ اس کو گرانا پڑے اور اس میں رکاوٹ پیش آئے.....لیکن یہ چیز اللہ کے متعلق نہیں کہی جاسکتی کیونکہ اگر ہم ایسا کہیں گے تو اللہ کے علم کا خلافِ واقع ہونا لازم آئے گا اور یہ اللہ کے علم میں نقص ہے.....جبکہ اللہ کا علم کامل ہے..ناقص نہیں ہے۔اس لئے ہم کہتےہیں کہ اس کائنات کا جو سب سے پہلے نقشہ مرتب ہوا یہ قضاء ہے اور لوح محفوظ میں جو اس کو اتار دیا گیا یہ قدر ہے اور پھر آگے کائنات کے اندر اس نقشہ کی تخلیق شروع ہوئی اور بعینہ اس نقشہ کے مطابق بنتی چلی گئی.....یہ نہیں ہوسکتا کہ لکھا ہوا کچھ اور ہو...اور دنیا میں ہو کچھ اور جائے...یا لکھے ہوئے کے مطابق واقعہ

پیش نہ آئے ایسا ممکن نہیں...کیونکہ عدم مطابقت یہ عدم قدرت کی دلیل ہے یا عدم علم کی دلیل ہے.... یا تو یہ کہ علم صحیح ہے لیکن قدرت نہیں کہ ویسے کام کر دے یا یہ کہ قدرت تو ہے لیکن علم صحیح نہیں ہے اور آگے وہ کام درست نہیں ہو رہا ہے اور اگر علم بھی کامل اور قدرت بھی کامل تو پھر نقشے کے اندر تبدیلی کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری مثال:

دوسری مثال کے ذریعہ سے اس کو یوں سمجھیں مثلاً یہاں پر ریل کا ایک سلسلہ ہے اور اس کا ٹائم ٹیبل پہلے طے ہوتا ہے کہ خیبر میل پشاور سے اتنے بجے چلے گی....راولپنڈی اتنے بجے پہنچے گی...ملتان اتنے بجے پہنچے گی....اب جب اس ریل کو چلاتے ہیں..تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عین وقت پر ریل پشاور سے چلی... پنڈی بھی پہنچ گئی اور ملتان بھی پہنچ گئی تو لکھے ہوئے مطابق اس کا ظہور ہو گیا..لیکن کسی دن ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ پشاور سے چلی اور آگے راستہ میں کسی رکاوٹ کے پیش آنے کی وجہ سے اپنے مقررہ وقت پر نہ پنڈی پہنچی اور نہ ہی ملتان پہنچی....اب یہ لکھے ہوئے ٹائم ٹیبل کے ساتھ عدم مطابقت کیوں ہو گئی؟ اس لئے کہ ٹائم ٹیبل بنانے والے کو پتہ نہیں تھا کہ فلاں تاریخ کو راستہ میں رکاوٹ پیش آ جاتی ہے اور ریل مقررہ وقت پر نہیں پہنچ سکے گی اگر ان کے علم میں یہ رکاوٹ ہوتی تو وہ پہلے سے اعلان کر دیتے کہ فلاں تاریخ میں گاڑی اتنی دیر سے پہنچے گی لیکن وہ ایسا نہ کر سکے کیونکہ ان کا علم ناقص تھا..جب ان کا علم ناقص ہے تو ان کا لکھا ہوا کبھی درست ہو گا ...کبھی غلط ہو گا...نقشہ کے مطابق ہونا کوئی ضروری نہیں ہے..یہ انسان کی جہالت کی دلیل ہے یا عدم علم کی دلیل ہے...یا عدم قدرت کی دلیل ہے۔اس لئے ہم کہتے

ہیں کہ اگر اللہ کا علم کامل، اللہ کی قدرت کامل، تو پھر اللہ نے جو نقشہ اس دنیا کا بنایا ہے اسی کے مطابق اس دنیا کا ظہور ہوگا اور کبھی بھی اس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

اللہ کی قدرت کا اظہار کُنْ فَیَکُوْن سے ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو اپنی قدرت سے بنایا اور اللہ کی قدرت کا اظہار ''کُنْ فَیَکُوْن '' سے ہوا ہے کہ اللہ کی قدرت ایسی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کی طرف متوجہ ہو جائیں اور کوئی کام کرنا چاہیں تو اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے یہ بھی صرف سمجھانے کیلئے ہے ورنہ اللہ کی توجہ اور اللہ کا ارادہ اس کام کو وجود میں لے آتا ہے اور اگر اللہ کسی چیز کو فنا کرنا چاہے تو وہ بھی ''کن فیکون '' کی قوت سے ہوتا ہے اس لئے دنیا کا بنانا.. بگاڑنا... یہ اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ بھی نہیں ہے... ہر چیز کی تخلیق میں اور فناء میں اللہ کا ارادہ اور اس کی توجہ ہی کافی ہے۔

خَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کا مطلب

حدیث میں آتا ہے کہ ''خَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ' (بخاری ۹۱۹/۲ مسلم ۳۸۰/۲) 'اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی شکل ایسی ہے جیسی آدم کی... اس میں تو تشبیہ لازم آجائے گی اور تشبیہ کفر ہے ''لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ'' اللہ جیسا تو کوئی نہیں ہے اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا ظہور آدم کے ذریعہ سے کیا اللہ کی بہت سی صفات ایسی ہیں جن کا پرتو اللہ نے آدم کے اوپر ڈالا اور آدم کی صفات اللہ کی صفات کو سمجھنے کیلئے کچھ نہ کچھ ذریعہ بن جاتی ہیں جیسے ارادہ ہے، سمع ہے، بصر ہے، اختیار ہے یہ

ساری صفات ایسی ہیں جو اللہ کی بھی ہیں اسی طرح سے آپ آنکھیں بند کر کے باب العلوم کی اس مسجد کا اپنے ذہن کے اندر تصور کر لیں اب آپ یہ بتائیں کہ اس تصور کے ذریعہ سے ذہن میں مسجد بنانے میں کتنی دیر لگی ہے؟ اور اسی طرح سے اس کو ذہن سے ختم کرنے میں کتنی دیر لگتی ہے؟ یہ تصور میں مسجد کا بنانا اور ختم کرنا بہت معمولی وقت میں ہوا ہے جس کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا یہ ایسے ہے جیسے "کَلَمْحِ بِالْبَصَرِ" اب اگر میں آپ حضرات سے پوچھوں کہ آپ نے ذہن میں جو مسجد بنائی ہے وہ کس چیز سے بنائی ہے؟ اس کیلئے کیا میٹریل استعمال کیا ہے؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں؟ اب یہاں ایک ایسی چیز جس کو آپ بنائے بیٹھے ہیں لیکن یہ نہیں بتا سکتے کہ اس کو کس چیز سے بنایا ہے اور اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کو اس مسجد کی کس چیز کے ساتھ قرب زیادہ ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں؟ (نہیں) یعنی ایسا لگتا ہے کہ یہ مسجد آپ کی ایک ذرا سی توجہ کا محتاج ہے..... ذرا آپ نے توجہ کی تو بن گئی اور ذرا سی توجہ ہٹائی تو ختم ہو گئی

اِلَّا کَلَمْحِ بِالْبَصَرِ اَوْھُوَ اَقْرَبُ ☆

یہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذہن میں جو صلاحیت رکھی ہے یہ ایک ناقص سی مثال بن سکتی ہے کہ ایسے کام کیے جا سکتے ہیں کَلَمْحِ بِالْبَصَرِ اَوْھُوَ اَقْرَبُ، اور بنائے جا سکتے ہیں یہ ہم بتا نہیں سکتے کہ کس چیز سے بن گئے؟، اور ان کی بقاء توجہ کی محتاج ہے.... ذرا سی توجہ کرو تو بن گئی ذرا سی توجہ ہٹائی تو بگڑ گئی اور یہ چیز جس کو آپ مکمل بنائے بیٹھے ہیں اس کی ہر چیز کے آپ قریب ہے کسی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ زیادہ قریب ہے یہ زیادہ دور ہے یہ اللہ کی کائنات کو سمجھنے کی ایک دھندلی سی

☆ (سورہ نحل۔ آیت ۷۷)

مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ شئی کا وجود ہے... کس چیز سے اس نے بنا لی وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور ہم کس چیز کو اللہ کے قریب قرار دیں اور کس چیز کو دور قرار دیں یہ ہو ہی نہیں سکتا.... بنانے والا اس کے ہر ہر جزء کے قریب ہے کوئی چیز اس سے دور نہیں اور جب اس کو ختم کرنا چاہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے ختم کر سکتا ہے اور بنانا چاہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے بنا سکتا ہے اور پھر یہ سب کچھ خیالی ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کے خیال سے چیزیں بن جاتی ہیں۔

ارسطو کا واقعہ:

بسا اوقات یہ ذہنی مشق اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے دماغ کے خیالات دوسروں میں بھی بھر دیتا ہے اور دوسروں کو بھی وہ چیز دکھا دیتا ہے گویا کہ ملاً موجود ہے ایسا بھی ہو جاتا ہے.... ارسطو کے واقعات میں لکھا ہے.... یہ بہت بڑا فلسفی تھا اور یہ غاروں میں رہتا تھا یہ بہت ذہین اور بہت عقلمند آدمی تھا.... واقعات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ وقت اس کو ملنے کیلئے گیا تو دوران گفتگو بادشاہ نے اس کو کہا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں تو ارسطو نے کہا کہ میں آپ کی دعوت بعد میں کھاؤں گا پہلے میں آپ کی بمع آپ کی فوجوں کے دعوت کرتا ہوں۔ بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بوریا نشین شخص ہماری کیا دعوت کرے گا؟ تو بادشاہ نے سمجھا کہ غاروں میں رہ رہ کر اس کے دماغ میں خشکی پیدا ہو گئی ہے اس لئے اس کو پتہ نہیں کہ دعوت کیا ہوتی ہے؟ لیکن بادشاہ نے قبول کر لیا تو ارسطو نے کہا فلاں دن آپ کی بمع آپ کی فوجوں کے دعوت ہے۔

جب وہ وقت آیا اور یہ سب شاہی لشکر وہاں پہنچ گیا تو اس نے ان پر توجہ دینی

شروع کی تو سارے سو گئے جب سارے سو گئے تو اب انہوں نے خواب دیکھنا شروع کر دیا کہ بادشاہ بمع فوجوں کے تیاری کر رہا ہے ارسطو کی دعوت پر جانے کیلئے تیار ہو کر چل دیئے... سڑکیں بنی ہوئی ہیں دونوں طرف خدام کھڑے ہیں اور شاہی شان وشوکت نمایاں ہے... اب وہاں پر پہنچ کر دیکھا خیمے لگے ہوئے ہیں دعوت تیار ہے سامان سجا ہوا ہے اور مختلف قسم کے کھانے پکے ہوئے ہیں اور ان کھانوں کو دیکھ کر بادشاہ اور فوجیں حیران ہو رہی ہیں اور پھر سب نے وہ کھانے کھائے اور خوب سیر ہو کر کھائے اور پھر دیکھا کہ وہاں ہر شخص کے ٹھہرنے کیلئے علیحدہ علیحدہ کمرہ بنا ہوا ہے اور پھر اس کمرہ میں ہر ایک کو ایک ایک حور بھی مہیا کر دی اور وہ سارے عیاشی کرنے لگے دعوت مکمل ہو گئی کھا پی لیا، آرام کر لیا جب ارسطو نے توجہ چھوڑی۔ تو سب کچھ ختم۔ یہ ہوتا ہے توجہ کا اثر! کہ خیالات کے ساتھ ہی نئی دنیا بنالی اور کہاں سے ان کو چلایا... کہاں پہنچا دیا تو خیالات کا اثر اس قدر شدید ہوتا ہے کہ دوسرے کے ذہن میں بھی اس قسم کی بات پیدا کر دی جاتی ہے۔ بہر حال میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ نے کائنات کس چیز سے بنائی... ہم نہیں بتا سکتے... اللہ جانتا ہے اللہ اس کے کس حصے کے قریب ہے کس سے دور ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور ایک لمحہ میں چاہے تو سب کچھ بنا سکتا ہے اور ایک لمحہ میں سب کچھ فنا کر سکتا ہے اور اللہ کو کسی کام کے کرنے میں دیر لگتی ہی نہیں... اس کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق اسی طرح سے ہے۔

اب ہم شرح صدر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ زمین آسمان کے بنانے میں کسی کا دخل نہیں اللہ جیسے چاہتا ہے بناتا ہے... جیسے چاہتا ہے توڑ پھوڑ کر دیتا ہے اور ایسے ہی انسان کو پیدا کیا اور اس کے اندر اللہ نے صلاحیتیں رکھیں... لیکن اس انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنی قدرت کے ذریعہ ایک نقشے کے تحت بنایا ہے اور اس

کی بھی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی۔ اسلام میں سارے عقائد اہم ہیں کسی کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس دنیا میں انسان کے اطمینان کیلئے تقدیر کا عقیدہ لاجواب عقیدہ ہے۔

انسان کی تقدیر پیشانی پر لکھی ہوئی ہے:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انسان کو پیدا کرنے کے وقت اس میں روح ڈالنے سے پہلے اس کی تقدیر اس کی پیشانی پر لکھ دی جاتی ہے، اس کو رزق کتنا ملے گا، اس کی عمر کتنی ہے، اس نے عمل کیا کرنا ہے اور نتیجتاً یہ شقی ہے یا سعید! ☆ اب یہ بات جو ابھی آپ کو بتائی گئی ہے یہ عقیدے میں شامل ہے اور یہ تقدیر کا حصہ ہے۔

تقدیر کا عقیدہ لاجواب عقیدہ ہے:

لیکن آپ نے کبھی غور نہیں فرمایا کہ اگر اس عقیدے کو اچھی طرح استعمال کیا جائے تو یہ عقیدہ انسان پر کتنا اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔ اگر آپ کو یہ بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا رزق مقدر کر دیا ہے اس میں نہ کمی ہوگی نہ بیشی ہوگی اور آپ نے یہ عقیدہ بنالیا یعنی آپ نے یہ عقیدہ بنالیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق مقدر کر دیا ہے.. ہمیں اس کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے ہم نے نقل وحرکت اللہ کے حکم کے تحت کرنی ہے تو پھر رزق انسان کو ایسے تلاش کرے گا جیسے انسان کو موت تلاش کرتی ہے بس ہمارا فرض صرف نقل وحرکت کرنا ہے جس کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے تو اب کبھی کوئی شخص اس رزق کو حاصل کرنے کیلئے حرام ذرائع استعمال نہیں کرے گا.... کیونکہ اس کا عقیدہ یہ نہیں ہوگا کہ میں ڈاکہ ماروں گا... تو مجھے رزق ملے گا اور میں ڈاکہ نہیں ماروں گا تو

☆ (بخاری ۱/۴۶۰۔ مسلم ۲/۳۳۲)

مجھے رزق نہیں ملے گا..... اگر اس کا عقیدہ درست ہوا تو وہ کہے گا کہ مجھے حلال ذریعہ سے رزق تلاش کرنا چاہیے اور اپنے برے عمل کے ساتھ اس رزق کو حرام نہ کروں۔

نہ وہ رشوت لینے کی کوشش کرے گا

نہ چوری کرنے کی کوشش کرے گا

نہ ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے گا

کیونکہ اس کو پتہ ہے کہ ملنا تو وہی ہے جتنا مقدر میں ہے مثلاً ایک ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے اور وہ پانچ لاکھ روپے لوٹ کر لاتا ہے اور پولیس کے ہاتھوں پکڑا گیا تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ پانچ لاکھ آیا اور چلا گیا اور مفت کا گناہ اپنے کھاتے میں لکھوالیا...رزق وہ ہوتا ہے جس کو انسان کھالے، پی لے یا آخرت میں اس کو ذخیرہ کرلے اور اکٹھا کر کے رکھ لینا... یہ رزق نہیں ہوتا۔

اگر آپ کو بتا دیا گیا کہ آپ کی عمر اتنی ہے اور آپ کیلئے جتنے سانس لینے اللہ نے مقدر کئے ہیں...آپ اتنے ہی سانس لیں گے..تو اس بات سے انسان کے اندر ہمت اور جرأت پیدا ہو جاتی ہے کہ موت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں...موت کا وقت مقرر ہے اور وقت مقررہ سے پہلے کبھی بھی موت نہیں آسکتی!

عقیدہ تقدیر نے مسلمان کو سب سے بڑا بہادر بنایا:

- یہی عقیدہ ہے جس نے مسلمان کو سب سے بڑا بہادر بنایا اور میدان جہاد میں انسان گھستے ہوئے ذرا بھی نہیں ڈرتا... کیونکہ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے اور موت اس وقت سے ٹل نہیں سکتی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ بہت بڑے جرنیل گزرے ہیں... پوری زندگی جنگ

میں گزاری جب مشرک تھے تو مشرکوں کے جرنیل تھے..... غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست اسی خالد بن ولید کی تدبیر سے ہوئی ہے اور مسلمان ہوئے تو مسلمانوں کے بھی جرنیل تھے... لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت خالدؓ کی وفات گھر میں ہوئی ہے... میدان جنگ میں نہیں ہوئی جب ان کو موت آئی تو وہ فرمایا کرتے تھے" کہ دیکھو میرے پورے جسم میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جس پر نیزے کا یا تلوار کا زخم نہ ہو.. لیکن میں آج گھر میں اونٹ کی طرح ایڑیاں رگڑ کر جان دے رہا ہوں کیا اس واقعہ سے بزدلوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ میدان جنگ میں جانا موت کا ذریعہ ہے اور گھر بیٹھ جانا موت سے بچنے کا ذریعہ ہے۔☆

مقام موت پر انسان کوشش کر کے پہنچتا ہے

موت کیلئے وقت متعین ہے... جگہ متعین ہے... اس جگہ پر انسان کوشش کر کے پہنچتا ہے... یہ مضمون حدیث میں ہے ایک آدمی نے مثلاً ملتان جا کر مرنا ہے تو صبح سویرے اٹھے گا، نہائے گا، کپڑے بدلے گا اور جلدی جلدی گاڑی میں بیٹھ کر ملتان پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایک مرتبہ عزرائیل آ گیا اور سلیمانؑ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو گھور گھور کر دیکھنے لگا تو وہ آدمی ڈر گیا کہ یہ عزرائیل جو مجھے گھور رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ خطرناک ہے... تو اب وہ شخص سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا کہ عزرائیل مجھے گھور کر دیکھ رہا ہے..... مجھے تو اس

☆ (تفسیر ابن کثیر ۱/۳۰۰۔ ۱/۵۲۷۔ سیر اعلام النبلاء ۱/۳۸۲)

سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے اس لئے مجھے کہیں دور پھینک دو.... سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تو کہاں جانا چاہتا ہے.... اس نے کہا میں ہندوستان جانا چاہتا ہوں انہوں نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کو ہندوستان چھوڑ آؤ... جیسے ہی وہاں جا کر اترا مر گیا ..دوسرے وقت میں عزرائیل سلیمان علیہ السلام کے دربار میں آئے تو سلیمان علیہ السلام نے پوچھ لیا کہ تو اس دن فلاں آدمی کو کیوں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا تو اس نے کہا میں اس لئے دیکھ رہا تھا کہ اس کی موت کا وقت بالکل قریب آ رہا ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ اس کی جان ہندوستان میں نکالنی ہے تو میں سوچ رہا تھا کہ یہ اتنے قلیل وقت میں وہاں کیسے پہنچے گا؟ ☆

دیکھو جب اس کی موت وہاں آئی تھی تو کیسے آناً فاناً اڑ کر وہاں پہنچ گیا جب یہ بات عقیدے میں آ جائے کہ موت وقت پر آئے گی متعین جگہ میں آئے گی تو بہادری پیدا ہوتی ہے نہ کہ بزدلی۔ اور جب آپ کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ نیک بخت ہیں یا بدبخت ہیں تو ہر وقت ڈرتے رہیں گے.... یہ نہیں کہ چار دن عبادت کر لی اپنے آپ کو مقدس بزرگ بنا کر بیٹھ گئے کہ اب ہم تو اللہ کے ہاں بخشے ہوئے ہیں... یہ خیال انسان کو بالکل نہیں آئے گا اور ہر وقت انسان ڈرتا رہے گا کہ کہیں ہمارا انجام خراب نہ ہو جائے۔

تو تقدیر کا عقیدہ انسان کو بزدل کی بجائے بہادر بناتا ہے
بخیل ہونے کی بجائے سخی بناتا ہے
اور مغرور ہونے کی بجائے ہر وقت اللہ سے ڈرنے والا بناتا ہے۔

☆ (مصنف ابن ابی شیبہ ۷/۷۰۔ رقم ۳۴۲۶۸)

اعمال کے بارے میں تین گروہ

باقی جہاں تک انسان کے اعمال کا قصہ ہے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ اعمال کے بارے میں تین گروہ ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اس کو بالکل کوئی اختیار نہیں ان کو جبریہ کہا جاتا ہے یہ عقیدہ درست نہیں ہے ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں کہ ہم با اختیار ہیں اور بے اختیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے بس میں کچھ نہیں۔

سوال

ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ اگر انسان بالکل بے بس پتھر کی طرح ہے اور اس کے اختیار ہے کچھ نہیں...تو پھر آخرت میں انسان کو عذاب کیوں ہوگا؟

جواب

تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ کی مرضی...اللہ مالک ہے...جو چاہے کرے

مولانا رومیؒ کا واقعہ

مولانا رومیؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے ایک آدمی کسی کے باغ میں چلا گیا اور وہاں پر جا کر اس نے پھل توڑ کر کھانے شروع کر دیئے...باغ والے نے پکڑ لیا اور کہا کہ تو یہ کیا کر رہا ہے تو وہ کہنے لگا کہ میں نے کیا کیا ہے...باغ بھی اللہ کا، پھل بھی اللہ کا، میں بھی اللہ کا،.توڑتا بھی اللہ کے حکم سے ہوں..کھاتا بھی اللہ کے حکم سے ہوں...تو اس نے اسے پکڑ لیا اور ڈنڈا لیکر اس کی پٹائی شروع کر دی...اب جب اس نے چیخنا شروع کیا.تو اس نے کہا چیختا کیوں ہے؟ میں بھی اللہ کا، ڈنڈا بھی اللہ

کا، تو پھر وہ کہنے لگا اختیار اختیار اختیار یعنی میں نے یہ کام اپنے اختیار سے کیا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ انسان بالکل مختار ہے جو چاہے کرے یہ عقیدہ بھی غلط ہے کیونکہ کئی دفعہ ہم ایک کام کا ارادہ کرتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے! اور ایسا بیسیوں مقام پر ہوتا ہے کہ ہمارے ارادے ٹوٹ جاتے ہیں.. اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ بھی نہیں ہے۔

جبر واختیار کے متعلق حضرت علیؓ کی وضاحت

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ انسان مجبور ہے یا مختار؟ تو حضرت علیؓ نے اسے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ.. جب وہ کھڑا ہو گیا.. تو اس کو کہا کہ ایک ٹانگ اٹھاؤ اس نے ایک ٹانگ اٹھالی تو اب اس کو کہا کہ دوسری بھی اٹھا.. تو اس نے کہا کہ جی دوسری تو نہیں اٹھائی جا سکتی.. تو آپ نے فرمایا کہ انسان اتنا مجبور ہے اور اتنا مختار ہے

اس لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان نہ پوری طرح سے مختار ہے اور نہ پوری طرح سے مجبور!.. ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے خیال اور ارادے کے مکلف ہیں... دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو عالم الاسباب بنایا ہے.. جب ہم اپنے ارادے اور اپنے فعل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے اذان کے بعد آپ کو قدرت ہے کہ مسجد کی طرف آئیں یا بازار کی طرف جائیں! یعنی کہ دنیا کے تمام افعال آپ کے اختیار سے صادر ہوتے ہیں

اگر چہ آپ کا اختیار آپ کے اختیار میں نہیں ہے..... یہ سمجھ لینا کہ میں ہی ہوں اور میں ہی ہوں جو کچھ کروں کر سکتا ہوں.... یہ غلط ہے (کیونکہ آپ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور آپ کا اختیار بھی)

قارون کا واقعہ

قارون کو جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اللہ کے راستہ میں خیرات کرو تو وہ کہتا ہے

اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ☆

اس کو کہا احسان کر جیسے اللہ نے تیرے اوپر احسان کیا تو وہ کہنے لگا کہ اللہ نے کیا احسان کیا ہے؟ سب کچھ تو میں نے اپنی قابلیت سے کمایا ہے اس لئے میں اللہ کے راستہ میں کیوں دوں؟ حالانکہ حقیقت دیکھیں تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے اس بات کو سمجھانے کیلئے ایک مثال دی ہے کہ ایک چیز کی پیداوار پر دو آدمیوں کا جھگڑا ہو گیا کہ یہ پیداوار کس کی ہے؟

پوچھا گیا یہ کھیت کس کا ہے؟ تو ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا (دوسرے کی طرف اشارہ کر کے) یہ اس کا حق ہے جیسے بکر سے پوچھا گیا کہ کھیت کس کا ہے تو اس نے کہا زید کا... پھر اس سے پوچھا گیا کہ اس کو پانی کس نے لگایا؟ تو اس نے کہا زید نے، ہل کس نے جوتا تو اس نے کہا کہ زید نے، اس ساری فصل کو آخر تک تیار کر کے گندم کس نے نکالی.. تو اس نے کہا زید نے، تو اب بکر ہر چیز کے بارے میں مانتا ہے کہ یہ زید کی ہے لیکن جب پیداوار کی بات آتی ہے تو کہتا ہے کہ میری ہے اس سے بڑی حماقت کی کیا دلیل ہوسکتی ہے۔ مثلاً آپ اپنے مال کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ مال میرا کمایا ہوا ہے اب آپ سے کوئی پوچھے کہ

اس کمانے میں تیری آنکھ استعمال ہوئی، آنکھ کس نے دی

اس کمانے میں تیرا ہاتھ استعمال ہوا ہاتھ کس نے دیا

☆ (سورہ قصص۔ آیت ۷۸)

،اس کمانے میں تیری عقل استعمال ہوئی عقل کس نے دی،

توان سب باتوں کا جواب ہے اللہ!.....اب دیا ہوا تو سب کچھ اللہ کا ہے جب کمائی آئی یا پیداوار آئی تو کہتا ہے میری! اس لئے انسان کو یوں کہنا چاہیے کہ جو کچھ دیا ہوا ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور جو کچھ آئندہ ملے گا وہ بھی اللہ کا ہوگا...اس لئے اپنی طرف نسبت کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے لیکن ہم اپنے ارادے اور اختیار کے مکلّف ہیں اس لئے دنیا میں رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ہم سے کوئی نیکی ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ نے جو ہمیں اختیار دیا تھا...ہمارے ارادے کے مطابق ہمیں اس کو صحیح مصرف پر استعمال کرنے کی توفیق دی،

اور اگر آپ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کی نسبت اللہ کی طرف نہ کیجئے اگرچہ خیر وشر دونوں چیزوں کا خالق اللہ ہے لیکن خیر وشر کی یہ تقسیم آپ کے اعتبار سے ہے اللہ کے اعتبار سے نہیں، اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب حسن ہی حسن ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جیسے ایک آدمی کوٹھی بناتا ہے اور اس میں بیٹھک بھی بنائی ....رہنے کے کمریب ھی بنائے، باورچی خانہ بھی بنایا اور وہ کوٹھی ہر طرح سے مکمل کر لی...لیکن اس میں بیت الخلاء نہیں بنایا تو کیا یہ کوٹھی مکمل ہے؟ اب اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے اتنی شاندار کوٹھی بنائی ہے اور یہ گندی جگہ ہے...میں اس میں نہیں بناتا تو کیا یہ کوٹھی مکمل ہو جائے گی؟

اس لئے بنانے والے کا کمال یہ ہے کہ وہ اس کوٹھی میں بیتَ الخلاء بھی بنائے لیکن وہ آگے جگہ کا مقدر ہے کہ کوئی جگہ مکان کیلئے تجویز ہوگئی اور کوئی جگہ بیت الخلاء کیلئے استعمال ہوئی اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بنایا...یہ اللہ کا کمال ہے لیکن آگے اس میں فرق ہمارے اعمال کے اعتبار سے پڑتا ہے اس لئے اللہ کے ہر

کام میں خیر ہی خیر ہے اللہ کے کسی کام میں شر نہیں۔ اس لیے نیکی کی توفیق پر اللہ کا شکر ادا کریں اور اگر گناہ ہو جائے تو اس کی نسبت اللہ کی طرف نہ کرو بلکہ یوں کہیں کہ اے اللہ تو نے ہمیں صلاحیت دی تھی غلطی ہماری ہے کہ ہم نے اسے غلط استعمال کیا۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ ہم کسی درجے میں مختار بھی ہیں اور کسی درجے میں مجبور بھی ہیں اور ہم جبر و اختیار کے درمیان میں ہیں۔ لیکن اتنا عقیدہ رکھو کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے لکھا ہے وہی پیش آئے گا... جب اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے اور ہم جس وقت اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کوئی کام کریں گے تو اس کی نسبت ہماری طرف ہی ہوگی چنانچہ جب جہنمیوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان کو یہ حقیقت سمجھ آ جائے گی کہ ہم اپنے اختیار کے ذریعہ سے اچھے کام کر سکتے تھے اس لئے وہ اللہ سے درخواست کریں گے کہ یا اللہ ہمیں ایک دفعہ دنیا میں بھیج دے ہم اچھے کام کریں گے ان کے قیامت کے دن اللہ کے سامنے یہ درخواست کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں جو کچھ ہم نے کیا وہ اپنے اختیار سے ہی کیا تھا ہم اس میں مجبور نہ تھے۔

عقیدہ تقدیر کا حاصل:

اس عقیدے کا حاصل یہ ہوا کہ چاہے ہمارے بزرگ کی بات ہو، چاہے کائنات کے معاملات کی بات ہو سب کچھ اللہ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور اس کائنات میں کوئی چیز اللہ کے ارادے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی اور ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے اور اشیاء کا لمحوں میں بنانا اور بگاڑنا بھی سب

اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہم دنیا میں جو اچھے یا برے کام کریں گے وہ سب اپنے اختیار سے کریں اس لئے اس کے نتائج بھی ہمارے اوپر ہی آئیں گے اچھا کام کریں تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے صلاحیتیں اچھے کام میں لگانے کی توفیق دی اور کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ اور استغفار کریں اس بات پر کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ہم نے غلط استعمال کیا...... یہ ہماری کوتاہی ہے اس لئے اللہ کی نعمتوں کو اچھے طریقے سے استعمال کرنے کی توفیق بھی اللہ سے ہی مانگتے رہنا چاہیے...... اللہ ہم سب کو نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی توفیق دے

واخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمين.

تذکرہ سید اسمٰعیل شہیدؒ

° ہفتہ وار اصلاحی بیان

° جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت ° بعد عشاء

تاریخ ° ۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

تذکرہ شاہ اسماعیل شہیدؒ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم وَاِذْقَالَ لُقْمَانُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یَا بُنَیَّ لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ. ☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

☆ (سورہ لقمان۔آیت ۱۳)

تمہید:

کئی ہفتوں سے یہ ہفتہ وار بیان کا سلسلہ شروع ہے عقائد کی ترتیب کے مطابق چونکہ پہلا نمبر توحید کا ہی ہے تو ہم نے مضمون توحید سے اور ردِ شرک سے شروع کیا تھا اور اس سلسلے میں چار بیان آپ کے سامنے ہو چکے آج کے بیان کے بارے میں دن کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ آج بیان کیا ہو؟ اور کس انداز سے ہو؟

ہندوستانی زبان میں ردشرک پر پہلی کتاب:

تو مجھے یاد آیا کہ ہندوستان میں ہندوستانی زبان میں ردِ شرک پر سب سے پہلی کتاب حضرت سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ نے لکھی جس کو تقویۃ الایمان کہتے ہیں اصل عربی میں تھی بعد میں اس کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔

حضرت سید محمد اسماعیل شاہ دہلوی...ان کی یہ کتاب تقویۃ الایمان ردشرک میں بہت جامع اور مختصر کتاب ہے آج اس کو دیکھنے کے لئے میں نے اٹھایا تا کہ اس کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کردوں، کہ حضرت شاہ صاحب نے شرک کی کتنی قسمیں لکھی ہیں؟ اور ان کی کیا وضاحت فرمائی ہے؟ تو تقویۃ الایمان جب میں نے دیکھنے کے لئے اٹھائی تو حضرت شاہ صاحب کے حالات اس کی ابتداء میں جیسے مقدمے کے طور پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں ان پر میں نے نظر ڈالی تو ان کی شہادت کی تاریخ لکھی ہے۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۷ھ تو اتفاق سے آج ۲۴ ذیقعدہ تھی تو قدرتی طور پر چونکہ ہمارے سارے اکابر کو ہی اور ان اکابر کی اتباع میں ہمیں بھی حضرت سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت ہے تو آج پھر سارا دن انہیں کے حالات ہی دل ودماغ

میں گشت کرتے رہے تو دل میں آیا کہ چونکہ ہم نے جس وقت اس پروگرام کو شروع کیا تھا تو اس میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ ہم اپنے طلباء کو اپنے اکابر کا تعارف بھی کرائیں گے تا کہ پتا چلے کہ ہم کس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہمارا کیا سلسلہ ہے۔

آج اس مُوَحِّدِ اعظم کا تذکرہ کرتے ہیں:

اس لئے آج اس موحد اعظم کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں ان کے کچھ حالات بھی آجائیں گے۔ اور ساتھ ساتھ ان کے انداز کے مطابق رد شرک بھی ہو جائے گا یہ آج ان کی محبت میں ان کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ آپ لوگ یہ نام یاد رکھیں کیونکہ ہمارے اکابر کے خلاف اس متحدہ ہندوستان میں جو پہلے پاکستان نہیں تھا متحدہ ہندوستان تھا پاکستان تو ۱۹۴۷ء کو بنا پہلے سارا ہندوستان ہی تھا ہندوستان میں ہمارے اکابر کے خلاف جو تکفیری مہم شروع ہوئی تھی ہمارے اکابر کو کافر قرار دینے کا جو آغاز شروع ہوا تھا اس مہم کا نقطہ آغاز وہ مولانا محمد اسماعیلؒ دہلوی ہیں یہ پہلے شخص ہیں جس کو کافر قرار دیا اور اس کے ماننے والے اور اس کے طریقے پر چلنے والوں کو کافر قرار دیا تو نقطہ آغاز محمد اسماعیل دہلوی ہیں۔ اس سے آپ کو واقفیت ہونی چاہیے اکابرین دیوبند کو علماء حق کو کافر قرار دینے کی جو مہم شروع ہوئی تھی تو پہلا شخص جس کی تکفیر کی گئی۔ جہاں سے اس تکفیری مہم کو شروع کیا گیا وہ یہی محمد اسماعیل دہلوی ہیں۔

علماء دیوبند کے خلاف تکفیری مہم:

اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ علماء دیوبند کو کافر قرار دینے کے لئے بہت زوردار مہم اس ہندوستان کے اندر چل رہی ہے جو کسی نہ کسی درجے میں اب بھی باقی ہے اگرچہ وہ زور نہیں یہ آپ حضرات کو معلوم ہے اکابرین دیوبند کا فر قرار دینے کے لئے بہت

زوردار مہم ہندوستان میں شروع ہوئی تھی بہت عروج تک پہنچی۔ صبح، شام، رات، دن یہی چرچا تھا کہ فلاں کافر فلاں کافر، اب اگرچہ وہ زور نہیں رہا لیکن اس کے آثار اسی طرح باقی ہیں جو کتابیں لکھی گئیں اسی طرح باقی ہیں تو آپ کے علم میں یہ بات ہونی چاہئے کہ یہ جو تکفیری مہم شروع ہوئی تھی اس کا نقطہ آغاز یہی محمد اسماعیل دہلوی ہیں کہ سب سے پہلے ان کو کافر قرار دیا گیا، اور پھر ان کی جماعت اور ان کے ماننے والے علماء دیوبند اور اکابر پھر سب اس فہرست میں آگئے سب سے پہلے تکفیر انہی کی ہوئی۔

ہندوستان میں اسلام کے محافظ:

ہندوستان میں اسلام صوفیا اور اولیاء کی برکت سے آیا اور پھر محمد غوری جو فاتح ہند ہیں ان کی وساطت سے مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اور پھر مغلیہ خاندان میں آ کے مسلمانوں کو حکومت پورے ہندوستان پر حاصل ہوئی۔ اور حکومت کی طرف سے سب سے پہلے کفر کی اور الحاد کی جو آندھی چلی وہ جلال الدین اکبر سے چلی۔ حکومت کی سطح پر جو بے دینی کا سیلاب آیا تھا وہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں آیا اور اس سیلاب کے آگے بند باندھنے والے ہیں ہمارے بزرگ حضرت احمد سرہندی جن کو مجدد الف ثانی کہتے ہیں۔

اس کفر کے سیلاب کے سامنے یہ بزرگ ڈٹے اور اللہ کے فضل و کرم سے اس فقیر بے نوا نے بادشاہوں کے اس الحاد اور بے دینی کے سیلاب کے سامنے بند باندھ دیا اور لوگوں کا ایمان بچا لیا۔ ان کے حالات پھر کسی دن زیر بحث آئیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ذخیرہ آنے والی امت کیلئے کافی ہے

ان کے سو سال بعد جس وقت مغلیہ خاندان کی حکومت کمزور ہوئی تو پھر یہاں شاہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد بدعت ورفض کا سیلاب آیا اور اس وقت بدعت ورفض کے مقابلے میں جو شخص کھڑا ہوا اسکا نام بھی احمد ہے۔ جو ولی اللہ کے نام سے مشہور تھے شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ مدینہ منورہ میں حدیث پڑھ کر آئے اور یہاں آکر دین کی اشاعت شروع کی۔ علمی انداز میں اثبات توحید رد شرک کیا اور اشاعت سنت ورد بدعت پر اتنا ذخیرہ حضرت شاہ ولی اللہ نے کتابوں میں جمع کردیا کہ آنے والی امت کے لئے وہ بہت کافی ہے لیکن جس کو کہتے ہیں کہ عوامی تحریک بن جائے وہ حضرت شاہ صاحب کے زمانے میں عوامی تحریک نہ بن سکی۔

نظریے کی علمی خدمت ایک اور چیز ہے اور اس کو عوامی تحریک بنا دینا ایک اور چیز ہے۔ بہت آسانی سے ساتھ آپ کے سامنے یہ بات آسکتی ہے کہ رفض کے خلاف کفر کے فتوے کہ یہ کفر ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کافر ہیں ... یہ ہمیشہ سے دارالافتاؤں سے جاری ہوتے تھے ... ہمارے اکابر علماء جتنے ہیں ... سب اپنے درسوں اور وعظوں میں اس کو ذکر کرتے تھے ...

کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنے والے کافر ہیں ...

قرآن کی تحریف کا قول کرنے والے کافر ہیں ...

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے کافر ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرنے والے صحابیت کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔

کتابیں لکھی ہوئی وعظوں کے اندر بیان ہوتا تھا۔ درسوں میں ذکر ہوتا تھا... لیکن یہ بات عوامی تحریک کی صورت میں سامنے نہ آسکی یہ بات تو سمجھ رہے ہو؟

مولانا حقنوازؒ آئے تو دیواریں بولیں:

عوامی تحریک کے درجے میں کون لایا مولوی حق نواز انہیں بزرگوں کا شاگرد انہیں بزرگوں کا تربیت یافتہ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی کی خدمات اس میدان میں بہت نمایاں ہیں اور مولانا حق نواز انہیں کے شاگرد ہیں اور حضرت مولانا عبدالستار صاحب اس معاملے میں بہت سخت تھے۔ اور بہت انہوں نے خدمت کی ہے تکفیر کیا کرتے تھے کافر کہتے تھے۔ بلکہ ہم لوگ ان سے کبھی کبھی گفتگو کرتے تھے کسی مسئلے میں۔

میری ان سے ایک دفعہ کسی مسئلے میں گفتگو ہوئی۔ فرمانے لگے میں کسی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ان کے بارے میں مفتی میں ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ کافر ہیں۔ اس بارے میں میں کسی کا فتویٰ ماننے کے لیے تیار نہیں ان کا مفتی میں ہوں یہ اتنے واضح الفاظ تھے لیکن یہ عوامی تحریک نہیں بن سکی عوامی تحریک انہیں کے شاگرد سے بنی... فیض انہی کا ہی ہے لیکن ایک آدمی کی وساطت سے عوامی تحریک بن گئی۔ تو پھر۔۔۔ دیواریں بھی بولیں۔۔۔ پتھر بھی بولے، ۔۔۔ درخت بھی بولے۔ کون سی چیز تھی جو نہیں بولی جس نے کفر کا اعلان نہیں کیا ہے، بات اس طرح سے تو یہ ایک عوامی تحریک بن گئی

اسی طرح سے اثبات توحید ردِ شرک، رد بدعت، اور اشاعت سنت کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے

بہت خدمات سرانجام دیں علمی انداز میں کتابیں لکھیں اپنے شاگردوں میں اس کو بیان کیا۔لیکن ردِشرک، اثبات توحید، رد بدعت، اشاعت سنت کی عوامی تحریک نہیں بن سکی۔

عوامی تحریک اگر بنی ہے حضرت شاہ محمد اسماعیل کی کوشش سے بنی۔اس مثال کے ساتھ آپ کو یہ بات سمجھ آ گئی ہوگی کہ عوام کے درجے میں اس بات کو جذباتی انداز میں اگر شروع کیا ہے تو محمد اسماعیل دہلوی نے شروع کیا اس لئے مشرکوں کے پیٹ میں بدعتیوں کے پیٹ میں سب سے زیادہ مروڑ، انہیں کے متعلق اٹھتا ہے کیونکہ اس بارے میں سب سے پہلے کام انہوں نے شروع کیا تھا تو سب سے زیادہ عداوت بھی انہیں کے ساتھ ہوئی مخالفت بھی انہیں کی ہوئی۔

مولانا اسماعیلؒ کا نسب:

یہ محمد اسماعیل دہلوی پوتے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے....حضرت شاہ ولی اللہ کے چار بیٹے تھے سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز جو ہمارے سلسلہ سند میں داخل ہیں اور ان سے چھوٹے شاہ عبدالقادر اور ان سے چھوٹے شاہ رفیع الدین اور سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی ہیں۔

شاہ عبدالغنی صاب چھوٹے ہیں ان سے بڑے ہیں شاہ رفیع الدین اور ان سے بڑے ہیں شاہ عبدالقادر اور ان سے بڑے ہیں شاہ عبدالعزیز عمر کے لحاظ سے ترتیب یوں ہے لیکن وفات کے لحاظ سے ترتیب بالکل برعکس ہے۔سب سے چھوٹے ہیں عبدالغنی سب سے پہلے یہ فوت ہوئے چھوٹی عمر میں۔اور ان کے بعد وفات ہوئی رفیع الدین شاہ صاحب کی اور ان کے بعد وفات ہوئی شاہ عبدالقادر کی

اور ان کے بعد وفات ہوئی شاہ عبدالعزیز کی ترتیب الٹ ہے وفات کے لحاظ سے ترتیب الٹ ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی علمی خدمت:

شاہ عبدالعزیز صاحب تو علماء کے استاد، آج ہمارے سلسلہ سند میں داخل ہیں اور ہماری سند انہیں سے اوپر قائم ہوئی.... شاہ ولی اللہ کی طرف سے آپ نے باپ کی مسند کو سنبھالا اور حدیث کی اشاعت کی۔ بہت بڑے عالم تھے دنیا میں جتنے علوم اس وقت مروج تھے جو علم بھی اس وقت مروج تھا جیسا کیسا بھی..غلط یا سہی حتیٰ کہ علم رمل ... علم جفر ... علم نجوم ... جو کچھ بھی تھا ... جتنے علوم مروج تھے سب میں آپ کو مہارت تھی...کوئی نہیں چھوڑا اتنا بڑے زبردست عالم تھے...طبیعت نرم تھی...اور اس نرم طبیعت کی بنا پر... کہتے ہیں کہ نرم طبیعت والا جب دین کی اشاعت کرتا ہے تو استفادہ تو عام ہوتا ہے... لیکن نام نہیں ہوتا لوگوں کے دل و دماغ صاف نہیں ہوتے ...جس وقت تک رگڑا دینے والا نہ ہو.... نرم نرم باتوں کے ساتھ فائدہ عام لوگوں کو تو ہو جاتا ہے... نام نہیں ہوتا نام رگڑا دینے والوں سے ہوتا ہے... شاہ عبدالعزیز نے علم کی خدمت کی اور اپنے باپ کی مسند پر بیٹھ گئے۔

شاہ عبدالقادر کی علمی خدمات:

اور دوسرا بیٹا شاہ صاحب کا شاہ عبدالقادر انہوں نے سب سے بڑی خدمت انجام دی ہے قرآن کریم کا ترجمہ کیا شاہ عبدالقادر کا ترجمہ جو آج چھپا ہوا آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے یہ تقریباً بارہ سال یا سولہ سال کی محنت کا نتیجہ ہے کہتے ہیں جس دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر لکھا کرتے تھے وہ دیوار گھس گھس کے وہاں گڑھا پڑ

گیا تھا اور معتکف رہتے تھے مسجد میں اور اعتکاف کی حالت میں ترجمہ لکھا ہے

قرآن اُردو میں اترتا تو بعینہ یہی اترتا:

اور ہمارے اکابر علماء دیوبند کا اس ترجمہ کی تعریف میں ایک لفظ بولا کرتے تھے، حسن عقیدت کے طور پر آپ کی خدمت میں بھی عرض کر دوں کہ آپ اس ترجمے کو معمولی نہ سمجھیں۔ فرماتے تھے کہ ہندوستانی زبان میں یعنی ہندی میں یہ اردو میں جو پاکستان ہندوستان میں بولی جاتی ہے۔ عربی کے علاوہ دوسری زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اس سے زیادہ صحیح ممکن ہی نہیں۔ اور ایک بزرگ تو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو اتنا حسن ظن ہے کہ اگر یہ قرآن اردو میں اترتا تو بعینہ یہی ہوتا جو شاہ عبدالقادر نے ترجمہ کیا ہے... اتنا صحیح ترجمہ اور اتنے اچھے محاورات کی اس میں رعایت رکھی گئی ہے ....بنیادی طور پر ہندوستان کے اندر اردو میں جو ترجمہ ہوا وہ شاہ عبدالقادر صاحب نے کیا ہے۔ یہ ہے محاورات کی رعایت رکھتے ہوئے۔

شاہ رفیع الدین کی علمی خدمات:

تیسرا بیٹا شاہ رفیع الدین انہوں نے بھی ترجمہ کیا ہے اور تحت اللفظ ترجمہ کیا تو تحت اللفظ ترجمہ آپ نے دیکھنا ہو تو شاہ رفیع الدین کا ترجمہ دیکھا کیجئے۔

محاورے کے انداز میں اگر آپ نے ترجمہ سمجھنا ہو تو شاہ عبدالقادر کا ترجمہ دیکھئے جس کو بنیاد بنا کر پھر حضرت شیخ الہند نے اس کی ذرا تسہیل کی اور پھر اس کے اوپر حاشیہ شروع کیا جس کی تکمیل حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے کی جو فوائد عثمانی یا تفسیر عثمانی کے نام سے آپ لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ یہ شاہ رفیع الدین صاحب کی خدمت ہے۔

شاہ عبدالغنی ان سے کوئی اس قسم کی خدمت سرانجام نہیں پائی انہوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی.... عالم تھے.... شاہ عبدالعزیز صاحب کا بیٹا کوئی نہیں تھا دو بیٹیاں تھیں اور شاہ عبدالغنی کو اللہ نے بیٹا دیا.... یہی محمد اسماعیل یہ شاہ عبدالغنی کا بیٹا ہے.. تو شاہ عبدالغنی اگر کوئی نمایاں کام نہیں کر سکے.... وہ کمی ان کے بیٹے مولانا محمد اسماعیل دہلوی نے پوری کردی۔

ولی اللّٰہی خاندان کا مدفن:

میں وہاں دہلی گیا تو اس قبرستان میں بھی گیا جہاں یہ سارا خاندان سویا ہوا ہے تو وہاں جانے کے بعد شاہ ولی اللہ کی قبر دیکھی شاہ ولی اللہ کے چار بیٹوں کی قبریں دیکھیں اور خاندان کے باقی افراد کی قبریں دیکھیں سارا خاندان شاہی اس قبرستان میں سویا ہوا ہے۔

دہلی کا شہزادہ بالاکوٹ میں:

ایک محمد اسماعیل ان میں نہیں ہیں اور آپ حضرات کو پتا ہے کہ محمد اسماعیل کہاں سویا ہوا ہے یہ دہلی کا شہزادہ کہاں لیٹا ہوا ہے پتا ہے آپ کو؟ یہ ضلع ہزارے میں بالاکوٹ میں یہ ایبٹ آباد جس کو آپ ہزارہ کہتے ہیں اس سے پرے مانسہرہ ہے مانسہرہ سے پرے پہاڑوں میں اونچے اونچے پہاڑوں میں جہاں آج سڑکیں بن جانے کے باوجود بھی پہنچنے کے لئے ایک حوصلہ چاہئے وہاں ان دنوں میں جب کوئی رستے نہیں تھے تو سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے وہاں شہید ہوئے اور ان کا مزار وہاں ایک ٹیلے کے اوپر ہے بالاکوٹ میں اس سال بھی ہم شعبان میں وہاں ہو کر آئے ہیں میں کوئی آٹھ دس دفعہ گیا ہوں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بھی

میرے ساتھ گئے تھے۔

اس دفعہ مفتی صاحب بھی ساتھ تھے تو اسماعیل یہاں ہزارے میں سویا ہوا ہے یہاں شہید ہوئے تھے سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے آج کی تاریخ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۷ھ یعنی ایک سو انہتر سال پہلے ان کی شہادت بالاکوٹ میں ہوئی تھی سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے۔

مولانا اسماعیلؒ کی ذہانت کا واقعہ:

کہتے ہیں کہ طبیعت ان کی ابتداء، ہی سے بڑی پھرتیلی تھی چھوٹے سے تھے، ابھی جیسے چھوٹے چھوٹے بچے جس طرح باتیں کرتے ہیں.. تو ایک دفعہ گھر کے خادم کے ساتھ باہر.. یہ جس طرح سے چھوٹے بچوں کو سیر کرانے کے لئے باہر خادم لے آتے ہیں... ان کو بھی خادم لئے پھر رہا تھا... باہر ایک آدمی مسلمان ہی تھا... وہ اپنے ساتھ کتا لئے پھر رہا تھا وہ بھی سیر کر رہا تھا.. تو کتوں کے ساتھ پیار تو جاہلوں کو ہوتا بھی ہے.. تو اس نے اس خادم کو داڑھی والا دیکھ کر... جس طرح سے سمجھتے ہیں کہ جس کے منہ پر داڑھی ہو.. وہ مولوی ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو پرانے زمانے سے مولوی کو چھیڑنے کا چسکا ہے.... تو اس کو مولوی سمجھ کے کہنے لگا کہ مولوی صاحب! میں نے سنا ہے کہ جہاں کتا ہو وہاں فرشتہ نہیں آتا تو وہ خادم کہنے لگے ہاں سنا میں نے بھی ہے کہ جہاں کتا ہو وہاں فرشتہ نہیں آتا تو وہ کہنے لگا میں نے کتا اس لئے ساتھ رکھا ہوا ہے کہ جب کتا ساتھ ہوگا نہ فرشتہ آئے گا نہ جان نکلے گی۔۔

کہتے ہیں کہ چھوٹے سے تھے مولانا محمد اسماعیل یہ فوراً بول پڑے کہ جو فرشتہ کتے کی جان نکالے گا تیری بھی نکال لے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو کتے کی موت مرے گا

کیسا بروقت جواب دیا اور چھوٹی سی عمر میں جیسا کہ مشہور مقولہ ہے۔

ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات

جس درخت نے بڑا بننا ہو اس کے پتے چکنے چکنے ہوتے ہیں ابتداء ہی میں ان کے حالات اسی قسم کے تھے ۱۶ سال کے تھے جس وقت یہ فارغ التحصیل عالم ہوگئے۔ طبیعت کے اندر جہاد کی رغبت پہلے ہی سے تھی.. جہاد کی مشق کی اور پوری مشقت اٹھائی.. اسی خاندان کے مرید ہیں سید احمد بریلوی ان کا نام بھی احمد ہے۔

لفظ بریلوی کی وضاحت:

اور ان کے نام کے ساتھ بریلوی کا لفظ لگا ہوا ہے .. اس بریلوی سے کہیں آپ مغالطہ نہ کھا جائیں ... آپ حضرات کو اس بارے میں معلومات ہونی چاہیے۔ (یہ بیان ہفتہ وار آپ کو معلومات دینے کے لئے ہی ہے) بریلوی یہ لفظ منسوب ہے بریلی کی طرف بریلی شہر کا نام ہے اور ہندوستان میں بریلی نام کے دو شہر ہیں .. ایک بریلی شہر لکھنؤ میں ہے جہاں پر موحدین کی جماعت رہتی تھی ... جن کے جانشین آج کل ابوالحسن علی ندوی ہیں ... جن کا ذکر آپ سنتے رہتے ہیں ... یہ بریلی کے ہیں۔ یہ ضلع لکھنؤ میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے یہ سید احمد جن کا میں ذکر کر رہا ہوں ... یہ اس بریلی کے ہیں جو لکھنؤ میں ہے... ان کو اس لئے بریلوی کہتے ہیں۔

اور ایک بریلی ضلع ہے وہ بانس بریلی کہلاتا ہے جہاں مولانا احمد رضا خان ہوئے ہیں ہمارا دوسرا طبقہ جو بریلوی کہلاتا ہے وہ ان کی طرف منسوب ہے وہ بانس بریلی ہے مولانا احمد رضا خان صاحب چونکہ انکے بڑے ہیں جن کے مسلک پر یہ لوگ چلتے ہیں تو اس نسبت کی بنا پر یہ بریلوی کہلاتے ہیں وہ بریلی دوسری ہے .. وہ بانس

بریلی ہے۔ وہ ضلع ہے... بڑا شہر ہے... مولانا احمد رضا کی وجہ سے یہ سب بریلوی کہلائے۔ اس لئے ان کے مدرسوں کے نام عموماً رضویہ، رضویہ، یہ رضویہ جو آتا ہے اسی احمد رضا کی وجہ سے آتا ہے وہ بھی بریلی ہے... اسی بریلی کی طرف نسبت کی بنا پر بریلوی کہلاتے ہیں۔ اور مولانا سید احمد صاحب بریلی کے رہنے والے ہیں یہ ضلع لکھنؤ میں چھوٹا سا قصبہ ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی وہیں کے رہنے والے ہیں اور یہ سید احمد بریلوی مولانا ابوالحسن علی ندوی کے آباء کے اندر شامل ہیں۔ یعنی دو چار پشت پہلے ان کے نسب میں یہ آتے ہیں۔

تو مولانا اسماعیل صاحب کے ساتھ مولانا احمد صاحب کا تعلق ہوا۔ دونوں جہاد کا شوق رکھتے تھے۔

مولانا اسماعیل کی تبلیغی سرگرمی:

لیکن جہاد پر نکلنے سے پہلے مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کی تبلیغ شروع کی جب تبلیغ شروع کی تو، ماحول اس وقت بہت زیادہ شرک و بدعت کا ہو چکا تھا تو پھر آپ جانتے ہیں کہ جب ماحول کے ساتھ انسان ٹکراتا ہے تو مخالفت تو ہوتی ہے اور پھر ان کا انداز بہت صاف ستھرا تھا... لیپا پوتی والا بالکل نہیں تھا... نرم نرم انداز بالکل اختیار نہیں کرتے تھے توحید کی جب تقریر شروع کی تو لوگوں میں کچھ اثر ہونا بھی شروع ہوا۔

مسئلہ تصویر:

ایک دفعہ انہوں نے تقریر کی اس بات پر کہ کسی بزرگ کی تصویر گھر میں نہیں رکھنی چاہئے۔ تصویر کسی کی قابل احترام نہیں اور شرک جو شروع ہوا ہے تصویر سازی سے

شروع ہوا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ پیر تھے جن کا ذکر سورۃ نوح کے اندر آیا ہوا ہے

لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا.

یہ جو پانچ ہیں ان کے بارے میں بخاری شریف میں حضرت ابن عباس کا قول آتا ہے۔۔۔کہ یہ اس گاؤں کے پانچ بزرگ تھے اور ان کی تصویریں بنا کر رکھیں محبت کے طور پر... آہستہ آہستہ ان کی عظمت دل میں بیٹھ گئی اور انہیں کو سجدے شروع کر دیئے... پھر سب کچھ وہی بن گئے۔ تو شرک جو شروع ہوا ہے ...وہ تصویر سازی سے شروع ہوا ہے...اس لئے جاندار کی تصویر رکھنا جائز نہیں..

بزرگ کی تصویر زیادہ حرام ہے:

خاص طور پر بزرگوں کی کیونکہ جتنا کوئی بزرگ ہوگا اس کی تصویر اتنا ہی دل ودماغ پر اثر ڈالے گی۔ جب آپ گھر پر جائیں گے..دیوار پر آپ کے پیر کی تصویر لگی ہوئی ہوگی تو جاتے ہی عظمت کے ساتھ آپ کا سر یوں ہو جائے گا۔ محبت کے ساتھ آپ اس کو ڈالیں گے..احترام کرتے ہوئے..آپ کا سر نیچا ہوگا...سر نیچا ہوا تو شرک آ گیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ گدھے گھوڑے کی تصویر لگی ہوئی ہو تو اتنا اثر نہیں ہوتا...جتنا اثر کسی بزرگ کی تصویر لگی ہوئی ہو تو دل پر اثر ہوگا..اس لئے بزرگ کی تصویر رکھنا زیادہ حرام ہے بمقابلہ گھوڑے گدھے کے یہ بات سمجھ رہے ہو ؟ صاف صاف بات ہے...گدھے گھوڑے کی تصویر میں اتنی حرمت نہیں جتنی کسی ولی اور بزرگ کی تصویر میں حرمت ہے...کہ گدھے گھوڑے کی تصویر کو دیکھ کر کبھی دل کے اندر اس کی عظمت نہیں آ سکتی اور انسان کا سر نہیں جھک سکتا...لیکن ولی کی تصویر

دیکھ کر عظمت آتی ہے اس موضوع پر جب حضرت شاہ صاحب نے تقریریں جھاڑیں۔

حضور ﷺ کی تصویر:

تو ایک آدمی حضرت شاہ صاحب کے پاس آیا اس زمانے میں اور آج کل سنا ہے ایران میں اب بھی اہل بیت کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنی ہوئی بازاروں میں بکتی ہے۔ تو اس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی... ایسے مصنوعی بنی ہوئی.. جیسے چلتی تھی.. وہ کچھ متاثر ہوگیا حضرت شاہ صاحب سے... وہ آیا اسماعیل شہیدؒ کے پاس۔ کہنے لگا جی شاہ صاحب میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے اور آپ کی تقریروں سے معلوم ہوا ہے کہ تصویر رکھنی نہیں چاہیے تو میں اب اس کو کیا کروں؟۔ تو آپ نے صاف صاف جواب دیا .. جو مسئلہ تھا.. اس کے تحت ذکر کیا.. کہ پھاڑ کر پھینک دو، تصویر کسی کی ہو کوئی احترام نہیں ہے.. تصویر کسی کی ہو کوئی عزت نہیں ہے.. بات تو بالکل صحیح ہے اس میں کونسے شبہ کی بات ہے؟ تصویر کا کوئی احترام نہیں ہے

آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی تصویر بھی باہر پھینک دی:

آپ کو معلوم ہے جب مکہ فتح ہوا۔ حضور ﷺ نے بیت اللہ پر قبضہ کیا ہے تو بیت اللہ کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر تھی حضرت اسماعیل کی تصویر تھی۔ یہ بھی بنا بنا کے لوگوں نے رکھی ہوئی تھیں تو حضور ﷺ نے جب باقیوں کو چورا چورا کیا تو ان کو بھی اٹھا کے باہر پھینک دیا اور دیوار کے اوپر جو رنگ سے تصویریں بنی ہوئی تھیں پانی کے ساتھ سب دھلوا دیں۔☆

☆(بخاری ۱/۲۱۸۔۱/۳۴۷۔۲/۶۱۴۔ابوداود ۱/۲۷۷)

یہ نہیں کہا کہ یہ ابراہیم کی تصویر ہے۔لہٰذا اس کو احترام کے ساتھ رکھو۔تصویر کا ادب کیا تو شرک آ گیا۔تصویر کا کوئی احترام نہیں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کا بت تڑوا دیا۔حضرت اسماعیل کا بت تڑوا دیا اوران کے نام کی طرف منسوب ہو کر جو بت بنے ہوئے تھے سب اٹھا اٹھا کر باہر پھینکے۔اس لئے مسئلہ یاد رکھئے۔میں نے کہا تھا اسماعیل شہیدؒ کے تذکرے میں ساتھ ساتھ توحید بھی آ جائے گی یہ توحید کی بات ہے۔ارے بات سمجھے۔

تصویر والی جگہ پر نماز کا حکم:

تصویر رکھنی جائز نہیں۔جس گھر میں تصویر لگی ہوئی ہو کمرے میں تصویر لگی ہوئی ہو مفتی صاحب سے پوچھ لینا وہاں نماز مکروہ ہے۔اگر کسی گدھے گھوڑے کی لگی ہوئی ہو تو شاید کراہت کم ہوگی اور اگر کسی بزرگ کی لگی ہوئی ہو پیر کی لگی ہوئی ہو تو مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ شرک کا اندیشہ ہے چونکہ بزرگ کی تصویر دیکھ کے دل میں عظمت آئے گی۔احترام آئے گا اس کو چومنے کو جی چاہے گا۔اس کے سامنے سر جھکے گا اور گدھے گھوڑے کی تصویر میں اتنی حرمت نہیں۔جتنی بزرگوں کی۔پیروں کی۔نبیوں کی ولیوں کی، تصویر میں ہے یہ جائز نہیں اور گھر میں تصویر لوگ برکت کے طور پر رکھا کرتے ہیں۔یہ مشرکانہ جذبہ ہے اس کا خیال کریں اور اس مسئلے کو اپنے دل کے اندر بٹھالیں۔۔کہ تصویر سے نہ کوئی برکت ہے...نہ اس کا کوئی احترام ہے اور اگر گھر کے اندر رکھی ہوئی ہو جتنے بزرگ کی زیادہ ہوگی اتنی اس میں حرمت زیادہ آئے گی اور اتنی اس میں نماز میں کراہت زیادہ آتی ہے

بزرگوں کی تصویریں مٹادیا کرو:

کبیر والہ میں میں نے ایک دفعہ یہی مسئلہ بیان کیا۔ تو طالب علموں کو میں نے کہا دیکھو جس وقت یہ اخبار آیا کرتا ہے ان دنوں میں چونکہ سیاست بہت عروج پر تھی تو میرے استاذ حضرت مفتی محمود صاحبؒ کا اور دوسرے ہمارے مولانا ہزارویؒ اور دوسرے بزرگ (جب جلسے ہوتے تھے) تو کیمرے والے ان کے فوٹو لے لیتے ...اور ہر روز تصویریں اخبار میں آتی تھیں۔ تو میں نے کہا یہ تصویریں ان کو سنبھال کے نہ رکھا کرو یہ رکھنی ٹھیک نہیں ہیں بلکہ جس وقت اخبار آئے.. تو اچھا ہے کہ سیاہی لے کر سب کو مٹادیا کروتا کہ ان کا نشان نہ رہے بڑے حیران ہوئے میری طرف دیکھنے لگے۔ کہ مفتی صاحب کی تصویر کا منہ کالا کردیں۔ تو طالب علموں کے دل میں بھی یہ مغالطہ ہے۔

تصویر کے متعلق حضرت حکیم العصر کا ردعمل:

میں آپ کو اپنی بات بتاؤں... ایک دفعہ میں گیا (اب وہ تعیین نہیں کرتا۔ کہ کس کی بات ہے۔) ایک گاؤں میں گیا اپنے فارغ التحصیل باب العلوم کے پاس۔ جب اسکی مسجد کے حجرے میں جا کے بیٹھا تو اس کی دیوار کے اوپر مولانا حق نواز کا فوٹو لگا ہوا تھا.... تو میں نے بیٹھتے ہی کہا کہ اسے اتارو۔ یہ تصویر کیا لگی ہوئی ہے۔ کہنے لگے مولانا حق نواز صاحب کی ہے میں نے کہا ہم نبی کی تصویر برداشت نہیں کرتے حق نواز کیا چیز ہے؟۔ اتاروا سے۔

یعنی مولانا حق نوازؒ کی تصویر ہے... اس کے کہنے کا مطلب تھا کہ اس کی اتنی عظمت ہے... اس کو کیسے اتار دیں... میں نے کہا حق نواز کیا چیز ہے؟... ہم تو نبی کی تصویر

برداشت نہیں کرتے۔ کسی نبی کی لگی ہوئی ہو تو میں تو کہوں گا وہ بھی اتار دو۔ اس کو بھی پھاڑ دو۔ دیکھو یہ تصویر کا عزت و احترام۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے حق نواز کی تصویریں بنا کر ٹوپیوں پر لگائے پھرتے ہیں سینے پر لگائے پھرتے ہیں۔ اب اس میں ہم اس لئے سکوت کر جائیں چونکہ حق نواز ہمارا ہے بالکل غلط ہے یہ بالکل مشرکانہ جذبہ ہے۔۔ اگر حق نواز کی تصویر بھی کسی کے سینے پر لگی ہوگی کسی کی ٹوپی پر لگی ہوگی۔۔ یہ بت کی مثل ہے اور اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔۔ واجب الاعادہ ہے۔ جلسہ کے موقع پر یہاں آتے ہیں۔۔۔ لوگ سٹیکر بیچتے ہیں۔۔ جب مجھے پتا چلتا ہے۔۔ سب اٹھا کے باہر بھیج دیتا ہوں۔۔ خبر دار اگر مدرسہ کی حدود میں کسی نے تصویر بیچی تو۔۔۔

لیکن لوگوں کے دلوں میں کچھ اس قسم کی یہ بدتمیزی آئی ہوئی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ان کی تصویر ہے۔۔۔ یہ تو قابل احترام ہے۔ اب اس کو محبت سے دیکھیں گے۔۔ عظمت سے دیکھیں گے۔۔ تو شرک یہیں سے تو شروع ہوتا ہے۔ اس لئے حق نواز کی ہو۔۔ مفتی محمود کی ہو۔۔ کسی کی ہو تصویر رکھنی حرام ہے اور جس دیوار پر لگی ہو۔۔ اس کمرے کے اندر نماز مکروہ تحریمہ ہے۔۔ یہ جائز نہیں ہے۔۔ اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیجئے۔ جتنی محبت والی تصویر ہوگی اتنی زیادہ مکروہ ہے اور یہ طالب علموں کے ذہن میں بھی بات جلدی نہیں آتی ایک عام آدمی کے دل میں کیسے آجائے؟۔

شاہ عبدالعزیزؒ کا انداز تبلیغ:

اب وہ بیچارہ سوچے جس نے اتنے دن تک اس کو پوجا تھا۔۔۔ اس کو چوما تھا۔۔ اس کو ادب و احترام کے ساتھ رکھا تھا۔۔ وہ کیسے جرأت کرے۔۔ کہ جلدی سے پھاڑ کر پھینک دے۔ وہ چلا گیا حضرت شاہ عبدالعزیز کے پاس۔۔۔ تو یہی مسئلہ جا کر شاہ عبدالعزیز

کے پاس پیش کیا (میں بتانا یہ چاہتا تھا کہ شاہ صاحب کا انداز اس طرح سے نرم تھا.. اور مولانا اسماعیل صاحب کا وہی سخت اور صاف الفاظ میں) تو حضرت شاہ صاحب نے بڑی نرمی کے ساتھ سمجھایا۔

فرمانے لگے کہ اچھا مجھے یہ بتا کہ یہ جو تصویر تیرے پاس ہے.. یہ جاندار ہے یا بے جان ہے؟ بات سمجھ رہے ہو؟۔ وہ کہنے لگا.. جی بے جان ہے۔ تو آپ نے فرمایا اچھا یہ بتا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوگئی تھی اور بے جان ہوگئے تھے تو صحابہ نے کیا کیا تھا؟ وہ کہنے لگا جی غسل دے کے.. کفن دے کے.. دفن کردیا تھا.. فرمانے لگے.. تو بھی ایسا کر خوشبو لگا کے.. کپڑے میں لپیٹ کے.. دفن کردے...

مطلب یہ ہے کہ تصویر ضائع کروانی تھی..اور نرم لب ولہجہ کے ساتھ کروالی، اصل مسئلہ وہی تھا۔ تصویر کا احترام کوئی نہیں.. پھاڑ کے پھینک دو، لیکن یہ بات برداشت کرنا.. ہر کسی کے بس کی نہیں ہوتی۔ اصل یہی ہے.. یعنی دل میں توحید کا اگر اثر ہو... تو تصویر کا احترام بالکل نہیں ہونا چاہئے.. چاہے وہ استاد کی تصویر ہے ... چاہے پیر کی تصویر ہے... چاہے کسی فقیر کی ہے... کسی کی ہے... تصویر کا کوئی احترام نہیں ہے ... اگر دل میں توحید کا جذبہ ہوگا تو یہ بات آپ کے دل میں بالکل رہنی چاہئے تصویر کا ادب واحترام کوئی نہیں شرک کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔

تبرکات کا احترام:

حضرت شاہ صاحب ایک دفعہ تقریر فرمارہے تھے تو وہاں دہلی کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات ہیں... جو ان کے مجاور ہیں وہ لوگوں کو اس کی زیارت

کرواتے ہیں اور فیس وصول کرتے ہیں جہالت سے فائدہ اٹھانا تو شروع سے ہو رہا ہے لوگ ان کو نذرانے دیتے تھے اس کی زیارت کرتے تھے اور کبھی کبھی ان تبرکات کا جلوس نکلتا تھا اور جہاں وہ رکھے ہوئے تھے وہاں سے جلوس بادشاہ کو زیارت کروانے کے لئے شاہی قلعے میں جایا کرتا تھا۔ وہاں شاہی قلعے میں لے جاتے بادشاہ زیارت کرتا اور ان کو وظیفہ دیتا...اور یہ لے کر آجاتے مجاوروں کا کام اس طرح سے چلتا تھا۔

آپؒ کا احترامِ تبرکات سے منع کرنا:

تو ایک دفعہ شاہ صاحب کا جلسہ ہو رہا تھا تقریر کر رہے تھے....تبرکات کا جلوس آیا جب تبرکات کا جلوس آیا تو لوگ ادباً اٹھ کے کھڑے ہونے لگے تو حضرت شاہ صاحب نے سختی سے منع کر دیا خبردار اگر اس مجمع سے کوئی اٹھا تو....ان کو جانے دو ..کوئی نہ اٹھے ادب و احترام کے طور پر.....سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ جب سختی کے ساتھ منع کر دیا تو مجاوروں کو آگ لگ گئی۔ اسی بات پر کہ اگر اس طرح سے اس شخص نے تبرکات کا ادب و احترام ختم کروا دیا تو ہماری تو دکانداری گئی۔

سب سے بڑی تکلیف تو یہ ہوتی ہے وہ کہتے ہیں نا۔ باقی ہر جگہ کی چوٹ انسان برداشت کر سکتا ہے پیٹ کی چوٹ نہیں برداشت ہوتی۔ یہ بات تو صاف ہے نا؟۔ پیٹ کی چوٹ نہیں برداشت ہوتی۔ جب چوٹ پیٹ پر لگتی ہے تو چیخ بہت جلدی نکلتی ہے۔ تو یہ بھی چونکہ پیٹ پر پڑی تھی کہ اگر لوگوں نے احترام چھوڑ دیا تو ہمیں یہ نذرانے کیسے ملیں گے۔ انہوں نے جا کے بادشاہ کے سامنے رونا دھونا شروع کیا اور شکایت کی کہ...یہ تو ایسا شخص آ گیا ہے...یہ تو بڑا گستاخ ہے...نبی کا گستاخ ہے

...نبی کے تبرکات کا احترام نہیں کرتا۔ جا کے کان بھر دیئے، اکبر شاہ ثانی کی بات ہے۔

شاہی دربار میں طلبی اور مسکت جواب:

بادشاہ نے حضرت اسماعیل کو بلا لیا پیغام بھجوا دیا... تعلقات تھے آنا جانا تو ہوتا تھا۔ کہتے ہیں حضرت شاہ صاحب قلعے میں تشریف لے گئے۔ جب گئے۔ بادشاہ کی دربار میں تو بادشاہ نے کہا محمد اسماعیل! یہ کیا ظلم شروع کر دیا تو نے۔ کہ تو لوگوں کو تبرکات کا ادب نہیں کرنے دیتا.. تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جی قرآن کریم کا ایک نسخہ اور بخاری شریف کا ایک نسخہ منگا دو، تو انہوں نے فوراً حکم دیا تو ایک بخاری شریف کا نسخہ اور ایک قرآن کریم کا نسخہ مجلس میں آ گیا.. جس وقت مجلس میں آ گیا تو آنے کے بعد۔ شاہ صاحب نے پکڑا.... پکڑ کے واپس کر دیا.... وہ سمجھے تھے کہ... قرآن منگایا ہوگا کوئی دلیل پیش کرنے کے لئے.... بخاری منگائی ہوگی کوئی دلیل پیش کرنے کے لئے. لیکن آپ نے پکڑ کے اسی طرح واپس کر دیے۔ تو سارا مجمع متوجہ ہو گیا۔ کہ یہ کیا قصہ ہے؟ اب شاہ اسماعیل صاحب نے بادشاہ سے کہا کہ حضور!! اس کتاب کو آپ اللہ کی کتاب سمجھتے ہیں؟ قسم کھا کے کہتے ہو اللہ کی کتاب ہے؟ کہا ہاں جی... اللہ کی کتاب ہے۔ قسم کھا کے کہتا ہوں اللہ کی کتاب ہے.. جو ذرا بھی شک کرے کافر ہے۔

پھر آپ نے پوچھا یہ بخاری شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا مجموعہ ہے؟ یقین ہے؟ کہتا ہے بالکل یقین ہے۔ صحیح ترین کتاب ہے۔ بالکل صحیح ہے ...اس میں سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال لکھے ہوئے ہیں... حالات لکھے

ہوئے ہیں....

فرمایا کہ قرآن کریم کی نسبت اللہ کی طرف اور بخاری کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اتنی یقینی ہے کہ تم قسم کھا کے کہتے ہو اور انکار کرنے والے کو کافر کہتے ہو... یہ دونوں مجلس میں آئیں تو تم اٹھ کے کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟۔ قرآن کریم جس کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور اتنی یقینی... کہ قسم کھا کے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور جو انکار کرے کافر.. شک کرے کافر... اتنا بڑا تبرک بخاری شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا مجموعہ، احوال کا مجموعہ، اور یہ تمہاری مجلس میں آیا اور تم اٹھ کے کھڑے نہیں ہوئے تو کیا تم یہ قسم کھا سکتے ہو کہ یہ تبرکات جو لئے پھرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں ہیں، قسم کھا سکتے ہو؟.... وہ کہنے لگا نہیں... قسم نہیں کھا سکتے... کہنے لگے... جس کو قسم کھا کے صحیح کہہ سکتے ہو اسکا احترام نہیں کرتے اور جس کے متعلق قسم کھانے کو تیار نہیں اس کا احترام کرتے ہو

کتنی واضح دلیل کے ساتھ یہ بات بتادی کہ اگر تبرکات کے لئے کھڑا ہونا ہے تو سب سے زیادہ کھڑے تو قرآن کریم کے لئے ہوؤ۔ اس سے بڑھ کر تبرک کونسا ہے، اگر تم نے تبرک کا احترام کرنا ہے تو حدیث کی کتاب کا کرو، اس سے بڑھ کے تبرک کونسا ہے تو جن چیزوں کے متعلق پتا ہی نہیں کہ یہ حضور ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں۔ ان کیلئے کھڑا ہونے کا کیا مطلب؟

شاہی مسجد میں رکھے تبرکات:

مثلاً یہ جو لاہور چیزیں رکھی ہوئی ہیں ہم تو کہتے ہیں ان کے متعلق یہی کہا کرو کہ اگر کوئی پوچھے کہ نہ انکاری کنم نہ اقراری کنم۔ (نہ ہم یہ اقرار کرتے ہیں یہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور نہ انکار کرتے ہیں)۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں... یہ جانیں ان کا کام جانے... ہم ان کے متعلق کچھ نہیں کہتے... خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعض چیزوں کے متعلق یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مصنوعی ہیں وہاں ویس قرنی کے دانت بھی رکھے ہوئے ہیں... یہ کہاں سے مل گئے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کلم پر باندھ کر رکھی ہوئی ہے... سبز رنگ کی..... وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسے ہوگی؟۔

ساری حدیث کا ذخیرہ چھان مارو، سبز رنگ کی پگڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں.. سیاہ پگڑی تو ثابت ہے سبز پگڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ کسی روایت میں اسکا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب جو عصا مبارک رکھا ہوا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں وہ پیچ دار سا... عجیب سا... جیسے ملنگ لئے پھرتے ہیں... اس قسم کا عصا رکھا ہوا ہے... تو یہ ساری دکانداریاں بنائی ہوئی ہیں لوگوں نے... یہی وجہ ہے کہ ان مصنوعی تبرکات کا احترام تو کرتے ہیں.... لیکن جو اصل کتاب ہے... عرش سے آئی ہوئی ہے... اللہ کا کلام.. اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابیں... ان کا کوئی ادب واحترام نہیں کرتے۔ یہی تو جہالت ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب نے ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ اس قسم کی بدعات کا مقابلہ کیا۔

آج محمد اسماعیل دہلوی کی تقریر ہوگی:

حضرت شاہ صاحب کی تقریر بھی کیا ہوتی تھی.... (ان لوگوں کی تبلیغ کا شوق تھا)، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ نکل جاتے آج اس گاؤں میں تقریر ہے یہ نہیں کہ

پہلے وہاں کوئی پارٹی بناتے پھر اس کو کہتے تم اشتہار چھاپو، پھر زندہ باد ہونے کے نعرے لگاؤ اور سٹیج بناؤ تو تب آ کے ہم تقریر کریں گے ایسے نہیں۔ ایک گاؤں تجویز کرلیا کہ وہاں جانا ہے۔ گھوڑے پہ چڑھے وہاں پہنچ گئے۔ اور وہاں سے جا کر کسی دکاندار سے خالی پیپا لیتے خالی پیپا لے کے خود بجاتے اس میں اعلان کرتے محمد اسماعیل دہلوی کی تقریر ہوگی۔ آج محمد اسماعیل دہلوی کی تقریر ہوگی۔

سارے گاؤں کے اندر خود پیپا کھڑکا کے تقریر کا اعلان کرتے یعنی آج میرے جیسا آدمی اپنی تقریر کا اپنی زبان سے اعلان بے عزتی سمجھتا ہے۔

میں اٹھ کے کہوں کہ میں آج تقریر کردوں گا سمجھے کہ نہیں؟ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بہت ہی عجیب بات ہے پیپالے کے خود کھڑکاتے کھڑکا کے تقریر کا اعلان کرتے اور اعلان کر کے تقریر اس موقع پر کرتے اور تقریر کر کے چپ کر کے گھوڑے پہ چڑھتے اور واپس آ جاتے۔ نہ کسی سے کھانا نہ کسی سے پینا۔ اس طرح سے ان لوگوں نے دین کی اشاعت کی۔

نکاح بیوگان نہ کرنے کی مذمت:

ان دنوں میں مسلمانوں کے اندر ایک بہت ہی رسم بد تھی کہ بیوہ کا نکاح نہیں کرتے تھے۔ بیوہ کا معنی جس لڑکی کا نکاح ہوگیا اور پھر اس کا شوہر فوت ہوجائے۔

ہندوؤں میں یہ رسم ہے کہ جس کا نکاح ہوگیا بس ہوگیا۔ اگر خاوند مر گیا مرنے کے بعد چاہے پہلی رات ہی خاوند مرجائے۔ ساری زندگی لڑکی بیٹھی رہے گی، اس کا دوبارہ نکاح نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کے اندر ایک رسم تھی جس کو ستی کی رسم کہتے ہیں۔ کہ ہندو جس وقت اس نوجوان کو جلاتے تھے اس جلتی آگ میں اس کی

بیوی بھی چھلانگ لگا کے ساتھ جلتی تھی۔ ہندوستان میں یہ رواج تھا جس کو عالمگیر نے زبردست حکومت کے دباؤ کے ساتھ ختم کروایا ورنہ یہ ستی کی رسم جاری تھی۔

خاوند مرا ہوا ہوتا تھا بیوی زندہ ہوتی جس وقت خاوند کو جلاتے آگ جلا کے، بیوی زندہ اس میں چھلانگ لگا کے ساتھ جلا کرتی۔ بیوی بعد میں زندہ نہیں رہتی تھی کیونکہ اس کو پتا تھا کہ زندہ رہوں گی تو ساری زندگی جلنا ہی ہے۔ زندگی اب کیسے گزرے گی، تو ساتھ جلنا گوارہ کر لیتی۔ ہندوؤں میں نکاح ثانی کا رواج نہیں تھا۔

ہمارے علماء نے ہمارے بزرگوں نے اس رسم کے ساتھ بھی جہاد کیا کہ بیوہ کا نکاح تو مسنون ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے تو ساری بیوہ بیویاں کی ہیں۔ ارے بات سمجھ رہے ہو؟ اگر خاوند فوت ہو جائے یا بیوی کو طلاق دے دی جائے تو دوسرا نکاح یہ تو سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساری بیویاں ایسی ہیں جن کے ایک ایک دو دو نکاح پہلے ہوئے ہوئے ہیں اس لئے اسکو برا جاننا یہ ہندوؤں کی رسم ہے آج بھی بعض راجپوت قوموں کے اندر یہ بات ہے کہ وہ نکاح ثانی نہیں کرتے۔ جس وقت خاوند مر جائے۔ بیوی ساری زندگی بیٹھی رہے گی دوسرا نکاح نہیں کرتے۔ ہمارے علماء اکابر دیوبند نے حضرت رائے پوری نے اس بارے میں بہت جہاد کیا ہے

تو شاہ صاحب بھی نکاح بیوگان کے متعلق ایک تقریر کر رہے تھے...دہلی میں تقریر کر رہے تھے...ایک آدمی درمیان میں اٹھ کے کھڑا ہو گیا...حضرت شاہ صاحب نے اتنی جرأت دلائی ہوئی تھی لوگوں کو...کہ جو بھی تمہارے دل میں اشکال ہو پوچھو، تو بعضے لوگ پریشان کرنے کے لئے بھی اشکال کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کی بردباری کا واقعہ:

چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ تقریر کر رہے تھے تو ایک آدمی اٹھ کے کھڑا ہو گیا کہنے لگا کہ اسماعیل؟ میں نے سنا ہے تو حرام زادہ ہے تقریر میں، مجمع میں کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے تو حرام زادہ ہے، اصل مقصد تھا کہ غصہ دلا دیں تقریر نہ کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو بھائی میرے ماں اور باپ کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ ہیں اور جس کے ماں باپ کے نکاح کے گواہ زندہ موجود ہوں، نکاح صحیح ہو وہ اولاد حلالی ہوا کرتی ہے حرامی نہیں ہوا کرتی۔ میں حلالی ہوں حرامی نہیں اتنا جواب دے کے پھر تقریر شروع کر دی، اتنی برداشت تھی۔

جس وقت آپ نکاح بیوگان کا مسئلہ ذکر کر رہے تھے تو ایک آدمی مجمع میں سے اٹھ کے کھڑا ہو گیا.. کہنے لگا.. شاہ صاحب! میرا ایک سوال ہے... آپ نے فرمایا کہ خاموش... تھوڑی دیر ٹھہر جا... میں جواب دیتا ہوں،

اصل بات یہ تھی کہ شاہ صاحب کی ایک ہمشیرہ گھر بیوہ بیٹھی تھی۔ جس کا شوہر فوت ہو گیا تھا اور وہ ٹی بی کی مریض تھی۔ انتہائی درجے کی بیمار، شادی کے قابل بھی نہیں لیکن لوگوں کو تو یہ پتا نہیں گئے، جا کے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کہ بہن! اب تیرے اختیار میں ہے میں تقریر کروں یا نہ کروں، تو اگر چاہے تو میں آج سے تقریر بند کر دیتا ہوں.. میں تقریر نہیں کروں گا اور اگر تو چاہے تو میں تقریر کر سکتا ہوں... وہ کہنے لگی بات کیا ہے؟ فرمایا کہ تو نکاح کر لے... وہ کہنے لگی میرا کوئی نکاح والا حال ہے؟ مجھے تھوں کون کرے گا؟ میں بستر پر پڑی ہوئی ہوں... ٹی بی کی مریض ہوں، آج کل میری یہ حالت ہے.. میرا کوئی حال نکاح والا ہے؟ شاہ صاحب کہنے لگے کہ

لوگوں کو تو نہیں پتا... لوگ تو یہ سمجھتے ہیں اسماعیل کی بہن گھر میں بیوہ بیٹھی ہے چنانچہ اسی وقت مولانا عبدالحئی صاحب کو بلوایا، بلوا کے نکاح پڑھوایا۔

نکاح پڑھانے کے بعد دوبارہ منبر پر آئے، پھر کہا کہ پوچھو کیا کہتے ہو؟ وہی آدمی اٹھ کے کھڑا ہوا کہنے لگا لوگوں کو ترغیب دیتے ہو کہ بیوہ گھر بٹھانی نہیں چاہئے اور تیری بہن بیوہ بیٹھی ہے گھر میں... تو اس کا نکاح کیوں نہیں کرتا؟ انہوں نے فرمایا کہ ابھی ابھی نکاح کر کے آیا ہوں کیونکہ وہ فوراً سمجھ گئے کہ اعتراض یہی کرے گا اور اسی اعتراض کا ازالہ... پہلے کر دیا۔

اس طرح سے ان لوگوں نے اس دین کی خدمت کی لوگوں کے اندر دین پھیلایا پھر جب ان کو پتا چلا کہ پنجاب کے اندر سکھ مسلمانوں پر بہت زیادتی کر رہے ہیں تو پھر ان کے خلاف جہاد کی تیاری کی اور سندھ کے علاقے سے ہوتے ہوئے.. افغانستان سے ہوتے ہوئے.. براستہ پیر جھنڈا، پشاور آئے اور بمع فوج تقریباً تین ہزار میل طویل سفر پیدل طے کیا، پیدل کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑے گدھوں پر سفر کر کے پشاور آئے۔

حضرت شاہ صاحب کی سکھوں کے ساتھ جنگیں:

پشاور سے آپ نے سکھوں کے خلاف محاذ کھولا اور سکھوں سے آپ کی تقریباً گیارہ لڑائیاں ہوئیں اور ان سب جنگوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی قیادت میں مجاہدین اور آپ کی اسلامی فوج کو سکھوں کے خلاف فتح عطا فرمائی ان جنگوں میں سے گیارہویں جنگ بالاکوٹ کے مقام پر ہوئی جس میں اپنوں کی سازش اور غداری کی بنا پر آپ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ میں جام شہادت نوش کر گئے آپ کی قبر مبارک بالاکوٹ میں ہے۔

حضرت شاہ صاحب سے اہل بدعت کی دشمنی کا راز:

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی خدمت دین میں گزاری اور مسلمانوں کی عزت وناموس کے تحفظ کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا۔ اس سے بڑھ کر اور بے غیرتی کیا ہو سکتی ہے؟ کہ اس قسم کے جانباز بھی لوگوں کو کافر نظر آتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی کوشش اور ہمت کی وجہ سے شرک کا بازار ماند پڑا توحید اجاگر ہوئی لوگوں نے توحید سیکھی اور شرک چھوڑا اور خدا تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔

بی بی کی سہنک:

اس دور میں بی بی کی سہنک کا بہت رواج تھا جیسے آج کل ہمارے ہاں گیارہویں کا رواج ہے۔ سہنک یہ مٹی کا بنا ہوا برتن تھا اس وقت کے لوگ گھروں میں کھانے پکا کر ان سہنکوں میں ڈال کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نیاز دیا کرتے تھے اور ان دنوں بی بی کی سہنک کا بہت زیادہ رواج تھا۔

حضرت شاہؒ نے لوگوں کے سامنے تقریریں کر کے بتایا کہ غیر اللہ کی نیاز دینا شرک ہے اور یہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" میں داخل ہے ایسا کرنے والے مشرک ہیں۔ اور جو یہ کھاتے ہیں وہ سارے حرام خور ہیں ان صاف صاف لفظوں کے اندر آپ نے رسموں کی تردید کی۔ جس بنا پر آپ کی مخالفتیں ہوئیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم لوگ جو توحید کا نام لے رہے ہیں اور اس قسم کی خرافات سے بچے ہوئے ہیں یہ اسی خاندان کی برکت ہے اور انہی مجاہدوں اور جانبازوں کی برکت ہے کہ آج ہم دین سیکھے ہوئے ہیں اور ہم الحمد للہ موحدین ہیں

اس قسم کی خرافات کو "ما اہل بہ لغیر اللہ" کے تحت شامل کر کے ہندوستان میں اس

کا پرچار بھی انہی لوگوں نے کیا اور ہمیں بتایا کہ غیر اللہ کے نام پر اس طرح سے دینا شرک ہے۔ اور اثبات توحید اور رد شرک پر حضرت شاہ صاحب کی بہت تقریریں ہوتی تھیں۔ آج ان کی تاریخ وفات کی مناسبت سے محبت کے تحت اس موحد اعظم کا ذکر ہو گیا اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ان لوگوں کی محبت پیدا کر دے اور ہمیں ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت شاہ صاحب کی ایک کرامت:

شاہ اسماعیل شہیدؒ بہت باکرامت تھے ان کی ایک کرامت آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔ آپ قرآن کریم کی تلاوت بہت کیا کرتے تھے۔

جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے معجزے کا ذکر بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور ان کی زبان پر اتنی آسان کی ہوئی تھی کہ وہ گھوڑے کے متعلق حکم دیتے تھے کہ اس کے اوپر زین کسو۔ اور ادھر زبور کی تلاوت شروع کر دیتے تو گھوڑے پر خادم زین کسنے نہیں پایا ہوتا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور ختم کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے زبور ان کے لئے اتنی آسان کر دی تھی۔ (بخاری ۱/۴۸۵۔ مشکوۃ ۱/۵۰۸)

یہ روایت جہاں بخاری میں ہے وہاں پر حضرت سید انور شاہؒ نے "فیض الباری" میں لکھا ہے۔ کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ جو چیز بطور معجزے کے صادر ہو سکتی ہے وہ ولی سے بطور کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے ولی کی کرامت اور نبی کا معجزہ ایک ہی جنس کی چیز ہے دونوں میں اللہ کی قدرت کام کرتی ہے نہ نبی کا اختیار ہوتا ہے نہ ولی کا اختیار ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی قدرت سے صادر ہوتا ہے۔

اس لئے اگر ولی سے کوئی شخص چاہے کہ مجھے یہ فلاں کرامت دکھا دو تو ولی کے

بس کی بات نہیں کہ وہ اس کو وہ کرامت دکھادے، اللہ نے اگر ایک چیز دی ہے تو جس وقت چاہے اس کو سلب بھی کر سکتا ہے اور نبی کا معجزہ جیسے موسیٰ علیہ السلام عصا ڈالتے سانپ بن جاتا تھا اور اس کے علاوہ دوسرے جتنے بھی معجزے ہیں ان سب میں عقیدہ یہی ہے کہ یہ سب کچھ ہوتا اللہ کے اختیار سے ہے نبی اور ولی کے اختیار میں کچھ نہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ کمال دیا تھا کہ آپ عصر کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے اور مغرب کی نماز سے پہلے پہلے قرآن ختم کرلیا کرتے تھے اب عصر اور مغرب کے درمیان کتنا وقت ہوتا ہے اگر مثل اول کے بعد عصر پڑھ لی جائے تو مغرب تک تین گھنٹے بنتے ہیں اور اگر مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تو سوا گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن ان کی زبان پر اس قدر آسان کر دیا تھا۔ اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ قرآن مجید تجوید کے قواعد کی رعایت رکھتے ہوئے ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یہی قرآن کی تلاوت کرنا ایمان کی تازگی کا باعث تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض یہ پہنچایا کہ سارے ہندوستان میں اگر توحید کا نام اجاگر ہے شرک سے نفرت کرنے والے لوگ اگر موجود ہیں اور وہ اپنے سلسلہ نسب کو دیکھیں گے تو ان کا سلسلہ نسب اسی خاندان تک پہنچے گا اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے ساتھ صحیح نسبت نصیب فرمائے۔ اور ان کے مسلک پر پختگی اور استقامت بخشے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

کیا اولیاء اللہ مدد کو آسکتے ہیں

بموقع : ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام : جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت : بعد عشاء

تاریخ : ۲۲ زوالحجہ ۱۴۱۵ھ

کیا اولیاء اللہ مدد کو آسکتے ہیں؟

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ . عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنھما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَکَ وَلَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ۔ ☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

☆ (ترمذی ۲/۷۸)

تمہید

سورۃ فاتحہ کی آیت مبارکہ جس کو ہم روزانہ تلاوت کرتے ہیں بلکہ ہر روز کئی کئی بار اس کو تلاوت کرتے ہیں اس کے ذریعہ سے ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بستہ اقرار اور عہد کرتے ہیں

اِیَّاکَ نَعْبُدُ

اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ایاک کی تقدیم کے ساتھ حصر کا معنیٰ پیدا ہو گیا۔

وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں کسی اور سے نہیں۔

تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی کسی اور کی نہیں کرتے تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں یعنی کسی اور سے نہیں۔یہاں پر کسی اور سے نہیں'' والا معنیٰ حصر سے پیدا ہو رہا ہے۔

اور جو روایت میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یاغلام'' اے لڑکے، اے نوجوان (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی عمر بہت چھوٹی تھی حجتہ الوداع کے موقع پر ابھی قریب البلوغ تھے اور حجتہ الوداع کے تقریباً اسی (80) دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا۔

اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ

تو اللہ کا دھیان رکھا کر اللہ تیرا دھیان رکھے گا۔تو اللہ کو یاد رکھا کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔

اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ

تو اللہ کا دھیان رکھا کر تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا۔

وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ

اور جب تجھے مدد کی ضرورت پیش آئے تو اللہ سے مدد مانگا کر۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ

اور تو اس بات کا یقین کر لے کہ اگر سارے کے سارے انسان اکٹھے ہو جائیں۔

عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ

اس بات پر کہ وہ تجھے نفع پہنچائیں۔

لَمْ یَنْفَعُوْکَ

تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔ ہرگز تجھے نفع نہیں پہنچائیں گے۔

اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَکَ

مگر وہی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔

وَلَوِ اجْتَمَعُتْ عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ

اور اگر یہ سارے اکٹھے ہو جائیں اس بات پر کہ تجھے نقصان پہنچائیں۔

لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ

تجھے ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے ہاتھ میں کسی انسان کا نفع نقصان نہیں ہے نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

قرآن میں شرک کی تردید:

قرآن میں کتنی ہی آیات ہیں جہاں پر مشرکین کے شرک کی تردید کرتے ہوئے اللہ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے۔

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ☆

کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو ''یا ابت'' کہہ کر جو درخواست کی تھی اس میں یہ بھی تھا۔

یَا اَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا☆☆

اے میرے والد آپ ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچاتے ہیں تو قرآن کی بہت سی آیات جو رد شرک پر ہیں ان میں یہ مضمون واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بنانے اور بگاڑنے کا اختیار اپنے پاس رکھا ہے۔ اور مخلوق میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں دیا یہ عقیدہ قرآن میں واشگاف الفاظ میں ثابت ہے جس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مدد صرف اللہ سے مانگنی چاہئے:

جب مخلوق کا نفع ونقصان اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں.... بنانا اور بگاڑنا اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں اس لئے انسان اگر پکارے تو اسی کو ہی پکارے گا۔

☆ سورہ انبیاء۔ آیت ٦٦) ☆☆ سورہ مریم۔ آیت ۴۲)

انسان اگر مدد مانگے تو اسی سے مانگے گا۔

کیونکہ اپنی مصیبتوں اور مشکلات میں کسی اور کو پکارنے اور اس سے مدد مانگنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے بنیادی طور پر ذہن میں یہ بات بٹھالیں۔

کوئی تکلیف ہو......کوئی پریشانی ہو......

کوئی مصیبت ہو......کوئی فکر ہو......

اگر مدد کے لئے کسی کو پکارنا ہے تو وہ صرف اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارنا کیونکہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔

سوال:

لیکن آپ کے ذہن میں یہ سوال آ رہا ہوگا کہ مضمون تو معجزات انبیاء کا چل رہا تھا اور اس کے بعد کرامات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اب درمیان میں توحید کو کیوں شروع کر دیا جبکہ توحید کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

جواب:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اولیاء اللہ جن کی کرامات کے ہم قائل ہیں۔ کیا ولی اپنی کرامت کے ذریعہ سے اپنے کسی مرید، یا کسی معتقد کو، یا اپنے کسی ماننے والے کی مدد کے لئے آ سکتا ہے یا نہیں؟ کہ مرید ڈوب رہا ہے اور ولی اپنی کرامت کے ذریعہ سے اس کو بچا لے۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ اور کرامات امدادیہ کا تعارف

گزشتہ دنوں دارالعلوم کبیر والہ سے ایک طالب علم کا میرے پاس خط آیا اس

طالب علم نے لکھا کہ ایک کتاب کرامات امدادیہ ہے اور ہمارے بزرگوں میں سے ایک مسلم شخصیت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیف ہے۔ اور امدادیہ سے حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بھی پیر ہیں مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بھی پیر ہیں۔ اور شیخ الہند اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے بھی پیر ہیں۔ • الغرض ہمارے تمام اکابر روحانی طور پر حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے منسلک ہیں۔ اور ان کو مہاجر مکی اس لئے کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ تھانہ بھون میں رہتے تھے۔ 1857ء کی جنگ میں شریک ہوئے اور باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ اور انگریز کے ساتھ شاملی میں ان کا آخری معرکہ ہوا۔ لیکن بالآخر انگریز غالب آ گئے اور تحریک جہاد وقتی طور پر مغلوب ہو گئی اور سب لیڈروں کے متعلق حکومت کا آرڈر تھا کہ جہاں ملیں ان کو گولی مار دو تو اس کے بعد حاجی صاحب ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ آج ہمارے ایمان اور علم کی روشنی سب انہیں اکابر کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے آخری آخری خلیفہ ہیں۔ اور مولانا اشرف علی دیوبند سے فارغ ہو کر مکہ گئے تھے۔ ایک سال وہاں ٹھہر کر حضرت سے تربیت حاصل کی اور پھر ہندوستان واپس آ کر حضرت حاجی صاحب کی کرامات پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام رکھا کرامات امدادیہ! یہ رسالہ ہر طرح سے با اعتماد ہے کیونکہ اس کو ترتیب دینے والی شخصیت ایسی ہے جس کے علم و تقویٰ پر ہمیں ہر طرح سے اعتماد ہے۔ اور ہم انہیں کی تعلیمات کے تحت اپنا عقیدہ رکھتے ہیں۔

جہاز کو سہارا دے کر سیدھا کر دیا:

تو اس کتاب میں مولانا اشرف علی صاحب نے حاجی صاحبؒ کی ایک کرامت لکھی ہے۔

''کہ حاجی صاحب کے متعلقین حج پر جارہے تھے۔ اور حاجی صاحب ہندوستان میں تھانہ بھون میں رہتے تھے۔ اور وہ قافلہ سمندری راستے سے جارہا تھا۔ راستے میں ان کا جہاز بھنور میں پھنس گیا اور ڈوبنے لگا تو حضرت حاجی امداد اللہ کا خادم کہتا ہے کہ حاجی صاحب اور حافظ ضامن یہ دونوں حجرے سے نکلے دونوں کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور جب وہ کپڑے اتار کر خادم کو دیئے تو ان میں سے سمندری پانی کی بو آرہی تھی اور ساتھ ہی کہا کہ ہمارے دوستوں کا جہاز ڈانواں ڈول ہوگیا تھا ہم اس کو سہارا دینے کے لئے گئے تھے۔ اور اس کو سہارا دے کر ہم نے سیدھا کیا ہے۔ (کرامات امدادیہ ص ۱۴)

اس کرامت کو لکھنے کے بعد اس طالب علم نے مجھ سے سوال کیا؟ کہ کیا بزرگوں سے اس قسم کی کرامات صادر ہو جاتی ہیں؟

آپ جس وقت بزرگوں کی کتابیں پڑھیں گے آپ کے سامنے اس قسم کے واقعات آئیں گے اور اس وقت آپ پریشان ہو جائیں گے کہ ان واقعات کو ہم کس طرح سمجھیں۔ ان کو جھوٹا بھی نہیں کہہ سکتے کہ لکھنے والے ہمارے بزرگ ہیں۔ اور اگر ہم ان کو سچا سمجھیں تو اپنے عقیدے کے ساتھ اس کا جوڑ کیسے لگائیں؟

دارالعلوم دیوبند کے طالب علم کا واقعہ:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح، ''سوانح قاسمی'' کے نام سے ہے اور

اس کے مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی ہیں اس میں لکھا ہے۔

"شیخ الہندؒ دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات تھے اس زمانے میں پنجاب کے علاقے سے ایک طالب علم داخل ہونے کے لئے آیا۔ تو وہ دیوبند میں آکر حضرت سے ملا اور کہنے لگا کہ حضرت میں دارالعلوم میں پڑھنے آیا ہوں۔ لیکن میری دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ کھانا مدرسے سے کھاؤں گا دوسری شرط یہ ہے کہ امتحان نہیں دوں گا۔ تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو طالب علم مدرسے سے مالی امداد لے اس کے لئے امتحان دینا ضروری ہے اور قواعد مدرسہ کی پابندی لازمی ہے۔ اور اگر قواعد مدرسہ کی پابندی نہیں کرنی تو اپنا خرچہ خود برداشت کرو جب جی چاہے پڑھنے آؤ جب جی چاہے نہ آؤ۔ امتحان دینا نہ دینا بھی تمہارے اختیار میں ہے اور تم ہر طرح سے آزاد ہو گے۔ تو وہ طالب علم کہنے لگا نہیں مالی امداد بھی لینی ہے اور امتحان بھی نہیں دیتا

جب اس نے بہت اصرار کیا تو حضرت شیخ الہند نے فرمایا اچھا میں سوچ کر جواب دوں گا۔ تو اس دن ڈاک میں پانچ روپے کا منی آرڈر آیا۔ اور اس وقت استاد کی تنخواہ تقریباً پانچ روپے ہوتی تھی۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کتب خانے میں کام کرتے تھے اور آپ کی تنخواہ دس روپے تھی۔ سید انور شاہ جن دنوں صدر مدرس تھے اس وقت ان کی تنخواہ ساٹھ روپے تھی) اور کوپن کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ یہ پانچ روپے ایسے طالب علم کو دے دئیے جائیں جو مستحق تو ہو لیکن باضابطہ طور پر دارالعلوم سے امداد لینے کا مجاز نہ ہو۔ اور یہ پانچ روپے پورا سال ہر ماہ آتے رہیں گے۔ اگلے دن جب وہ طالب علم آیا تو اس کو دیکھتے ہی حضرت شیخ الہند نے کہا "اللہ نے آپ کا کام بنا دیا ہے" یہ پانچ روپے اپنا خرچ خود کیا کرو اور پڑھو امتحان تمہاری مرضی آئے

دینا مرضی آئے نہ دینا۔اب اس طالب علم کا دارالعلوم میں داخلہ ہو گیا۔یہ طالب علم سال گزار کر چلا گیا اور اس نے امتحان نہیں دیا۔

مولانا قاسم نانوتویؒ کا طالب علم کی مدد کیلئے آنا:

کئی سالوں کے بعد وہ پھر دیو بند آیا اور حضرت شیخ الہند سے ملا اور کہنے لگا کہ حضرت آپ نے مجھے پہچانا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں کہنے لگا میں وہ طالب علم ہوں جس نے کہا تھا کھانا لوں گا امتحان نہیں دوں گا۔تو فوراً حضرت نے پوچھا کیا حال ہے؟ بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی۔تو حضرت شیخ الہند سے دوران گفتگو اس نے کہا کہ میرے اوپر اللہ کا خاص کرم ہوا کہ میں جب یہاں سے پڑھ کر گیا تو ایک دیہات میں امام بن گیا۔لوگ میری عزت کرتے تھے۔

ایک دن وہاں ایک بدعتی پیر آ گیا اور اسکو جب پتہ چلا کہ میں دیو بند کا پڑھا ہوا ہوں۔تو اس نے میرے خلاف محاذ کھول دیا کہ دیو بندی کافر ہیں۔ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔گاؤں والوں کو بھڑکا دیا کہ یہ تمہاری نمازیں ضائع کرتا ہے۔یہ تو وہابی ہے تو لوگ اس کے معتقد ہو گئے اور میرے خلاف ہو گئے۔اور کہنے لگے کہ یا تو اپنا ایمان ثابت کرو ورنہ ہم تجھے قتل کرتے ہیں کہ تو نے ہماری بہت ساری نمازیں ضائع کر دی ہیں۔تو وہ طالب علم کہنے لگا کہ لوگوں نے مجھے جا کر ایک مجلس میں بٹھا دیا تو اس مجلس میں اس پیر نے کھڑے ہو کر وہ تمام اعتراض کئے جو عام طور پر بدعتی لوگ علماء دیو بند پر کرتے ہیں۔

ا۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔

۲۔یہ معجزات کے منکر ہیں۔

۳۔ یہ حضور کو بڑا بھائی سمجھتے ہیں۔

اس طرح کی چند ایک اور باتیں کی اور یہ بیچارہ کانپ رہا تھا کہ ان کا جواب کیسے دوں گا۔ تو وہ طالب علم کہنے لگا کہ جس وقت وہ پیر تقریر کر رہا تھا اس دوران میرے پہلو میں ایک بوڑھا آدمی آ کر بیٹھ گیا۔ جب اس نے تقریر ختم کی تو وہ بوڑھا مجھے کہنے لگا کہ اٹھ بیٹے تقریر کر اس کے کہنے پر میں کھڑا ہو گیا اس کے بعد مجھے اتنا سا یاد ہے کہ میں نے خطبہ پڑھا اور آگے مجھے نہیں پتہ کہ میں نے کیا کہا۔ کیا نہیں کہا۔ اور جب میں تقریر سے فارغ ہوا تو پیر میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا کہ آپ سچے ہیں ہمیں آپ کے بارے میں بہت بڑا مغالطہ تھا لیکن آج وہ مغالطہ دور ہو گیا ہے اور لوگ صحیح ہیں۔ جب یہ صورتحال ہوئی تو گاؤں والوں نے مجھے سر پر اٹھا لیا۔ اور ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کہ میں اس علاقے کا بہت بڑا بزرگ ہوں۔ تو حضرت شیخ الہند کو اس طالب علم نے یہ قصہ سنایا۔

جب وہ فارغ ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ نے پوچھا اس بوڑھے کا حلیہ کیسا تھا؟ تو اس نے جب حضرت کے سامنے حلیہ بیان کیا تو فوراً شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ یہ تو ہمارے استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے جو تیری مدد کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ اور ان کی مدد کے ساتھ تو پیر پر فتح حاصل کر گیا۔ تو مولانا قاسم نانوتوی مشکل وقت میں کام آئے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا مرید کی مدد کیلئے آنا:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی سوانح میں ایک واقعہ ہے کہ حضرت کا ایک مرید تھا۔ تو اس مرید نے کسی جگہ نمائش میں دکان لگائی ہوئی تھی۔ نمائش میں عام طور پر خرید و فروخت مغرب کے بعد ہوتی ہے۔ جب عصر کا وقت قریب آیا تو اس کے دل

میں خیال آیا کہ میں سامان جلدی جلدی پیک کرلوں حالانکہ وہی وقت بکری کا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ یہ خیال مجھے اس قدر شدت کے ساتھ آیا کہ میں نے اس پر عمل شروع کردیا۔ جب سامان میں نے پیک کرلیا تو اچانک نمائش میں آگ لگ گئی۔ وہ کہتا ہے کہ اب میں پریشان تھا کہ یہ سامان کس طرح نمائش سے باہر لے جاؤں ورنہ جل جائے گا اور وہ تھا اکیلا آدمی۔ تو وہ کہتا ہے کہ اسی حالت میں میں نے دیکھا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ تشریف لائے تو حضرت نے مجھے جلدی جلدی سامان نمائش سے باہر نکلوایا۔ اور بعد میں دیکھا تو حضرت کہیں ہیں ہی نہیں۔ یہ حضرت کی زندگی کا واقعہ ہے اور یہ حضرت کے سامنے ذکر ہوا تو حضرت نے فرمایا مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔

سوال۔ اب سوال یہ ہے کہ ان واقعات کا ہم اپنے عقیدے کے ساتھ جوڑ کیسے لگائیں کیونکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے تو پھر یہ بزرگ مدد کرنے کے لئے کیسے پہنچ گئے؟

جواب۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگوں اور غزوات کے واقعات خاص طور پر ذکر فرمائے ہیں۔ غزوۂ بدر پہلا غزوہ ہے اور غزوہ بدر سے پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ ☆

اگر تم مدد نہیں کرو گے تو کوئی بات نہیں اللہ پہلے مدد کرچکا ہے۔ جب کافروں

☆ (سورہ توبہ۔ آیت ۴۰)

نے ان کو نکال دیا تھا اس حال میں کہ دو میں سے ایک تھے یعنی دو آدمیوں کو اکٹھا نکالا اور جب یہ دونوں غار میں تھے جس وقت یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر... اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنا اطمینان اتارا اور قوت پہنچائی ایسے لشکروں کے ذریعہ سے جن کو تم نے دیکھا نہیں۔

اللہ کی مدد مکڑی اور کبوتری کی صورت میں:

وہ لشکر کیا تھے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجے؟ دوسری آیات اس کی تفسیر کرتی ہیں کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔ اور اللہ کی تائید جیسے فرشتوں کے ذریعہ سے آتی ہے ایسے ہی دوسرے ذرائع سے بھی آتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف لے گئے تو مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور کبوتر نے انڈے دے دیئے۔ نہ مکڑی کو پتہ ہے کہ میں جالا کیوں تن رہی ہوں نہ کبوتر کو پتہ؟ تو یہاں پر اللہ کی مدد مکڑی اور کبوتری کے ذریعے سے آئی اور یہ دونوں اللہ کی تائید میں شامل ہیں جن کی وجہ سے غار والوں کی مدد ہوگئی تو مشرکین نے اپنے قیافہ لگانے والوں کو جھوٹا کہا کہ یہاں پر تو جالا بنا ہوا ہے ادھر تو وہ آ ہی نہیں سکتے ورنہ یہ جالا ٹوٹ جاتا۔☆ یہاں پر جس قدر اللہ نے مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں سے حفاظت کروائی ہے اتنی شاندار حفاظت شاید کلاشنکوفوں اور ٹینکوں کے ذریعے سے بھی نہ ہو سکتی۔ یہ درحقیقت مدد اللہ کی ہے اور مکڑی اور کبوتر اس کا ذریعہ ہیں۔

اللہ کی مدد فرشتوں کی صورت میں:

اس کے بعد غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا واقعہ بدر کے متعلق سورۃ انفال میں ہے۔

☆(مسند احمد، رقم ۳۰۸۱، مصنف عبدالرزاق ۵/۳۸۹)

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ

یاد کرو اس وقت کو جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے کہ اے اللہ ہماری مدد کر تو اللہ نے فرمایا تھا کہ میں تمہاری مدد ایک ہزار فرشتہ کے ذریعہ سے کروں گا۔ سورۂ آل عمران کے اندر تین ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ اور ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر مشرک جوش کے ساتھ تمہارے اوپر چڑھائی کر کے آ گئے تو میں پانچ ہزار فرشتے بھیج دوں گا۔ فرشتوں کی تعداد کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

بُشْرٰی لَکُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُکُمْ

یہ تمہارے لئے بشارت ہے کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں لیکن فرمایا

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ..... نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے یہ اصل عقیدہ ہے۔

ایک اور جگہ قرآن میں ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وحی کرتا ہے۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ

جس وقت تیرے رب نے وحی کی فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا....... پس تم جا کر مومنو کے قدم جماؤ۔

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ

میں کافروں کے دلوں میں رعب اور بزدلی پیدا کر دوں گا۔ یہاں پر تثبیت کی نسبت فرشتوں کی طرف کی اور فرشتوں کو کہا کہ جاؤ مومنو کی مدد کرو۔ درحقیقت مدد اللہ کی طرف سے ہے .... یہ علیحدہ بات ہے .... اللہ وہ مدد مکڑی کے ذریعے سے کر دے یا فرشتوں کے ذریعہ سے کر دے۔

سورۂ احزاب میں آتا ہے۔

اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحاً وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا

ان لشکروں کے خلاف ہم نے ہوا بھیج دی اور ایسے لشکر بھیج دیئے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ اب یہاں پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی مدد ہوا کے ذریعہ سے کی۔ اور غیر مرئی لشکروں کے ذریعہ سے۔

اور ایسے ہی غزوۂ حنین کے متعلق قرآن میں آتا ہے کہ ''ہم نے ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ:

ذوالنون مصری ایک بزرگ گزرے ہیں وہ ایک دفعہ دریائے نیل کے کنارے غسل کرنے کے لئے گئے۔ تو وہاں پر دیکھا کہ دریا کے کنارے پانی کے پاس ایک بچھو کھڑا ہے آپ اس بچھو کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ اچانک پانی کے اندر سے ایک کچھوا بچھوا کے قریب آیا تو بچھو اس کی پشت پر بیٹھ گیا۔ اب کچھوا بچھو کو لے کر پانی میں تیرتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف جانے لگا۔

اب ذوالنون ان کی طرف متوجہ ہو گئے اب دوسرے کنارے پر جا کر کچھوا رکا تو بچھو اس کی پشت سے اتر گیا اور چل پڑا تو ذوالنون بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے ایک انسان سویا ہوا ہے اور دوسری طرف سے اس انسان کی طرف ایک سانپ دوڑا آ رہا ہے یہ بچھو دوڑ کر اس سانپ کے سر پر بیٹھ گیا اور ڈنک مار کر اس کو ہلاک کر دیا اور اس سوئے ہوئے انسان کو پتہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کو بچھو کے ذریعہ سانپ سے نجات دی۔

یہ واقعہ ماہنامہ البلاغ میں چھپ کر آیا تھا۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد مولانا تقی

عثمانی صاحب نے لکھا!

کارسازِ ما بساز کارِ ما
فکر ما در کارِ ما آزارِ ما

کہ ہمارا کارساز ہمارے کام بنانے میں کس طرح مصروف ہے ہم اگر فکر کریں بھی تو کچھ نہیں بنتا اللہ تعالیٰ کارساز ہیں۔

اس قسم کے جتنے بھی واقعات آتے ہیں ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ قدرت اللہ کی ظاہری ہوتی ہے اور اس کا ذریعہ چاہے فرشتے کو بنالیا جائے،..

چاہے مکڑی کو بنالیا جائے،.....چاہے کبوتری کو بنالیا جائے
چاہے بچھو کو بنالیا جائے.....چاہے سانپ کو بنالیا جائے۔

یہ سب چیزیں اللہ کی قدرت کے اظہار میں واسطہ بنتی ہیں۔ اس لئے ہم کہیں گے کہ اختیار حقیقت کے اعتبار سے اللہ کا چلتا ہے اور یہ چیزیں اللہ کے حکم تحت استعمال میں آتی ہیں ان کے اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا۔

ان واقعات کو سامنے رکھ کر آپ سمجھیں کہ سرور کائنات یا صحابہ کی مدد کے لئے جو جنود آئے تو قرآن بتاتا ہے کہ یہ فرشتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لئے جبرائیل کا آنا قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے۔

اے اللہ! حسانؓ کو جبریل کے ذریعے قوت دے:

حضرت حسان جب مشرکین کے مقابلہ میں نظمیں پڑھا کرتے تھے تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ☆

☆ (بخاری ۱/۶۴۔ مسلم ۲/۳۰۰۔ مشکوۃ ۱/۴۰۹)

قرآن کی کسی آیت میں اور کسی روایت میں یہ اشارہ نہیں کہ

اللہ نے جو مدد کے لئے بھیجے تھے ان میں ابراہیم علیہ السلام بھی تھے......

ان میں نوح علیہ السلام بھی تھے......

ان میں عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے......

کسی پیغمبر کا ذکر نہیں آیا اور نہ کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ مدد کے لئے سابقہ بزرگوں میں سے کوئی بزرگ آیا یہاں تک تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

اولیاء اللہ کا مدد کیلئے آنا شرعاً جائز ہے:

لیکن ہماری سوانحات اور ملفوظات میں یہ واقعات آتے ہیں کہ فلاں بزرگ فلاں جگہ دیکھا گیا۔ اور معلوم ایسے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو مدد کے لئے بھیج دیا۔ مذکورہ بالا تشریحات کے پیش نظر ان واقعات کی توجیہ آسان ہوگئی۔ وہ اس طرح کہ اگر ہم یہ کہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتا ہے...تو وہاں پر اگر کسی بزرگ کی روح کو بھیج دیں کہ جاؤ فلاں کی مدد کرو اور اگر فرشتہ ذریعہ بن سکتا ہے...

تو اسی طرح اگر کسی بزرگ کی روح ذریعہ بن جائے...تو اس میں نہ کوئی عقلی اشکال ہے...اور نہ کوئی شرعی اشکال ہے۔ جیسے فرشتہ بے اختیار اسی طرح سے بزرگ کی روح بے اختیار۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرشتہ یا بزرگ کو مدد کے لئے بھیجے ...چاہے زندگی میں چاہے مرنے کے بعد ہو...جب اس سب میں اختیار اللہ ہی کا ہے تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔

اولیاء اللہ پر فرشتوں کی کیفیات طاری ہوسکتی ہیں:

باقی اولیاء اللہ زندگی میں ریاضت کرتے ہیں اس کی وجہ سے ان کی زندگی میں

ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے.....اور فرشتوں جیسی کیفیات بھی ان کے اوپر طاری ہو سکتی ہیں اللہ کی مرضی کے تحت۔ اس لئے بزرگ کی زندگی میں بھی اس کا کسی مدد کرنے کا واقعہ پیش آ جائے تو کوئی بڑی بات نہیں لیکن بات وہی ہے کہ ان اختیار میں کچھ نہیں ہوگا اللہ بھیجے گا تو آ جائیں گے ورنہ نہ۔

نہ حاجی امداد اللہ کو پکارا جائے گا......

نہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو پکارا جائے گا......

نہ رشید احمد گنگوہی کو پکارا جائے گا......

ہمارے یہ بزرگ ہیں اور ان کے متعلق ہم یہ عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر تم قاسم نانوتوی کو بھی پکارو تو مشرک ہو۔ حاجی امداد اللہ کو بھی پکارو تو مشرک ہو۔ لیکن اگر اللہ بھیج دے تو یہ اللہ کا اختیار ہے بزرگ کے اختیار میں کچھ نہیں۔ مدد مانگیں گے اللہ سے...البتہ اللہ کی عادت ہے کہ کبھی کبھی اپنی نصرت کو وہ کسی شکل میں متشکل کر کے بھیج دیتا ہے۔

اللہ کی مدد مانوس شکل میں آتی ہے:

مدد اللہ کی ہوتی ہے لیکن اس کو کسی مانوس شکل میں بھیج دیا جاتا ہے تا کہ جس کے لئے مدد بھیجی جا رہی ہے جب وہ اس مانوس صورت کو دیکھے گا تو جلدی سے گھبرائے گا نہیں۔

تبلیغی جماعت کا واقعہ

ہمارے زمانہ طالب علمی میں تبلیغی جماعت کے ایک بزرگ ابو یونس مولانا عبدالعزیز صاحب ٹنڈو اللہ یار میں رہتے تھے اور بہت مستجاب الدعوات بزرگ

مشہور تھے۔انہوں نے ایک واقعہ سنایا...کہ ہم نے بنگال میں ایک اجتماع منعقد کیا اور ایک جماعت اس اجتماع میں شرکت کے لئے جارہی تھی ....تو سورج غروب ہوگیا بارش ہونے لگی اور گہرے بادلوں کے اندھیرے کی وجہ سے وہ راستہ بھول گئے۔

تو اس پریشانی کے عالم میں ان کا امیر کہتا اللہ کی رحمت پر امید رکھو ہمت نہ ہارو اور وہ امیر بار بار یہ لفظ کہہ کر ان کا حوصلہ بڑھاتا تھا۔اور اس بارش میں وہ چل رہے ہیں۔تھوڑی دیر میں دیکھا کہ دو شخص آئے ...ان کے ہاتھوں میں گیس (لالٹین) تھا ....وہ ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور ان کو سیدھے راستے پر ڈال دیا...اور چلتے چلتے جب وہ اجتماع کی جگہ کے قریب پہنچے تو ان کو جگہ دکھا کر واپس جانے لگے۔

جب واپس جانے لگے تو امیر نے ان کو پکڑ لیا اور کہا کہ تم کون ہو جو اس مشکل وقت میں ہمارے کام آگئے؟ تو وہ کہنے لگے ... یہ آپ کی ہمت ہے... میں اللہ کی رحمت ہوں...اللہ نے ہمیں آپکی مدد کے لئے بھیجا تھا۔تو اب یہاں پر اللہ تعالی نے ہمت اور مدد کو ظاہری شکل میں متشکل کر دیا اور ان کی ہمت اور اللہ کی رحمت ان کے لئے اللہ کی مدد کا ذریعہ بن گئی۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

عقیدۂ رِسالت

بموقع ۞ ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام ۞ جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت ۞ بعد عشاء

تاریخ ۞ ۵ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

عقیدۂ رِسالت

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن☆

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلاً فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَاءُ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ☆☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

☆(سورۃ الذاریات۔ آیت ۵۶) ☆☆(سورۃ الشوریٰ۔ آیت ۵۱)

تمہید:

شروع سال سے آپ حضرات کے سامنے جو بیانات کا سلسلہ شروع کیا تھا تو اس میں پہلا عقیدہ توحید کا ذکر کیا گیا تھا کیونکہ ایمان میں اولیت توحید کے عقیدے کو حاصل ہے، توحید کے عقیدے کی وضاحت اور اس کے ساتھ ساتھ شرک کا مفہوم کہ شرک کسے کہتے ہیں..... توحید اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ شرک کا مفہوم سامنے نہ ہو... توحید اور اس کے بالمقابل شرک کا مفہوم آپ کے سامنے متعدد بیانات میں واضح کر دیا گیا اور بقدر ضرورت اس موضوع کی تفصیل آ گئی تھی اور اس کے بعد ایک دو بیان وقتی ضرورت کے تحت اور بھی آئے..... لیکن اب توحید کے بعد اسلام کا جو عقیدہ ہے اس کا ذکر شروع ہو رہا ہے اور وہ ہے عقیدۂ رسالت۔

عقیدہ رسالت کا مطلب:

رسالت کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں میں سے.... اپنی اس مخلوق میں سے..... انسانوں میں سے..... کچھ افراد چنتا ہے..... اپنے اور اپنے مخلوق کے درمیان پیغام رسانی کے لئے ان کو واسطہ بناتا ہے..... اپنا پیغام اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اتارتا ہے اور ان کے ذریعے سے اللہ کا پیغام مخلوق تک پہنچتا ہے۔ انسانوں میں سے یہ جو منتخب افراد ہیں ان کے لئے نبی یا رسول کا لفظ بولا جاتا ہے، آج کے بیان میں صرف یہ ذکر کیا جائے گا کہ رسالت ایک بنیادی چیز ہے۔

رسالت کے بغیر اللہ سے رابطہ ممکن نہیں:

رسالت کے تسلیم کئے بغیر انسان کا اپنے رب کے ساتھ، اپنے اللہ کیساتھ، اپنے

خالق کے ساتھ صحیح ربط نہیں ہوسکتا، انسان کا اپنے خالق اور مالک کے ساتھ صحیح ربط تب ہوگا جس وقت اس رسالت کے عقیدے کو اختیار کیا جائے۔

رسالت کی ضرورت:

رسالت کی ضرورت کیا ہے اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا خالق ہے ..... مالک ہے.... خالقیت کے اعتبار سے بھی ہم اس سے متعلق ہیں.. مالکیت کے اعتبار سے بھی ہم اس سے متعلق ہیں، رازقیت کے اعتبار سے بھی ہم اس سے متعلق ہیں ....اور عابد ہونے کے رشتے سے بھی ہم اس سے متعلق ہیں، یہ ہمارے مختلف تعلق ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ .... اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو پیدا کیا تو پیدا کرنے والا خود بتاتا ہے کہ میں نے انسان کو پیدا کیوں کیا ہے؟... انسان کو پیدا کرنے کی غرض وغایت اس آیت میں ہے جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن ☆

میں نے انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اپنی عبادت کے لئے.... یعنی انسانوں اور جنوں کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے جیسا کہ الا کا لفظ اس حصر کے اوپر دلالت کرتا ہے، کسی اور مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا، صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ نہ میں ان سے کوئی رزق کا مطالبہ کرتا ہوں..... نہ میں اس بات کا مطالبہ کرتا ہوں کہ یہ مجھے روٹی کھلائیں،... مجھے یہ کھانا کھلائیں.... میری مخلوق کو رزق دیں.... ایسی کوئی بات نہیں۔ انسان کو اگر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو صرف اپنی عبادت کے لئے کیا ہے۔

☆ (سورۃ الذاریات، آیت ۵۶)

عبادت کا معنی ومفہوم:

عبادت کا مفہوم کیا ہے عبادت کا معنی ''عبد شدن'' بندہ بن جانا، غلام بن جانا، آپ کے سمجھانے کے لئے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں دو لفظ بولے جاتے ہیں ایک ہے نوکر اور ایک ہے غلام، ایک نوکر ہوتا ہے اور ایک غلام ہوتا ہے..... نوکر اور غلام میں فرق کیا ہے۔

نوکر اور غلام میں فرق:

نوکر وہ ہے جس کو عربی میں اجیر کہتے ہیں. یعنی مزدور، کام کرنے والا معاوضہ لینے والا اور مستاجر وہ شخص ہے جو نوکر رکھتا ہے اور اس سے فوائد حاصل کر کے اس کا معاوضہ دیتا ہے، نوکر کی حیثیت مستاجر کے ساتھ برابر کی ہوتی ہے وہ اس سے بدنی فوائد لیتا ہے۔ مالی فوائد پہنچاتا ہے، وہاں معاملہ برابر کا ہوتا ہے، نوکر کی خدمت متعین ہوتی ہے، کہ کس کام کے لئے رکھا گیا ہے اور اس کا معاوضہ بھی متعین ہوتا ہے کہ اس کام کے اوپر اتنا معاوضہ دیا جائے گا، نوکر رکھتے وقت جوڑ کرلیا جائے کہ تو نے یہ کام کرنا ہے، اس کام کے علاوہ اگر اس کا مستاجر کام کہے تو نوکر جواب دینے میں حق بجانب ہے... وہ کہہ سکتا ہے کہ میرے ذمے یہ کام نہیں ہے، معاہدے میں یہ شامل نہیں۔

مثلاً ہم ایک باورچی نوکر رکھتے ہیں.. روٹی پکانے کے لئے، اس کو ہم بتاتے ہیں کہ آپ نے چار سو، پانچ سو لڑکوں کا کھانا پکانا ہے اور آپ کو مہینے کے بعد اتنا معاوضہ ملے گا، تو وہ نوکر ہے... اجیر ہے.. اور مدرسے والے مستاجر ہیں.. وہ کام کرے گا معاوضہ لے گا.. اگر ہم اسے یہ کہیں کہ تو آج بیت الخلاء بھی صاف کردے

ضرورت ہے، یا ہم یہ کہیں کہ آج تو مدرسے میں جھاڑو دے دے، یا ہم اسے یہ کہیں آج مسجد میں تو صفیں بچھادے اس قسم کا کوئی کام ہم کہیں تو وہ جواب دے دے کہ یہ میری ڈیوٹی نہیں، یہ کام میں نہیں کرتا تو ہم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے وہ صحیح کہہ رہا ہے جب اس کی ڈیوٹی میں نہیں تو اس کام سے اگر وہ جواب دے دے تو حق بجانب ہے، آپ اس کے اوپر کوئی اعتراض کریں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے، کیوں ٹھیک نہیں ہے کہ ہم نے اسے کہا تھا کہ مسجد میں صفیں بچھا اور اس نے انکار کر دیا تو ہر کہنے والا شریف آدمی کہے گا کہ صفیں بچھانا اس کی ذمہ داری میں داخل ہے؟... یہ تو آپ نے کہہ کے زیادتی کی ہے اس کے ذمے تو باورچی خانے کا کام لگایا گیا تھا، وہ روٹی نہ پکائے تو مجرم ہے اور اگر وہ مسجد میں صفیں نہ بچھائے مدرسے میں جھاڑو نہ دے، بیت الخلاء صاف نہ کرے، کسی استاد کے کپڑے نہ دھوئے تو اس میں وہ کوئی قصوروار نہیں بلکہ اس کو یہ کام کہنا، کہنے والے کی زیادتی ہے، نوکر کا یہی مفہوم ہوتا ہے، وہ صرف اس کام کا پابند ہے باقی اس کی زندگی پر ہمارا کوئی اثر نہیں اگر وہ اپنے بیٹے کی کسی جگہ شادی کرنا چاہے تو ہم رکاوٹ نہیں ڈال سکتے کہ تو ہمارا باورچی ہے.. ہمارے پوچھے بغیر کیوں شادی کر رہا ہے؟.. اگر وہ گھر کی کوئی چیز بیچنا چاہے تو ہم اعتراض نہیں کر سکتے کہ تو تو ہمارا باورچی ہے تو یہ کیسے کر رہا ہے ہمارے پوچھے بغیر اگر وہ کوئی چیز خریدنا چاہے تو ہم اعتراض نہیں کر سکتے کیا خیال ہے آپ کو کوئی اختیار کا حق ہے، اپنی زندگی میں جو چاہے کرے ہم اس کے اوپر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے تو نوکر کا کام متعین ہے اور اس کا معاوضہ بھی معین ہے اگر ہم نے تین ہزار روپے ماہوار، اس کے لئے طے کیے ہیں تو وہ ہم سے سوا تین نہیں مانگ سکتا.... اگر وہ سوا تین کا مطالبہ کرے گا تو ہم کہیں گے یہ معاہدے میں شامل نہیں اس لئے اس کی اجرت بھی

متعین ہے تو یہ تو مفہوم ہوا کرتا ہے نوکر کا۔

غلام کی حیثیت:

اور ایک ہوتا ہے غلام۔ آج چونکہ غلام کا وجود نہیں اس لئے عام لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے البتہ آپ میں سے وہ حضرات سمجھ لیں گے جو فقہ کی کتابیں پڑھتے ہیں اس میں باب العتق آتا ہے اور اس میں غلام کے احکام بھی آتے ہیں اور دوسرے ابواب کے اندر بھی جہاں مسائل بیان کئے جاتے ہیں تو ضمناً اس کا ذکر آتا ہے، کتاب النکاح میں غلام کا ذکر آئے گا اور دوسرے مختلف ابواب کے اندر بھی ذکر آئے گا تو آپ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایک عام آدمی کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ غلام کیا ہوتا ہے، اور آپ کے لئے آسان ہے چونکہ آپ یہ کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں، غلام زر خرید کو کہتے ہیں جس وقت آپ نے اس کو خرید لیا تو وہ آپ کی ملکیت میں آ گیا مرد ہے تو آپ کی ملکیت میں آ گیا، عورت ہے تو آپ کی ملکیت میں آ گئی آپ اس کی گردن کے مالک ہو گئے۔ اب غلام کے پورے کے پورے اختیارات مسلوب ہو گئے۔

غلام مسلوب الاختیار رہتا ہے اسکو کسی چیز کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور مالک اس کے اوپر مطلق حاکم ہوتا ہے وہ غلام مالک کی اجازت کے بغیر مالک کے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا اور مالک اس کے اوپر ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے۔ غلام مالک سے پوچھے بغیر کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ آپ پڑھتے رہتے ہیں۔ اگر غلام ماذون فی التجارۃ نہیں ہے تو کوئی چیز خرید نہیں سکتا.... اگر وہ ماذون فی التجارہ نہیں ہے تو کوئی چیز بیچ نہیں سکتا... غلام کے سر کے اوپر ٹوپی ہے تو اس کا مالک نہیں... وہ بھی

ملکیت ہے تو اس کے آقا کی... اس کے گلے میں قمیص ہے تو غلام اس کا مالک نہیں، قمیص کا مالک بھی اس کا آقا ہے، کیونکہ غلام کے اندر ملکیت کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی... کہ وہ کسی چیز کا مالک بن جائے..... جب وہ خود مملوک ہے تو کسی چیز کا مالک کیسے بنے گا؟.. اس کے پاؤں میں جوتی ہے وہ بھی اس کی ملکیت نہیں.... تو غلام کی ملکیت میں کچھ نہیں غلام وہی کرے گا جو اس کو مالک کہے گا۔

اگر مولا اس کو کہے کھڑا ہو کے پنکھا جھل تو جھلے گا۔ وہ کہے بیت الخلاء صاف کر تو صاف کرے گا.... وہ کہے میری دکان پر بیٹھ کر سودا سلف بیچ وہ بیچے گا۔ جانور چرا۔ وہ چرائے گا... اور اس کا کوئی کام معین نہیں ہوتا... غلام کا کوئی کام متعین نہیں۔ آقا جو کہے اس کو کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ غلام اپنی خواہشات کے تحت کوئی کام نہیں کر سکتا، سارے کے سارے کام اس کے جتنے بھی ہوں گے چاہے اس کا جی چاہے اس کا جی نہ چاہے، اس کو اپنے مالک کا حکم ماننا پڑتا ہے، یہ ہے غلام کی نوعیت ... جو آپ فقہ کے اندر پڑھتے رہتے ہیں... حتیٰ کہ اگر وہ باندی ہے جو آپ نے خریدی ہے تو آپ اگر اس کے ساتھ بیوی والا معاملہ کرنا چاہیں تو بھی جائز ہے... وہ آپ کے لئے حلال ہے ... آپ اس کا نکاح کر کے کسی اور کو دے دیں آپ کے لئے جائز ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتی۔

تو بیت الخلاء صاف کرنے سے لے کر اپنے آقا کے قائم مقام ہو کر ملک کا بادشاہ بن جانا یہاں تک غلام کے کام ہوا کرتے ہیں کہتے ہیں اگر آقا بادشاہ ہے اگر وہ اس کو پکڑ کر تخت پر بٹھا دے غلام بادشاہ بھی بن جائے گا اور اگر وہ اس کو کسی جگہ گورنر بنادے تو بن جائے گا اور اگر اس کو کہے تو نے جھاڑو دینا ہے تو وہ خاکروب بھی بن جائے گا،

غلاموں کے خاندان میں بادشاہت:

ہندوستان کی تاریخ میں مستقل ایک خاندان ہے، خاندانِ غلاماں، بادشاہ کا خاندان ہے لیکن غلام ہیں... سب سے پہلے ہندوستان فتح کر کے محمد غوری نے اسلامی حکومت قائم کی تھی۔ محمد نام تھا غور کے رہنے والے تھے غور افغانستان میں ہے، وہاں سے آئے تھے اور ہندوستان کا بادشاہ اس وقت ''پرتھوی راج'' تھا۔ پرتھوی راج کے ساتھ محمد غوری کا مقابلہ نمیر کے مقام پر ہوا۔ اس مقابلہ میں پرتھوی راج کو شکست ہوئی اور دہلی کا تخت محمد غوری کے قبضے میں آیا، قطب الدین ایبک محمد غوری کا غلام تھا۔ محمد غوری جاتے ہوئے، دہلی کے تخت پر اپنے غلام قطب الدین ایبک کو بٹھا گیا تو قطب الدین ایبک ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا بادشاہ ہے۔ جو کہ محمد غوری کا غلام تھا۔

قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، رضیہ بیگم یہ چار پانچ بادشاہ یکے بعد دیگرے ہوئے ہیں جو یا غلام تھے یا غلاموں کی اولاد تھے، اس لئے اس شاہی خاندان کو خاندان غلاماں کہا جاتا ہے یہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک باب ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ غلام کے پاس آقا کے دینے کے ساتھ اتنے اختیارات ہوتے ہیں کہ اگر کسی علاقہ کا اس کو بادشاہ بنا دیا جائے تو بادشاہ بھی بن جائے گا اگر کسی علاقے کا گورنر بنا دیا جائے تو گورنر بن جائے گا اس کی ذاتی صلاحیت کچھ ہو کچھ نہ ہو، اختیارات دینے کے ساتھ اسکو اختیارات ہو جائیں گے اسکا مالک اس کو جو اختیار دے گا اس کو حاصل ہے مسئلہ اسی طرح سے ہے۔

سلطنت مصر پر بے وقوف غلام کی حکومت:

جیسے شیخ سعدیؒ غلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں.. آپ کے لطف کے لئے ذکر کرتا

ہوں۔ شیخ کہتے ہیں کہ مصر کا علاقہ ایک بادشاہ نے فتح کیا (یہ وہ مصر ہے جس کی حکومت پالینے کے بعد ایک شخص فرعون بن گیا تھا اور اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا) تو اس نے کہا میں اس مصر کی حکومت اپنے ایک غلام کے سپرد کرتا ہوں جس مصر کی حکومت سے فرعون بنے، میں اس کے اوپر اپنے غلام کو مسلط کرتا ہوں اور میں غلام کو اس کا بادشاہ بناتا ہوں۔ اس کو مصر کا بادشاہ بنادیا،

شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ اس مصر کے بادشاہ کی عقل اتنی تھی کہ ایک دفعہ دریائے نیل میں سیلاب آ گیا سیلاب آنے کے ساتھ لوگوں کی کپاس کی فصل تباہ ہوگئی، جب فصل تباہ ہوگئی تو لوگ اس کے پاس مالیہ معاف کروانے گئے جس طرح سے عام عادت ہے جب فصل تباہ ہو جائے تو لوگ حکومت کو درخواستیں دیتے ہیں جی ہماری فصل تباہ ہوگئی لہٰذا مالیہ وصول نہ کیا جائے۔ لوگ اس سے مالیہ معاف کروانے گئے اور جا کے اس کو حالات بتائے کہ چونکہ نیل میں سیلاب آ گیا اور ہماری ساری فصل تباہ ہوگئی اس لئے مالیہ وصول نہ کیا جائے تو وہ آگے سے اس وفد کو کہتا ہے کہ تم نے کپاس کیوں بوئی تھی؟ جو سیلاب سے تباہ ہوگئی، تم نے اون کیوں نہیں بوئی؟ تم اون بوتے تاکہ سیلاب سے تباہ نہ ہوتی، یعنی اس جاہل کو یہ نہیں پتا تھا کہ اون بونے کی چیز ہے یا کیا ہے اون جانتے ہو، یہ پشم، یہ بھیڑوں کی پشت سے جو اترا کرتی ہے، کہتا ہے تم کپاس نہ بوتے جو سیلاب سے تباہ ہوگئی تم اون بو لیتے تاکہ سیلاب سے تباہ نہ ہوتی، عقل اس کو اتنی سی تھی (لیکن مصر کا گورنر بن گیا)

روزی عقل پر موقوف نہیں:

تو یہ واقعہ نقل کر کے شیخؒ نے بہت بڑی عبرت ناک بات کہی ہے وہ کہتے ہیں۔

اگر" روزی بدانش برفزودے

ناداں تنگ نہ اوزی بودے

اگر روزی عقل کے ساتھ بڑھتی کہ جو زیادہ عقل مند ہو زیادہ روٹی کما لیتا تو بے وقوف بھوکے مرتے... بے وقوفوں کو روٹی نہ ملتی لیکن کہتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ

بناداں آں چناں روزی رساند کردانند

کہ بے وقوفوں کو اتنا رزق مل جاتا ہے کہ عقل مند حیران رہ جاتے ہیں کہ کس طرح سے اتنا رزق حاصل ہوگیا۔ خیر یہ تو ضمنی بات تھی، ایسے ایسے غلام ایسے ایسے پاگل بھی اگر گورنر بنا دیئے جائیں تو وہ بھی مالک کے اختیار دینے کے ساتھ گورنر بن جاتے تھے۔ اب یہ غلام اور نوکر کا فرق سمجھ لینے کے بعد اب آپ سمجھ لیجئے۔

اللہ کے سامنے انسان کی حیثیت:

اللہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، انسان کی حیثیت اللہ کی ذات کے سامنے غلام ہونے کی ہے نوکر ہونے کی نہیں، ہم اللہ کے غلام ہیں، اللہ ہمارا مالک ہے۔ ہم اس کے مملوک ہیں تو جس طرح سے ہمارا مملوک ہمارے سامنے بے اختیار ہے، اسی طرح سے ہم اپنے مالک کے سامنے بے اختیار ہیں۔

اللہ کی اطاعت کا نام عبادت ہے:

انسان کی عبادت کا کوئی طریقہ متعین نہیں... ایک وقت اس کے لئے عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ وضو کر کے سجدہ میں آجائے نماز پڑھنا اس کے لئے عبادت ہے... اور ایک وقت میں اس کے لئے عبادت ہے کہ کھانا کھائے... اور ایک وقت میں اس کے لئے عبادت ہے کہ کھانا نہ کھائے ایک وقت میں اس کے لئے عبادت ہے جاگنا

...ایک وقت میں اس کے لئے عبادت ہے سونا، اور ایک وقت میں اس کے لئے عبادت ہے کہ مسکینوں غریبوں کے سر پہ ہاتھ پھیرے خدمت کرے...اور ایک وقت میں اس کے لئے عبادت ہے کہ کافروں کے مقابلے میں تلوار اور ڈنڈا اٹھائے اور ان کا قلع قمع کرے جو بھی حکم جس وقت آجائے اسکا مان لینا عبادت ہے...ایک وقت نماز پڑھنا عبادت ہے ایک وقت نہ پڑھنا عبادت ہے...اگر کوئی شخص دوپہر کو نماز پڑھنے کی کوشش کرے گا تو ہم کہیں گے تو نافرمان ہے، اس وقت نماز نہ پڑھنا عبادت ہے...ایک دن روزہ رکھو تو عبادت ہے اور اگر کوئی عید کے دن روزہ رکھنے کی کوشش کرے گا تو ہم کہیں گے روزہ چھوڑنا یعنی کھانا کھانا عبادت ہے۔ جو حکم جس وقت آجائے اس کو بجالانا اس کو عبادت کہتے ہیں..ایک وقت بیوی کے پاس جانا عبادت ہے اور ایک وقت بیوی سے پرہیز کرنا عبادت۔ اور ایک وقت میں والدین کی خدمت عبادت...شریعت کے حکم کے تحت جو بھی آپ کریں...مثلاً بازار میں بیٹھ کے دکان پر آپ اس نیت کے ساتھ کہ اللہ کا حکم ہے کماؤ، خود کھاؤ اپنی اولاد کو کھلاؤ، تو یہ دکاندار صبح سے لے کر شام تک دکان پر بیٹھا ہوا جو بے تکڑی کھڑکا رہا ہے یہ بھی عبادت کر رہا ہے۔ رزق حلال کمانے کے لئے ریڑھی والا جو آوازیں لگا رہا ہے اور اشیاء بیچتا ہے یہ ذکر اللہ سے کم نہیں ہے اگر اس کی نیت یہ ہے کہ میں حلال کمانے کے لئے یہ محنت کر رہا ہوں تو یہ اس کے لئے ایسے عبادت ہے جیسے کسی وقت بیٹھ کے اللہ کا ذکر عبادت ہے۔

اس لئے عبادت کا کوئی ایک مفہوم متعین نہیں...کہ ہم کہیں یوں کریں گے تو عبادت ہے، یوں کریں گے تو عبادت نہیں، عبادت اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے کا نام ہے۔ بس...جو حکم آگیا جس وقت آگیا اس کو مان لو یہ عبادت ہے۔ انسان کے

لئے کوئی ایک کام متعین نہیں ہے...اگر آپ کا کسی چیز کے کھانے کو جی چاہتا ہے تو آپ پوچھیں گے کہ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ اگر اللہ نے حلال کیا ہے کھالو..اگر حرام کیا ہے نہ کھاؤ، کپڑا پہننے کو جی چاہتا ہے تو پوچھیں گے کہ پہنوں یا نہ پہنوں اگر اللہ نے حلال کیا ہے پہن لو اگر نہیں حلال کیا نہ پہنو، ریشم، پہنو گے گنہگار ہو جاؤ گے دوسرا کپڑا پہنو گے اجازت ہے،

تو انسان پاؤں سے لے کر سر کے بالوں تک اللہ کے حکم کا پابند ہے اور اس کی پوری زندگی اللہ کے حکم کے تحت ہے، اس کے عبد ہونے کا، اس کے غلام ہونے کا یہ معنی ہے۔ کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا، ایک جگہ آپ کا نکاح کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن اللہ کا حکم ہے تیرے لئے یہاں نکاح کرنا جائز نہیں ...تو کتنا آپ کا جی چاہے آپ نہیں کرسکتے۔

انسان کامل طور پر اللہ کا مملوک ہے:

انسان کی ہر چیز اس کے مملوک اور اللہ کے مالک ہونے کی وجہ سے اللہ کی گرفت میں آگئی۔ اس بات کو سمجھانے کے لئے میں نے آپ کے سامنے دنیاوی غلاموں کا تذکرہ کیا ہے، اس انسان کی غلامی کو آپ اپنے لئے رہنما بنائیں، اللہ کی غلامی کو سمجھنے کے لئے کہ جس طرح سے ہمارا غلام ہمارے سامنے بے اختیار ہے۔ اس طرح سے ہم اللہ کے سامنے بے اختیار ہیں۔ تو جب ہم اللہ کے حکم کے اس قدر تابع اور پابند ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ کا ہمارے متعلق کیا حکم ہے؟

اس میں ضرورت رسالت بیان کرنا چاہتا ہوں جب ہم صبح شام، رات دن ایک

ایک جزء میں ایک ایک چیز میں..ایک ایک کام میں اللہ کے پابند ہیں تو اللہ کے حکم کا ہمیں پتا کیسے چلے گا کہ اللہ کیا کہہ رہا ہے، کیا براہ راست کوئی ٹیلی فون ہے کہ اللہ کو ہم ٹیلی فون کر کے پوچھ لیا کریں کہ یا اللہ تیری مرضی اس معاملے میں کیا ہے نہیں یہ تو اللہ کی شان ہی نہیں کہ ہر ایک انسان سے بات کرے۔۔ اللہ کی عظمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ اللہ ہر کسی کو یہ کہتا پھرے کہ تم یوں کرو، تم یوں کرو..... اللہ بہت عظیم القدر ہے۔ بہت عظمت والا ہے۔ عرش کا مالک ہے دنیا کے بادشاہ جن کو ایک عارضی بادشاہت حاصل ہے... وہ بھی ہر ایک کو اپنا حکم نہیں سناتے... وہ بھی اپنے کارندوں کے ذریعے سے قانون کا اعلان کروایا کرتے ہیں اور ان کی رعایا پھر اس قانون کی پابندی کیا کرتی ہے... اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے قانون کا اعلان کروانے کے لئے اور اپنے احکام بتانے کے لئے ان انسانوں میں سے ہی بعض کو چنا اور وہ درمیان میں واسطہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے احکام بتائے گا وہ آگے مخلوق کو بتائیں گے، مخلوق ان احکام کے مطابق چلے گی... یہ واسطہ درمیان میں ضروری ہے اس واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم نہیں کیے جا سکتے۔

رسالت اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ ہے:

یہ واسطہ نبوت اور رسالت کا واسطہ ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا پتا چلتا ہے کہ اللہ کیا چاہتے ہیں؟ کیا نہیں چاہتے؟ اس کے بغیر پتا نہیں چل سکتا ایک بات عرض کروں ہم سب اکٹھے رہتے ہیں ایک ہی جگہ، ہمیں قرب مکانی بھی حاصل ہے، ہم ہم جنس بھی ہیں ہم مسلک بھی ہیں، صبح شام رات دن اکٹھے ہیں۔ اس کے باوجود تم نہیں جانتے میرے دل میں کیا خواہش ہے؟ میں نہیں

جانتا تمہارے دل میں کیا خواہش ہے؟ آپ کی خواہشات کا معلوم کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔میری خواہشات کا معلوم کرنا آپ کے لئے ممکن نہیں سینے سے سینے لگا لو تو بھی نہیں پتا چلتا کہ میرے دل میں کیا ہے میں کیا چاہتا ہوں اور آپ کے دل میں کیا ہے آپ کیا چاہتے ہیں مہمان آجاتا ہے تو ہمیں پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ چائے پئیں گے یا لسی؟ جس وقت تک مہمان نہ بتائے ہمیں نہیں پتا چلتا اس کی خواہش چائے کی ہے یا لسی کی۔تو جب ہم جنس ہونے کے باوجود اور اتنا قرب مکانی ہونے کے باوجود ہم اس سے پوچھے بغیر اس کی مرضی معلوم نہیں کر سکتے.. تو اللہ کی ذات تو بہت وراء الوراء ہے... اس کی ماہیت تک تو انسان کی عقل کی رسائی نہیں، تو انسان اپنی عقل کے ساتھ سوچ کے کیسے معلوم کر سکتا ہے کہ اللہ کو کونسی چیز پسند ہے کونسی چیز پسند نہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اللہ تعالیٰ کی نامرضیات کو معلوم کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ جو اللہ واسطہ متعین کرتے ہیں اس واسطے سے پوچھے اللہ کیا چاہتے ہیں کیا نہیں چاہتے۔اس لئے انسان اور اللہ کے درمیان کسی واسطے کا پایا جانا ضروری ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک پہنچائے اور اللہ کی مرضیات اور نامرضیات کا ہمیں پتہ چلے اور پھر ہم اس کے مطابق زندگی بسر کریں یہ نمائندہ جو اللہ متعین کرتا ہے انہیں کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔اب ایک بات متعین ہوگئی جس طرح سے توحید کے ساتھ شرک آتا ہے اب یہاں انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے طریقے وہ سنت انبیاء کہلاتے ہیں اور جو ان طریقوں کے خلاف ہوا کرتا ہے اس کو بدعت کہتے ہیں تو سنت اور بدعت کے درمیان ایسے ہی تقابل ہے جس طرح سے توحید اور شرک کے درمیان تقابل ہے،

رسالت کا واسطہ ترک کرنا گمراہی ہے:

جو آدمی اس واسطے کو چھوڑ کر اپنے عقل کے ساتھ اللہ کی مرضی متعین کرتا ہے وہ بدعت کے رستے پر چل رہا ہے وہ سنت کے طریقے پر نہیں چل رہا، بدعت اور سنت یہیں سے ممتاز ہوتی ہے، یہ بنیادی بات ہے ہمارے اکابر کا طریقہ جس طرح سے توحید کا ہے، اسی طرح سے اتباع سنت کا ہے ہم جس طرح سے شرک سے نفرت کرتے ہیں ہم اسی طرح سے بدعت سے نفرت کرتے ہیں، شرک یہ اللہ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور بدعت یہ شرک فی النبوت ہے جو بدعت ایجاد کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے آپ کو نبوت کے منصب پر لے جاتا ہے کیونکہ ترجمانی صرف نبی کا حق ہے، جب آدمی نبوت کے واسطے کو چھوڑ کے خود ترجمان بن بیٹھے اور یہ کہے کہ میں کہتا ہوں اللہ کو یہ پسند ہے اور میں کہتا ہوں یہ اللہ کو پسند نہیں ہے تو گویا کہ وہ اپنے آپ کو کھینچ تان کے نبوت کے منصب پر لے جا رہا ہے اس لئے بدعت سے زیادہ نفرت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بدعت شرک فی النبوت ہے تو آپ صرف اتنا یاد رکھ لیجئے کہ بدعت ہر وہ کام ہے جو انبیاء کے طریقے کے خلاف ہے اور اصل طریقہ ہے انبیاء کے بتائے ہوئے طریقے پہ چلنا اور اسی کے ساتھ انسان خدا کا فرمانبردار بنتا ہے، مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ☆ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقت میں اللہ کی اطاعت کی۔

بدعت کا تعلق دینی کاموں سے ہے:

بدعت کا تعلق دینی کاموں کے ساتھ ہے۔ دنیاوی کاموں کے ساتھ نہیں...

☆ (سورۃ النسآء. آیت ۸۰)

بدعت کا لفظی معنی ہوتا ہے نئی چیز۔لیکن ہر نئی چیز کو شریعت بدعت نہیں کہتی پہلے ریل گاڑی نہیں تھی اب ریل گاڑی آ گئی۔تو ریل گاڑی کو بدعت نہیں کہیں گے۔

پہلے ہوائی جہاز نہیں تھے، ہوائی جہاز آ گئے اس کو بدعت نہیں کہیں گے

پہلے یہ گھڑیاں نہیں تھیں اب گھڑیں آ گئی ہیں اس کو بدعت نہیں کہیں گے

پہلے یہ ٹیپ ریکارڈ نہیں تھے اب ٹیپ ریکارڈ آ گئے اس کو بدعت نہیں کہیں گے کیونکہ یہ دین کا کام نہیں ہے بدعت کی تعریف ہے

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَالَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔☆

جو ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتا ہے...جو دین کی نہیں اور وہ اپنے سینہ زوری کے ساتھ اس کو دین بنانے کی کوشش کرتا ہے یہ بدعت ہے۔اس کو کہتے ہیں محدثۃ اور کُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ ☆☆ ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور یہ بدعت شرک فی النبوت ہے،اس سے نفرت اتنی ہی ہونی چاہئے جس طرح سے شرک سے نفرت ہے۔اور اس کی وجہ آپ کے سامنے آ گئی کہ جب اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کرنے کا حق انبیاء کو ہے تو انبیاء کے واسطے کو چھوڑ کر انبیاء کی لائی ہوئی دلیل کو چھوڑ کر اپنے طور پر اپنے ذہن سے سوچ کر اپنی عقل کے مطابق کسی کام کو کر کے منسوب کرنا کہ یہ پسندیدہ ہے...یہ ناپسندیدہ ہے...جب کہ درمیان میں نبی کا واسطہ نہیں، یہ افتراء علی اللہ ہے اور اپنے آپ کو نبوت کے منصب کی طرف لے جانا ہے...تو یہ افتراء علی اللہ یہ خود حرام اور اپنے آپ کو نبوت کے منصب کی طرف لے جانا یہ شرک فی النبوت ہے، اس لئے بدعت سے ہمارے اکابر ایسے ہی نفرت کرتے ہیں جس طرح سے شرک سے

☆(بخاری ۱/۶۰،۳۷۔مسلم ۲/۷۷)☆☆(نسائی ۱/۹،۱۷۔ابوداود ۲/۲۷۶،۶۔ابن ماجہ ۱/۶)

نفرت ہوتی ہے اس لئے صراط مستقیم پر چلنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی اتباع کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں، اللہ کے یہ نمائندے ان کی کیا کیا خصوصیات ہوتی ہیں؟ اور ان نمائندوں کے متلعق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ یہ موضوعات انشاء اللہ اب بالتفصیل آگے آتے رہیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

منصبِ رسالت

بموقع : ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام : جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت : بعد عشاء

تاریخ : ۲۷ ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ

منصب رسالت

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاس،☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی

☆(سورہ حج۔ آیت ۷۵)

درود شریف سارے پڑھ لیا کرو ایک دفعہ، درمیان میں حضورؐ کا نام بار بار آتا ہے تو خاموش ہو کر بیٹھ جانا مناسب نہیں ہوتا درود شریف ساتھ ساتھ پڑھتے رہا کرو۔

ضرورت رسالتؐ کی مختصر وضاحت

پچھلے بیان میں ضرورت رسالت پر گفتگو تھی کہ رسول کی ضرورت کیا ہے اس بیان کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں بندوں تک پہنچنے کا ذریعہ جو بنتے ہیں... وہ رسول ہوا کرتے ہیں عقل کے ذریعے سے کوئی شخص اللہ کی مرضیات کو معلوم نہیں کر سکتا... اللہ کا علم، اللہ کی پسندیدہ چیزوں کے متعلق، ناپسندیدہ چیزوں کے متعلق کہ کون سی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کون سی چیز پسند نہیں، اس کے معلوم کرنے کا ذریعہ صرف رسول ہے اس کے ذریعے سے، نبی اور رسول کے ذریعے سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ ربط جو ہے حاکم اور محکوم والا جس میں ہمیں اللہ کے احکام معلوم ہوتے ہیں یہ ذریعہ وحی ہے وحی نبیوں پر آتی ہے رسولوں پر آتی ہے، اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں

اس لئے دین وہی حق ہے... بات وہی صحیح ہے... جو نبی کی وساطت سے معلوم ہو اور نبی کے واسطے کو چھوڑ کر.. جو لوگ اپنی عقل کے ساتھ بعضے کام تجویز کر لیتے ہیں... کہ یہ کریں گے تو اللہ خوش ہو گا اور یہ کریں گے تو اللہ ناراض ہو گا... یہ ساری کی ساری چیزیں بدعات میں آجاتی ہیں... بدعت وہی فعل ہوا کرتا ہے کہ جس کے نیک اور بد کے وعدے کے حاصل ہونے میں نبی کا واسطہ نہ ہو.... پچھلے بیان میں اس بات کی تفصیل آپ کی خدمت میں عرض کر دی گئی تھی۔

منصب رسالت عطائی چیز ہے

آج کا عنوان ہے منصب رسالت، ضرورت رسالت کے بعد منصب رسالت۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے کوئی شخص اپنی محنت کے ساتھ، ریاضت کے ساتھ، عبادت کے ساتھ اس منصب کو حاصل نہیں کرسکتا یہ بھی ایک بنیادی عقیدہ ہے نبی اللہ بناتا ہے اور اللہ ہی نبی اور رسول کو چنتا ہے کوئی شخص اپنی محنت کے ساتھ اپنی ریاضت کے ساتھ اپنی عبادت کے ساتھ نبی نہیں بن سکتا ایک ہے نبوت کی استعداد کہ اس میں قابلیت ہے کہ اس کو نبی بنادیا جائے اور ایک ہے نبی بن جانا۔

سمجھانے کیلئے بہترین مثال

اس کو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ ایک امتحان پاس کرتے ہیں جو امتحان ہیڈ ماسٹر بننے کیلئے ضروری ہے آپ نے بی اے کا امتحان پاس کرلیا اور اس کے بعد کوئی دوسری ڈگری حاصل کرلی جس کے بعد آپ میں استعداد پیدا ہوگئی آپ سکول ٹیچر لگ سکتے ہیں یا آپ ہیڈ ماسٹر بن سکتے ہیں یا آپ نے کوئی ایسا امتحان پاس کرلیا جس کے بعد آپ ڈپٹی کمشنر لگ سکتے ہیں کمشنر لگ سکتے ہیں تو اس امتحان کو پاس کرنے کا مطلب اور اس کورس کو طے کرلینے کا مقصد ہے کہ ڈپٹی کمشنر بننے کی استعداد، کمشنر بننے کی استعداد آپ میں پیدا ہوگئی لیکن اس استعداد کے پیدا ہونے کے بعد آپ ڈپٹی کمشنر نہیں بن جاتے، نہ کمشنر بنتے ہیں نہ ہیڈ ماسٹر بنتے ہیں بلکہ ہیڈ ماسٹر بننے کیلئے، ڈپٹی کمشنر بننے کیلئے حکومت کی طرف سے اس عہدے کا ملنا ضروری ہے اگر وقت کا حاکم آپ کو کہہ دے میں نے آپ کو ڈپٹی کمشنر بنادیا تب تو آپ ڈپٹی کمشنر بنیں گے ورنہ اگر علمی استعداد جتنی چاہے مہیا کرلیں اس استعداد کے مہیا

کرنے کے ساتھ خود بخود نہ کوئی ہیڈ ماسٹر بن جایا کرتا ہے نہ ٹیچر بن جایا کرتا ہے اور نہ کوئی اور عہدہ وہ اپنے لئے بنا سکتا ہے جب تک حاکم وقت اس کی تعیین نہ کرے۔ دنیا میں ایسے ہی دستور ہے نا جی، لوگ سندیں لئے پھرتے ہیں سرٹیفکیٹ اٹھائے پھرتے ہیں ڈگریاں لئے پھرتے ہیں لیکن بے کار، حکومت کی طرف سے کسی سیٹ پر جب تک ان کو متعین نہ کیا جائے اس وقت تک کوئی عہدہ دار نہیں سمجھے جاتے، عہدہ جو ہے ہمیشہ حاکم کے دینے سے ملا کرتا ہے، صرف استعداد سے نہیں ملا کرتا نبوت ایک منصب ہے نبوت ایک عہدہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کے دینے کے ساتھ ملتا ہے یہ کوئی شخص استعداد باہم پہنچا کر خود بخود نبی بن جائے، خود بخود رسول ہو جائے ایسا نہیں ہوسکتا، یہ بنیادی عقیدے ہیں۔

بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو دے دیا

سرور کائناتؐ نے ایک خواب دیکھا اور آپؐ نے صحابہ کرام کے سامنے اس خواب کو بیان فرمایا آپ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں میرے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا اور میں نے وہ دودھ پینا شروع کیا اور میں نے اس کو اتنا پیا اتنا پیا کہ مجھے اس دودھ کے اثرات ناخنوں تک محسوس ہونے لگے جس طرح سے سارے بدن میں دودھ سرایت کر گیا ہو اور پھر کچھ اس پیالے میں دودھ بچ گیا جب بچ گیا تو وہ دودھ بچا ہوا میں نے عمر ابن الخطاب کو دے دیا بچا ہوا دودھ۔ یہ صحابہ کرام کے سامنے سرور کائناتؐ نے خواب ذکر کیا کہ میں نے دودھ پیا اور پیالے کے اندر بچا ہوا دودھ عمر ابن الخطاب کو دے دیا۔☆

☆(بخاری ۱/۵۲۰۔ مسلم ۲/۲۷۵)

دودھ کی تعبیر علم ہے

توصحابہ نے پوچھا یارسول اللہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ علم ....تو گویا کہ خواب کے اندر دودھ پینا یہ علم ملنے کی طرف اشارہ ہے اللہ کی طرف سے علم ملتا ہے اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ میں دودھ پی رہا ہوں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو علم ملے گا اب یہاں ہمارے شارحین کہتے ہیں کہ سرور کائناتؐ نے جو اپنا بچا ہوا دودھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا....اور دودھ یہ علم کی مثال ہے تو حضرت عمرؓ کو وہ دودھ ملا ہے جو حضورؐ نے پیا اور اس میں سے بچا ہوا ملا اس سے معلوم ہوا ہے۔

حضرت عمر کے علم کی علم نبوی سے مناسبت

حضرت عمرؓ کے علم کو سرور کائنات کے علم سے خاص مناسبت ہے ...اور یہ وہی مناسبت ہے جس کا ذکر حضورؐ نے فرمایا کہ:

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَ. ☆ کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا اگر نبوت جاری ہوتی تو میرے بعد نبی عمر ہوتا تو جس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوت کی استعداد حضرت عمرؓ میں تھی لیکن اللہ کی طرف سے چونکہ نبی بنایا نہیں گیا اس لئے وہ نبی بنے نہیں.....نبوت کے لئے جس قسم کی استعداد چاہیے وہ استعداد حضرت عمر میں تھی لیکن چونکہ اللہ کی طرف سے آپ کو نبی بنایا نہیں گیا اس لئے وہ نبی بنے نہیں اور اس خواب کے ساتھ بھی اسی بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

نبوت کی استعداد حضرت عمر کا خاصہ ہے۔ یہ شرف ہے حضرت عمرؓ کا تمام

☆ (ترمذی ۲/۲۰۹۔ مسند احمد۔ رقم ۱۶۷۶۴).

صحابہ میں سے کہ نبوت کے ساتھ مناسبت اور نبوت کی استعداد حضرت عمرؓ میں تھی اور کسی میں نہیں تھی یہ حضرت عمر کا شرف ہے اس لئے ہم اپنے طور پر یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو ابو بکر نبی ہوتے اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو عثمان نبی ہوتے یا اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو علی نبی ہوتے یا فلاں نبی ہوتا ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے اس لئے نہیں کر سکتے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ نبوت کیلئے کیسی استعداد ہوتی ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ شہادت دے دی کہ عمر کے اندر یہ استعداد موجود ہے تو یہ جزوی فضیلت ہے حضرت عمرؓ کی باقی صحابہ کے مقابلے میں۔ کسی اور صحابی کے متعلق یہ قول نہیں کیا جا سکتا یہ شرف صرف حضرت عمرؓ کا ہے یا دوسری بات حضورؐ نے فرمائی اپنے اس صاحبزادے کے متعلق جو اٹھارہ مہینے کی عمر میں فوت ہو گئے تھے حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے ان کے متعلق بھی روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا..☆ جس کا مطلب ہے کہ اگر میرے بعد نبوت جاری رہنی ہوتی... تو میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو ابراہیم زندہ نہیں رہے نبوت کا منصب ختم، اگر نبوت جاری رہتی تو ابراہیم زندہ رہتے ...... ابراہیم زندہ رہتے تو اللہ انہیں نبی بنا دیتا، اس میں بھی اسی بات کی شہادت دینی مقصود ہے کہ اس بچے کے اندر بھی وہی استعداد تھی کہ اگر یہ بڑا ہوتا تو اس قابل ہوتا کہ اس کو نبی بنایا جائے نبوت جاری رہنی ہوتی تو ابراہیم زندہ رہتا اور ابراہیم کو نبی بنایا جاتا۔

☆☆ (مسند احمد۔ رقم ۱۱۹۰۸ ـ ۱۳۴۷ھ)

نبوت کسبی نہیں ہے

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبوت کسبی نہیں، یہ اپنے کمانے کے ساتھ، اپنی محنت کے ساتھ حاصل نہیں کی جاسکتی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینے کے ساتھ ملتی ہے جس کو اللہ منتخب کرے باقی اللہ منتخب اس کو کرتا ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے استعداد رکھی ہوئی ہوتی ہے ان دونوں باتوں میں ایک طرف سے لزوم ہے کہ نبی بنے گا وہ جس میں اللہ نے نبوت کی استعداد رکھی ہوگی لیکن جس میں استعداد رکھی ہو گی اس کو نبی بھی بنا دیا جائے اس طرف سے کوئی لزوم نہیں ہے یہ بات آپ سمجھ گئے ؟عقیدے کی بات یہ آ گئی کہ نبوت کسبی نہیں، کوئی آدمی محنت کر کے نبی نہیں بن سکتا، عبادت کر کے، ریاضت کے ساتھ نبوت کے عہدے کو حاصل نہیں کر سکتا یہ عہدہ اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے چنانچہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاس

اللہ چنتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور اسی طرح سے انسانوں میں سے رسول، انسانوں میں سے رسول اور فرشتوں میں سے رسول اللہ چنتا ہے تو جس کو وہ چاہے چن کے رسول بنا دے اور جس کو نہ چاہے نہ بنائے، رسول کا ہونا ضروری، نبوت کا واسطہ ضروری اور یہ نبوت کا واسطہ، یہ رسالت کا واسطہ، یہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے بنتا ہے کسب کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا یہ دو باتیں آپ کے سامنے آ گئی ہیں۔

تمام انبیاء انسان تھے اور مرد تھے

اب آگے تیسری بات شخصیتِ رسول یا شخصیتِ انبیاء، اس بارے میں یہ

عقیدے یاد رکھیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، پہلے نبی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنائے گئے وہ حضرت آدم ہیں اور آخری نبی اس سلسلے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جتنے یہ رسول تھے جو انسانوں میں سے منتخب کیے گئے، یہ سارے کے سارے مرد تھے...کوئی عورت نبی نہیں بنی اور کسی عورت کو رسول نہیں بنایا گیا، یہ بھی عقیدے میں بات داخل ہے کہ نبی اللہ کے جتنے بھی آئے جن کو اللہ نے نبوت کا عہدہ دیا ہے وہ مرد تھے، عورتوں میں سے کسی عورت کو یہ منصب نہیں دیا گیا، قرآن کریم میں خود یہ بات صراحت کے ساتھ ذکر کی گئی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِىْ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ☆

ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھیجے ہیں سب مرد بھیجے ہیں ان کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے اور وہ اہل قریٰ میں سے تھے مستقل آبادیوں میں سے تھے، شہروں میں سے تھے، جنگل یا بدو (دیہات) میں سے نہیں تھے، من اہل القریٰ مستقل آبادیوں میں سے تھے اور یہ رجال تھے.....رجال، رجل کی جمع ہے رجل مرد کو کہتے ہیں یہ بھی بات عقیدے میں داخل ہے کہ نبی مرد ہوتا ہے رسول مرد ہوتا ہے عورتوں میں سے نہ کسی کو نبی بنایا گیا نہ کسی کو رسول بنایا گیا یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی؟ تو جب یہ مرد ہوتے ہیں تو پھر اگلی بات کہ انبیاء علیہم السلام جتنے بھی آئے..سب اولادِ آدم میں سے ہیں....آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کوئی آدم کے سوا دوسری مخلوق نہیں کہ جس سے انبیاء علیہم السلام کو اٹھایا گیا ہو۔

☆ (سورہ یوسف۔ آیت ۱۰۹)

1000 مخلوقات میں تین ممتاز ہیں

اللہ کی مخلوق بہت ہے اتنی زیادہ ہے کہ آپ کے اور میرے شمار میں نہیں آ سکتی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ 600 قسم کی مخلوق سمندروں میں ہے اور 400 قسم کی مخلوق خشکی پر ہے...چار سو قسم کی مخلوق خشکی پر ہے اور چھ سو قسم کی مخلوق سمندروں میں ہے.....تو ایک ہزار نوع ہے مخلوق کی اور ان میں سے جو ممتاز ہے ...وہ ہیں...جن،...فرشتے...اور انسان۔

فرشتے نیکی کرنے پر مجبور ہیں

اللہ نے فرشتے پیدا کیے، اپنے نور سے، یہ صراحت ہے، کہ فرشتے نوری ہیں اور ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے نیکی کی استعداد رکھی ہے اگر وہ چاہیں بھی کہ ہم نیکی کے علاوہ دوسرا کام کریں تو وہ نہیں کر سکتے، اس لئے ان کو نیکی کرنے پر مختار نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ وہ نیکی پر مجبور ہیں اختیار وہ ہوا کرتا ہے جو جانبین کے ساتھ ہو۔ ایک جانب کے ساتھ اختیار نہیں ہوا کرتا، آپ بیٹھنے میں مختار ہیں یہ تب کہا جائے گا جب آپ کو کھڑے ہونے کا اختیار ہو اور اگر آپ کھڑے ہو ہی نہیں سکتے آپ کی ٹانگوں میں طاقت ہی نہیں آپ بیٹھنے پر مجبور ہیں بیٹھنے پر مختار نہیں ہیں یہ بات سمجھ رہے ہو؟ آپ کھڑے ہونے کے مختار ہیں یہ بات تب کہی جائے گی جب کہ آپ میں بیٹھنے کی طاقت بھی ہو اور اگر آپ میں بیٹھنے کی طاقت ہے ہی نہیں ٹانگیں آپ کی اکڑی ہوئی ہیں تو آپ کھڑے ہونے پر مجبور ہیں کھڑے ہونے پر مختار نہیں ہیں فرشتوں میں اللہ تعالیٰ نے نیکی کی استعداد رکھی ہے ان میں معصیت کا جذبہ نہیں رکھا اس لئے وہ نیکی کرنے پر مجبور ہیں وہ نیکی ان کی اختیاری نہیں ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ☆

ان کی مشین کی فٹنگ ہی ایسی ہے کہ جب وہ کوئی کام کریں گے تو اللہ کی مرضی کے مطابق کریں گے اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں کر سکتے اس لئے ان کے مزاج میں جامعیت نہیں ہے وہ اپنے درجے میں ترقی نہیں کر سکتے جہاں ان کو ٹھہرا دیا ٹھہر گئے.... آگے ان کی کوئی ترقی نہیں ہے۔

جنوں میں برائی کی استعداد غالب ہے

اور دوسری مخلوق اللہ نے پیدا کی جن۔ اور قرآن کریم میں صراحت ہے سورۃ رعد میں کہ جنوں کی خلقت انسانوں سے پہلے ہے جنوں کو پہلے پیدا کیا گیا اور جنوں کو پیدا کیا گیا نار سے، آگ سے، یہ جنات ناری ہیں اور ان کے اندر نیکی کی استعداد بھی ہے برائی کی استعداد بھی ہے لیکن ان میں برائی کی، معصیت کی، سرکشی کی استعداد غالب ہے اور نیکی کی استعداد کمزور ہے اس لئے جنات میں شرارت زیادہ پائی جاتی ہے صالحیت کم ہے یہ مخلوق اللہ نے پیدا کی، پیدا کرنے کے بعد ان کو دنیا میں بسایا لیکن ان دونوں کے موجود ہونے کے باوجود پھر اللہ تعالیٰ نے ایک تیسری مخلوق کو پیدا کرنے کا اعلان فرمایا یہ ہے جس کو آدم کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے نمایاں فرمایا، یہ تیسری مخلوق ہے جو نہ ناری ہے نہ نوری ہے۔ فرشتے نور سے پیدا ہوئے اور جنات نار سے پیدا ہوئے... جنات ناری ہیں..... فرشتے نوری ہیں۔

آدمؑ اور اولادِ آدمؑ خاکی مخلوق ہیں

اور یہ تیسری نوع جو پیدا کی گئی آدم کی شکل میں نمایاں کی گئی آدم کو پیدا کیا گیا

☆ (سورہ تحریم۔ آیت ۶)

من تراب مٹی سے، مِنْ طِیْنٍ کیچڑ سے، مِنْ حَمَاءٍ مَسْنُوْن ، قرآن کریم میں جس طرح سے لفظ آئے ہیں حماء مسنون گلا سڑا کیچڑ، ... مٹی گوندھ کے رکھ دی جائے .... گوندھ کے رکھنے کے بعد اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے ... سڑ جاتی ہے ... پھر اس میں چکناہٹ پیدا ہو جاتی ہے..... اس لئے لیپائی وغیرہ کرنے کیلئے ہمیشہ مٹی کو بگھو کے کئی دن تک رکھا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی مٹی کے ساتھ آدم کو پیدا کیا قرآن کریم کے اندر اس کی صراحت ہے اس لئے آدم خاکی ہے آدم ترابی ہے یہ مٹی سے پیدا ہوا ہے یہ ناری نہیں ہے یہ نوری نہیں ہے یہ بات صحیح ہے قرآن کے اندر صراحت سے آئی ہوئی ہے۔ جس میں کوئی کسی قسم کے شک شبے کی گنجائش نہیں، آدم علیہ السلام جس وقت خاکی ہوئے تو آدم علیہ السلام کی اولاد جتنی آگے چلے گی وہ ساری کی ساری خاکی ہوگی اور آدم علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو اعلان فرمایا وہ یہی فرمایا کہ "اِنِّـیْ خَـالِقٌ بَشَـرًا" (سورہ ص۔ آیت ۷۱) میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں، مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں، اس لئے آدم کا لقب بشر بھی ہے اور ابوالبشر بھی ہے۔

بشریت انبیاء پر واضح دلیل

آگے پیدا ہونے والے جتنے انسان ہیں وہ سارے کے سارے آدم کی اولاد میں سے ہیں تو: آدم بشر اور آدم کی اولاد پیدا ہونے والی جتنی تھی وہ ساری کی ساری بشر اس لئے آدم کی اولاد جتنی ہیں وہ ساری کی ساری خاکی تو آدم کی اولاد آدمی کہلاتی ہے اور انسان کا لفظ بھی انہیں کیلئے بولا جاتا ہے تو انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ نہ تو جنات میں ہوا.... انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ انسانوں کیلئے نہ فرشتوں میں

ہوا۔ انبیاء کا سلسلہ اللہ نے آدم کی اولاد میں سے ہی اختیار کیا آدم کی اولاد آدمی کہلاتی ہے اور پہلے نبی جو ہیں وہ آدم علیہ السلام ہیں اور آدم علیہ السلام کے خاکی ہونے کی صراحت قرآن میں ہے، مٹی سے پیدا ہونے کی صراحت قرآن میں ہے تو پہلا نبی جو ہے اس کا مٹی سے پیدا ہونا، اس کا خاکی ہونا بالکل نص قطعی سے بلاشبہ ثابت ہوا اور آگے جو ان کی اولاد چلی وہ اس نوع سے ہے..... جب اس نوع سے ہے تو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ عقیدہ بھی قطعی ہے کہ یہ اولاد آدم میں سے ہیں یہ جنات میں سے یا فرشتوں میں سے نہیں اور یہ خاکی ہیں جس طرح سے اللہ تعالی نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا تو آدم کی اولاد ساری مٹی سے ہے اور یہ بشر ہیں کیونکہ آدمی جس وقت بشر ہے تو جتنے بھی انبیاء علیہم السلام ان کی اولاد میں سے آئیں گے وہ سارے کے سارے بشر ہوں گے۔ تو یہ انبیاء رسل کے متعلق بشر ہونے کا عقیدہ یہ بھی قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ آیا ہوا ہے جس میں کوئی کسی قسم کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

کافروں کا اعتراض کہ تم تو بشر ہو

انبیاء علیہم السلام جس وقت دنیا میں آئے، اپنی قوموں میں سے اٹھے اپنے قبیلوں میں سے اٹھے، ہر نبی اپنی قوم میں سے ہی منتخب ہوا، اپنے قبیلے میں سے منتخب ہوا جس وقت انہوں نے آ کے اپنے ہم وطنوں کے سامنے اپنے ہم قوم کے افراد کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو انہوں نے آگے سے اشکال یہ کیا کہ تم تو بشر ہو۔ تو بشر ہو کر تم رسول کس طرح سے ہو سکتے ہو؟ تم تو ہم جیسے بشر ہو یہ قرآن کریم میں مشرک قوموں کا اعتراض تقریباً تسلسل کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے متعلق نقل کیا

ہے.....تو گویا کہ ان مشرکوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بشر رسول نہیں ہوسکتا اور ان کا بشر ہونا ان کے سامنے مشاہدہ تھا کہ یہ ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں یہ فلاں کے بیٹے ہیں یہ فلاں کے بھتیجے ہیں یہ فلاں عورت کے شوہر ہیں یہ فلاں کے باپ ہیں فلاں کے پوتے ہیں، فلاں کے بھانجے ہیں جتنا سلسلہ وہ دیکھتے تھے وہ سارا کا سارا انبیاء میں ان کو نظر آتا تھا اس لئے انبیاء علیہم السلام کا بشر ہونا تو ان کے سامنے مشاہدہ تھا۔

بشریت اور رسالت میں منافاۃ کا عقیدہ

اور جب وہ نبی اپنے لئے کوئی منصب ذکر کرتے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں اللہ نے ہمیں منتخب کیا تو وہ کہتے بشر رسول نہیں ہوسکتا گویا کہ بشر اور رسالت کے اندر منافات کا عقیدہ... مشرکین کا ایک بنیادی عقیدہ تھا اس لئے جب بھی کسی نے آکر نبوت کا اعلان کیا تو انہوں نے کہا

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا☆

تم تو ہمارے جیسے بشر ہو تم اللہ کے رسول کیسے ہوسکتے ہو، ان کی طرف سے یہی اعتراض آتا تھا جس کو مولانا رومی نے ذکر کیا کہ

جملہ خلق زیں سب گمراہ شد
ہیچ کس نہ راہ حق آگاہ بشر

ساری مخلوق اس وجہ سے گمراہ ہوگئی انہوں نے اللہ کے راہ کو نہ پایا۔

گفتند ما بشر این بشر
ما و ایشاں مبتلا خوابیم

☆(سورہ ابراہیم۔آیت ۱۰)

وہ خود کہنے لگے کہ ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی بشر ہیں اور ہم بھی کھاتے اور سوتے ہیں یہ بھی کھاتے اور سوتے ہیں..... مولانا رومی کہتے ہیں یہیں سے وہ دھوکہ کھا گئے کہ ان کے سامنے یہی ظاہری حالات تھے۔ جن کی بناء پر انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تو ہم جیسے انسان ہیں یہ اللہ کے خاص کیسے ہو سکتے ہیں اللہ کے رسول کیسے ہو سکتے ہیں۔

مولانا رومی کا شعر

تو مولانا رومی کہتے ہیں یہی ان کی گمراہی کا باعث بن گیا ورنہ ان کو سوچنا چاہیے تھا کہ بعض چیزیں ظاہری شکل کے اعتبار سے ایک جیسی ہوا کرتی ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے بڑا فرق ہوتا ہے وہ پہلا مصرعہ میرے ذہن میں آ نہیں رہا جس میں دوسرے مصرعے میں ہے

گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

کہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک جیسے ہوتے ہیں شیر لکھیں تو بھی ''ش'' ے، ر'' اور شیر لکھیں تو بھی ش، ے، ر تین ہی حرف ہوں گے لیکن شیر جو ہے وہ درندہ ہے جو انسانوں کو پھاڑتا ہے اور شیر جو ہے وہ دودھ ہے جس کو انسان پیتا ہے ظاہری شکل کے اعتبار سے آپس میں کتنا ملتا ہوا لفظ ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے کتنا فرق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اس بشر کو ربط دے کے اندرونی طور پر اس بشر کو فضیلت دی مشرکین کی نظر یہاں تک نہیں پہنچی وہ ظاہر میں ہی الجھ کے رہ گئے بہر حال ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے بعضے لوگ جہالت کے ساتھ یہ سمجھنے لگ گئے کہ وہ تو کہتے تھے بشر رسول نہیں ہو سکتا اور بعضے لوگوں نے

اپنی جہالت سے یہ سمجھ لیا کہ جو رسول ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا، تو جس کے متعلق بشر ہونے کا عقیدہ ہو کہ یہ بشر ہے وہ کہتے تھے رسول نہیں ہو سکتا اور جس کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ یہ رسول ہیں، بعضے جہالت کی بناء پر کہتے ہیں یہ بشر نہیں ہو سکتا، بہر حال منافاۃ کے اعتبار سے دونوں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں کہ بشر اور رسول میں منافات وہ کہتے تھے بشر ہیں رسول نہیں اور اگر کوئی آدمی کہے رسول ہے بشر نہیں تو دونوں اس نقطے پر متفق ہیں کہ بشر اور رسالت کے درمیان منافات ہے....اور منافاۃ کے اعتبار سے دونوں کا عقیدہ ایک ہو جاتا ہے۔

حق کیا ہے بشر بھی ہیں اور رسول بھی ہیں...دونوں عقیدے رکھنے ضروری ہیں کہ بشر ہو کر رسول اور رسول ہونے کی وجہ سے اس بشر کو باقی بشروں سے اتنا امتیاز دے دیا جاتا ہے کہ اس امتیاز کو اپنے لفظوں کے ساتھ کوئی انسان بیان نہیں کر سکتا۔

مسئلہ نور و بشر اور مولانا کاندھلوی

حضرت مولانا ادریس احمد کاندھلویؒ ہمارے اساتذہ میں سے ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر رہے اور فیصل آباد میں ایک جلسے میں تقریر فرما رہے تھے اور ان دنوں میں یہ دیوبندی بریلوی بہت فساد اٹھا ہوا تھا اور نور و بشر کے جھگڑے بھی جگہ جگہ جاری تھے..لوگ کہتے تھے کہ انبیاء کو بشر کہنا یہ ان کی توہین ہے اس مسئلے کو ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے بیان فرمایا کہ دیکھو منطقی کہتے ہیں حیوان جنس ہے اور اس جنس کے اندر گدھا بھی ہے....گھوڑا بھی ہے....اور انسان بھی ہے تو انسان اور گدھا ایک جنس میں شریک ہیں، آپ جانتے ہیں کہ ایک جنس میں شریک ہونے کی وجہ سے انسان اور گدھا برابر نہیں ہو گئے...ایک جنس میں

شریک ہونے کی بناء پر حیوان دونوں میں ہے.... لیکن ایک انسان ہے اور ایک گدھا ہے دونوں میں کتنا فرق ہے۔

فرمایا اسی طرح سے نوع بشر کے افراد آپس میں برابر نہیں بشر رسول اور بشر غیر رسول دونوں کے درمیان میں اس سے زیادہ فاصلہ ہے جتنا انسان اور گدھا کے درمیان میں ہوتا ہے جس طرح سے ایک جنس میں شریک ہونے کی بناء پر انسان اور گدھا برابر نہیں ہو گئے اسی طرح سے نوع بشر میں شریک ہونے کی بناء پر دونوں کا درجہ ایک نہیں ہو گیا بلکہ ان کے درمیان میں فاصلہ اس سے زیادہ ہے جتنا فاصلہ انسان اور گدھے میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آتی ہے اور اس بشر کو رسول بناتی ہے یا نبی بناتی ہے اس کے ساتھ بشر کو اتنا کمال حاصل ہو جاتا ہے کہ عام بشروں کے مقابلے میں اس کمال کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

قصیدہ بردہ کا شعر

قصیدہ بردہ میں جس طرح سے ایک شعر ہے

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَيْسَ كَالْبَشَرِ
لٰكِنَّهٗ يَاقُوْتٌ بَيْنَ الْحَجَرِ

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تو ہیں لیکن عام بشروں جیسے نہیں بلکہ یہ تو اس طرح سے ہیں جس طرح سے پتھر کے اندر یاقوت ہوتا ہے یاقوت بھی پتھر ہے لیکن عام پتھروں کے مقابلے میں یاقوت اتنا قیمتی ہوا کرتا ہے کہ ایک تولہ یاقوت کے پتھروں کے مقابلے میں عام پتھروں کے ٹرک خریدے جا سکتے ہیں اب اگر کوئی کہے کہ پتھر ہونا نقص ہے تو پتھر ہونا نقص نہیں... بلکہ اس کے درجات میں آپس میں اتنا فرق ہو

جاتا ہے... کہ بعضے بعضے پتھر بہت قیمتی اور بعضے بعضے پتھر گھٹیا درجے کے ہوا کرتے ہیں تو جس طرح سے پتھر میں یاقوت ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام بشروں کے اندر اسی طرح سے ہوتے ہیں صرف بشر کا لفظ بولنے کے ساتھ دونوں کے درمیان میں مساوات لازم نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ نبی بنا کر اور رسول بنا کر اس بشر کو اتنا ممتاز کر دیتا ہے کہ باقی بشروں کا ذہن اور فہم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

خلاصہ بیان:

بہر حال یہ عقیدہ قطعی ہے کہ آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں... آدم کا مٹی سے پیدا ہونا اور خاک سے پیدا ہونا، قرآن کریم میں منصوص ہے..... اور انبیاء علیہم السلام اور سارے کے سارے اولادِ آدم میں سے ہیں.... اس لئے انبیاء علیہم السلام بشر بھی ہیں اور آدمی بھی ہیں... اولادِ آدم میں سے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے کمالات اتنے ہیں کہ باقی انسانوں سے وہ بہت ممتاز ہوتے ہیں اور یہ سمجھ لینا کہ بشر کہنے کے ساتھ مساوات لازم آگئی، یہ جہالت ہے... یہ علم نہیں ہے.. اس لئے اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے اولادِ آدم سے ہیں۔ انسان ہیں۔ آدمی ہیں لیکن نبوت کے مل جانے کے ساتھ ان کو جو کمال حاصل ہوتا ہے اس کمال کے ساتھ یہ باقی انسانوں کے مقابلے میں بہت ممتاز ہو جاتے ہیں تو بنیاد آپ کی خدمت میں عرض کر دی باقی تفصیل انشاء اللہ اگلے بیان میں سہی، کہ منصب نبوت اختیاری نہیں،

حاصل یہ ہوا منصب نبوت اختیاری نہیں کوئی آدمی عبادت کے ساتھ، ریاضت کے ساتھ، محنت کے ساتھ اس منصب کو حاصل نہیں کر سکتا یہ اللہ کے دینے سے ملتا ہے اور اللہ کے متعین کرنے سے انسان نبی اور رسول بنتا ہے اور یہ کسی انسان

کے اختیار کی بات نہیں، دوسری بات یہ ذکر کی کہ انبیاء علیہم السلام مرد ہوتے ہیں عورتوں میں سے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی کسی عورت کو اللہ نے رسول نہیں بنایا، تیسری بات یہ عرض کی یہ نبوت کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا سرور کائنات ﷺ پر ختم ہوا پہلے نبی آدم ہیں اور آخری نبی رسول اللہ ﷺ ہیں اس لئے انبیاء جتنے بھی ہیں وہ سارے آدم کی اولاد میں سے، اس لئے ان کو آدمی کہیں گے انسان کہیں گے اور آدمی چونکہ بشر ہیں تو اولاد بشر...ساری کی ساری بشر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

تصورِ رسالت

بموقع ۞ ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام ۞ جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت ۞ بعد عشاء

تاریخ ۞ ۹؍ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ

تصور رسالت

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ، فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

☆ (رواہ البخاری ۱/۴۹۰)

تمہید:

گذشتہ ہفتہ یہی روایت پڑھی تھی......لیکن بیان نہ ہوسکا چونکہ ذہن میں ایک مضمون گشت کرتا پھر رہا تھا تو ارادہ ہوا کہ اپنے ذہن سے اس مضمون کو فارغ ہی کرلوں۔

سرورکائنات ﷺ کا یہ قول مبارک بخاری میں موجود ہے کہ آپ نے فرمایا

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَم

میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جس طرح سے نصاریٰ نے مریم کے بیٹے کی تعریف میں مبالغہ کیا میری تعریف میں اس طرح سے مبالغہ نہ کرنا

اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ......میں تو اللہ کا بندہ ہوں

عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ ......اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، صحیح بخاری میں یہ روایت حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔

امت محمدیہ پر بنی اسرائیل والے حالات

حدیث شریف میں آتا ہے عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے ترمذی اور سنن ابی داؤد دونوں کتابوں میں ہے کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً کَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَصْنَعُ ذَالِکَ تَفَرَّقَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثَۃٍ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَاحِدَۃً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ ☆

☆(رواہ الترمذی، ۲/۹۳)

دوسری روایت:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قَالُوْا اَلْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ فَمَنْ؟ (متفق علیہ ...... ☆

پہلی روایت کی تشریح

تمہید کے طور پر یہ دو روایتیں میں نے مزید آپ کے سامنے پڑھی ہیں ان کو آپ ذہن میں رکھیں گے تو جو کچھ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اس کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔ پہلی روایت جو میں نے پڑھی وہ عبداللہ بن عمروؓ سے ترمذی اور سنن ابی داؤد دونوں میں موجود ہے کہ آپؐ نے فرمایا میری امت پر بھی ایسے حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے ہیں اور اس طرح سے حالات میں مطابقت ہوگی حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ جس طرح سے پاؤں کا ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے (یہ مساوات بیان کرنے کیلئے عربی میں ایک محاورہ ہے)

اور پھر مثال کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائی (ذرا توجہ فرمائیں گے آپ حضرات) فرمایا کہ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّهٗ عَلَانِیَةً ... اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا شخص ہوا جو اپنی ماں کے پاس علی الاعلان آتا تھا یعنی اپنی ماں سے بدکاری کرتا تھا تو کَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ میری امت میں بھی ایسے افراد ہوں گے جو یہی کام کریں گے یہ مطابقت کی انتہاء ہے اور فرمایا کہ:

☆ یعنی رواہ مسلم ۲/۳۳۹۔ والبخاری ۲/۱۰۸۸)

بنی اسرائیل تو 72 فرقوں میں بٹے میری امت 73 فرقوں میں بٹے گی۔

امت محمدیہ میں ایک فرقہ زائد کیوں؟

امت محمدیہ میں ایک فرقہ زائد کیوں؟ اصل میں 72 کی 72 سے مطابقت ہے وہ تو سارے کے سارے گمراہ تھے یہاں بھی گمراہ فرقے 72 ہوں گے چونکہ ایک اہل حق کا فرقہ قیامت تک باقی رہنا ہے اس لئے یہاں وہ 73 واں فرقہ ہو گیا۔

میری امت میں 73 فرقے ہوں گے تو اس طرح سے اہل باطل جیسے بنی اسرائیل کے فرقے اہل باطل تھے کلھم فی النار سب جہنم میں جائیں گے الاملۃ واحدۃ لیکن ایک طریقے والے ایسے ہوں گے جو جنت میں جائیں گے صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون؟ آپ نے فرمایا کہ ما انا علیہ واصحابی جو میرے طریقے پر اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلتے رہیں گے۔

توجہ سے سنتے جائیں۔ ان میں بہت بڑے ہدایت کے اصول ہیں جو ان روایات میں بیان کئے گئے ہیں جو میرے طریقے پر اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے وہ ایک طریقے والے ہوں گے جو جنت میں جائیں گے باقی سب جہنم میں جائیں گے بنی اسرائیل کے 72 فرقے بنے تھے میری امت کے 73 فرقے بنیں گے 72 ان کے بھی گمراہ، یہاں بھی گمراہ اور ایک فرقہ اہل حق کا اور اہل حق وہ ہوں گے مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی، جو اس طریقے پر ہوں گے جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ ہے۔

خواہش پرست لوگ

غالباً سنن ابی داؤد میں آگے ایک جملہ زائد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب کچھ لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کے اوپر خواہشات نفس کا اتنا غلبہ ہوگا یعنی اپنی دل چاہی چیزوں کے پیچھے اس طرح سے لگیں گے اس طرح سے غلبہ ہوگا ان کی خواہشات کا، جس طرح سے باؤلے کتے کے کاٹنے سے کتے والی بیماری انسان میں سرایت کر جاتی ہے۔☆ (اس کو عربی میں کلب کہتے ہیں یعنی وہ بیماری جو کتے کے کاٹنے سے آیا کرتی ہے جس کے بعد انسان پاگل ہو جاتا ہے) تو خواہشات کا غلبہ ان لوگوں پر اتنا شدت کے ساتھ ہوگا کہ جس طرح کتے کے کاٹنے کے بعد بیماری آتی ہے اور آدمی ہکلا جاتا ہے وہ اس کے رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے بدن کا کوئی حصہ خالی نہیں ہوتا جس میں وہ بیماری سرایت نہ کر جائے۔ اور شاید آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ کتے کے کاٹنے سے جو انسان پاگل ہوا کرتا ہے یہ لاعلاج مرض ہے اور اس کو سب سے زیادہ نفرت پانی سے ہوتی ہے پانی کو دیکھ کے یہ برداشت نہیں کر سکتا اگر اس کے اوپر پانی ڈال دیا جائے تو یہ مر جاتا ہے وراس بیماری والا اکثر پیاسا مرتا ہے پانی نہیں پی سکتا۔

تو جس طرح سے وہ کلب بیماری رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے روح روح میں سرایت کر جاتی ہے، خواہشات ان لوگوں کے مزاج میں اس طرح سے سرایت کی ہوئی ہوں گی کہ ان کا کوئی حصہ بچے گا نہیں۔ اندھا دھند اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے والے ہوں گے کوئی علمی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوں گے۔ علم سے

☆ (ابوداود ۲/ ۲۷۵)

اس طرح سے نفرت کریں گے جس طرح سے کتے کا کاٹا ہوا پانی سے نفرت کرتا ہے اور علم کا چکارا ان کیلئے موت کا باعث ہوگا۔ یہ ہے وہاں اس کے تذکرہ کرنے کا مقصد، کلب اس بیماری کو کہتے ہیں جو کتے کے کاٹنے سے ہوا کرتی ہے (سمجھ گئے ہو؟) کبھی دیکھا ہوگا آپ نے کتے کا کاٹا ہوا وہ پانی نہیں پی سکتا پانی سے اسے بہت سخت وحشت ہوتی ہے۔

دوسری روایت کی تشریح

یہ تو ایک روایت تھی جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی اس کو ذہن نشین کر لیں تو آگے بات سمجھنے میں آپ کو آسانی رہے گی دوسری روایت جو میں نے پڑھی آپ کے سامنے۔ وہ متفق علیہ روایت ہے یعنی مسلم میں بھی ہے اور بخاری میں بھی ہے اور ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ،البتہ ضرور پیروی کرو گے تم ان لوگوں کے طریقوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں (لَتَتَّبِعُنَّ) آپ حضرات جو صرف پڑھتے ہیں لام تاکید اور نون تاکید ثقیلہ کا زور سمجھتے ہیں کہ اصطلاح میں کتنا زور ہوتا ہے شروع میں لام تاکید ہے اور آخر میں نون ثقیلہ ہے) پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے طریقوں کی پیروی تم ضرور کرو گے یعنی ایسا ضرور ہوگا...... یہ پیشین گوئی ہے۔

یہاں بھی مبالغۃً ایک تشبیہ دی حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ حتیٰ کہ اگر پہلے لوگ کسی گوہ کی کھڈ (بل) میں گھسے تھے یعنی

☆ جو نہ عقل کے مطابق

☆ نہ نقل کے مطابق

☆ نہ فطرت صحیحہ کے مطابق

بس پہلے لوگ کہیں گوہ کی کھڈ مل گئی اور اس میں گھس گئے تبعتموھم تم بھی ان کے پیچھے گھسو گے، قالوا صحابہ نے کہا یارسول اللہ الیھود و النصاری؟ آپ نے یہ جو کہا ہے کہ پہلے لوگوں کے طریقوں پر تم چلو گے تو پہلے لوگوں سے کون مراد ہیں۔؟ یہود و نصاری؟ آپ نے فرمایا فمن؟ اور کون؟ یعنی یہود و نصاری ہی مراد ہیں اس روایت میں بھی شدت کے ساتھ مشابہت بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ گوہ کی کھڈ میں گھسے ہوں گے تو تم نے بھی ان کے پیچھے گھسنا ہے تمہارے اوپر وہ حالات ضرور آئیں گے جو کہ بنی اسرائیل کے اوپر آئے۔

ان دونوں روایتوں میں سرور کائنات ؐ نے ہمیں جو چیز سمجھائی ہے وہ ہے ایک پیش گوئی، کہ آنے والے حالات میں امت کے اندر اختلاف ہوگا اور بہت سارے لوگ ایسے ہوں گے جو یہود و نصاری کے طریقے پر چلنے والے ہوں گے اور اس لئے مطابقت ہوگی ان کی یہود و نصاریٰ کے ساتھ، کہ جس طرح سے جوتا جوتے کے مطابق ہوتا ہے اور اتنی شدت کے ساتھ وہ پیروی کریں گے یہودی و نصاریٰ کی کہ اگر وہ گوہ کی کھڈ (بل) میں گھسے ہیں تو یہ بھی پیچھے گھسیں گے۔

یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی اور کہا کہ جس طرح سے ان اہل کتاب کے پورے کے پورے فرقے گمراہ ہوگئے 72 کے 72، میری امت میں بھی 72 فرقے گمراہ ہوں گے لیکن اہل حق کا ایک فرقہ قائم رہے گا اہل کتاب میں تو اہل حق فرقہ قائم نہیں رہا میری امت میں رہے گا وہ 73 واں فرقہ ہو گا۔

ناجی گروہ کی علامت

تو خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس کی کوئی علامت بتادی جائے وہ کون سا 73 واں فرقہ ہے جو ہدایت پہ ہوگا؟ اور وہ کون سے 72 فرقے ہیں جو اہل کتاب کی طرح گمراہ ہوجائیں گے تو پوچھا کہ یارسول اللہ وہ طریقہ کون سا ہے کہ جس کے اوپر چلنے والے ہدایت یافتہ ہوں گے، جنت میں جائیں گے؟ تو آپؐ نے ایک بہت نمایاں قسم کی نشانی بتادی محسوس قسم کی نشانی بتادی، کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلیں گے یہ ہے ملت واحدہ جو جنت میں جانے والی اور اہل حق گروہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلیں گے (قرآن، حدیث پہ چلنے کا دعویٰ حق کا معیار نہیں)

یہاں یہ نہیں کہا کہ جو قرآن وحدیث پر چلیں گے..... (ذرا خیال کرنا اس بات کا)..... کیونکہ قرآن کی آیت پڑھ کے تو ہر کوئی مطلب اپنی مرضی کا نکال لیتا ہے ارے بات سمجھے؟ حدیث کی عبارت پڑھ کے بھی ہر کوئی اپنی مرضی کا مطلب نکالنے کی کوشش کرے گا... تم مطلبوں کے پیچھے نہ پڑھنا تم یہ پوچھنا کہ صحابہ کا طریقہ کیا تھا وہ بتاؤ، تم پوچھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا یہ بتاؤ..... بس طرز عمل پوچھنا، میرا بھی اور میرے صحابہ کا بھی، جو میرے اور میرے صحابہ کے طرز عمل پر چلیں گے وہ صحیح ہوں گے باقی جہاں تک لفظوں کا چکر ہے۔

قرآن کی آیت پڑھ کے مطلب نکال لینا، حدیث کی عبارت پڑھ کے مطلب نکال لینا۔ یہ تو ہوتا رہتا ہے لیکن طرز عمل دیکھنا کہ انہوں نے زندگی کیسے گزاری؟ طرز عمل کیا تھا؟ جو میرے اور میرے صحابہ کے طرز عمل کو اپنائیں گے وہ

ہوگا حق فرقہ، وہ جائے گا جنت میں اور باقی جائیں گے جہنم میں تو۔ مَـا أنَـا عَلَيْـهِ وَأَصْحَـابِيْ ☆ یہ ایک محسوس معیار ہمارے سامنے رکھ دیا کہ جس میں جاہل سے جاہل آدمی بھی پہچان سکے کیا یہ طریقہ صحابہ کا طریقہ ہے یا نہیں یہ طریقہ حضور کا طریقہ ہے یا نہیں اس میں زیادہ کوئی ذہن سوزی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا

یہ دو روایتیں میں نے آپ کی خدمت میں بطور تمہید کے پڑھیں اس سے آگے آپ کی خدمت میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سرور کائناتؐ نے فرمایا میری تعریف میں اس طرح سے مبالغہ نہ کرنا جس طرح سے نصاریٰ نے مریم کے بیٹے کی تعریف میں مبالغہ کیا..... مریم کے بیٹے سے کیا مراد ہے؟ بولو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کے طور پر، بغیر باپ کے (بات جو کروں گا صراحت کے ساتھ قرآن حدیث سے کروں گا) عیسیٰ بن مریم کی نسبت ماں کی طرف کیوں؟ قرآن کریم کے اندر اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت مریم صدیقہ علیہا الصلوٰۃ والسلام ان کے بطن سے عیسیٰؑ پیدا ہوئے اس لئے قرآن جب عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتا ہے ابن مریم کہہ کے لیتا ہے عیسیٰ بن مریم، عیسیٰ بن مریم یَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ☆☆
ابن مریم نام کا جزء بنا دیا گیا تا کہ لوگوں کے سامنے یہ ہو کہ یہ اپنی ماں کے بیٹے ہیں ان کی نسبت باپ کی طرف نہیں ہے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام یہ ہیں ابن مریم، بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

☆(ترمذی ۹۳/۲) ☆☆(سورہ مائدہ۔ آیت ۱۱۶)

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود کا نظریہ

پیدا ہونے کے بعد، ایک نظریہ ان کے متعلق یہود نے اختیار کیا اور ایک نظریہ ان کے متعلق نصاریٰ نے اختیار کیا یہود نے ان کے متعلق کیا نظریہ اختیار کیا؟ یہود نے ان کو شریف انسان ماننے سے بھی انکار کر دیا اور ان کی ماں پہ بھی تہمت لگائی یہود ان کی جان کے دشمن رہے جب انہوں نے نبوت کا اعلان کیا تو ان کو محرف توراۃ قرار دیا کہ یہ توراۃ کی تکذیب کرتا ہے اس کا باپ کوئی نہیں ماں کو متہم کیا ان کو برا کہا حتیٰ کہ جان کے پیچھے پڑ گئے اپنے خیال کے مطابق پکڑا، اپنے خیال کے مطابق انہوں نے قتل کیا۔

عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے

جس کی قرآن کریم نے صفائی دی کہ مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ☆ نہ اس کو قتل کر سکے نہ ان کو سولی دے سکے بلکہ اللہ نے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا یہ یہودی ان کی جان کے درپے ہو گئے، قتل کرنا چاہتے تھے، سولی دینا چاہتے تھے کوئی ان کے دل میں عیسیٰ بن مریم کا ادب واحترام نہیں تھا ان کو شریف انسان ماننے کیلئے تیار نہیں تھے ان کی ماں کے اوپر تہمتیں لگائیں اور ان کو مسیح ضلالت قرار دیا ابن مریم کے متعلق ایک گروہ تو یہ ہے جس کی نشاندہی قرآن کرتا ہے یہ تھے یہودی، کچھ آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے بات؟ ان کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ابن مریم کے گستاخ تھے، ابن مریم کے مکذب تھے، یہ ان کی نبوت کے بھی قائل نہیں تھے، اور ان کا کوئی ادب واحترام ان کے دل میں موجود نہیں تھا ایک تو یہ تھے۔

☆ (سورہ نساء۔ آیت ۱۵۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے عیسائیوں کے نظریے

اور دوسرا گروہ ..... ابن مریم کے متعلق جو پیدا ہوا وہ تھے ابن مریم پر ایمان لانے والے، ایمان لانے والوں نے ابن مریم کو کیا کہا؟ ابن مریم کے متعلق تین عقیدے قرآن کریم میں نقل کیے گئے ہیں

1. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ☆

کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے اور اللہ مسیح بن مریم کی شکل میں آ گیا کافر ہیں وہ لوگ جو یہ بات کہتے ہیں (سیدھے سیدھے الفاظ ہیں۔ کوئی ترجمے میں گڑبڑ تو نہیں کر رہا ہیں؟......

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا

البتہ کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ

کہ اللہ مسیح بن مریم ہی ہے ان کے متعلق قرآن کریم نے لقد کفر، پہلے کہا ہے عقیدہ بعد میں بتایا ہے یہ تو ایک عقیدہ ہوا

2. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ☆☆

ثالث ثلثہ یعنی تین میں سے ایک، جنہوں نے یہ عقیدہ رکھا وہ بھی کافر ہیں تو ثالث ثلثہ کا کیا مطلب ہے؟ یعنی توحید فی التثلیث

توحید فی التثلیث کا مطلب

وہ کہتے تھے کہ الوھیت کے تین حصے ہیں ان میں سے ایک اللہ ہے، اور

☆ (سورہ مائدہ۔ آیت ۷۲) ☆☆ (سورہ مائدہ۔ آیت ۷۳)

ایک مسیح بن مریم ہے اور تیسرے کے متعلق نصاریٰ کے دو فرقے تھے بعضے کہتے تھے مریم اور بعض کہتے تھے روح القدس، تین کو ملا کے ایک بنایا یعنی مسیح بن مریم یہ بھی حقیقت الوہیت کا ایک حصہ روح القدس یا مریم ان میں سے ایک، یہ بھی حقیقت الوہیت کا ایک حصہ اور اللہ خود یہ بھی حقیقت الوہیت کا ایک حصہ، تو یہ مل کر ہو کر ایک تھے ان میں سے ہر ایک ثالث ثلثہ تھے۔ اللہ بھی ثالث ثلثہ، مسیح بھی ثالث ثلثہ، مریم ثالث ثلثہ یا روح القدس ثالث ثلثہ، کیونکہ جب تین کا مجموعہ ہوا کرتا ہے تو ان میں سے ہر ایک تیسرا کہلاتا ہے جیسے دو کا مجموعہ ہو تو ان میں سے ہر ایک ثانی اثنین کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثانی اثنین کہلاتے ہیں، ابوبکر صدیق ثانی اثنین یعنی دو میں دوسرا ثانی اثنین، تو تین میں سے ہر ایک ثالث ثلثہ ہوتا ہے جب وہ تینوں کے مجموعے کو خدا بنائیں گے تو تینوں میں سے ہر ایک ثالث ثلثہ ہوا دو عقیدے یہ ذکر کئے ہیں۔

3۔ اور تیسرا عقیدہ قرآن کریم نے کہا

وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ☆

نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے تیسرا عقیدہ یہ نقل کیا ہے یا کہتے تھے مسیح اللہ کا بیٹا، یا کہتے تھے مسیح ثالث ثلثہ، یا کہتے تھے ان اللہ ھو المسیح بن مریم۔ یہ تین عقیدے آ گئے (قرآن کریم میں ہیں یہ تینوں باتیں؟ یہ کوئی جوش وخروش کا وعظ کہنا مقصود نہیں بیٹے! آپ لوگوں کو صحیح عقیدہ سمجھانا مقصود ہے اس لئے بات کو سمجھ کے چلو یہ تین باتیں آ گئیں؟ (جی ہاں)

☆ (سورہ توبہ۔ آیت ۳۰)

ابن اللہ والے عقیدے کے دو مطلب

البتہ تیسری بات کے متعلق یہ کہہ دوں کہ یہ جو ابن اللہ کہتے تھے تو ابن اللہ کہنے سے ان کی کیا مراد تھی بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ ان کے ابن اللہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ اللہ کے حقیقی بیٹے ہیں۔ جس طرح سے ایک عام انسان کا بیٹا ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا باپ کوئی نہیں جب ان کا باپ کوئی نہیں تو اللہ ان کا باپ ہے اور یہ اللہ کے بیٹے ہیں۔

یا ابن اللہ کہ کر مراد لیتے تھے...... کہ یہ اللہ کیلئے ایسے ہیں جیسے بیٹا ہوتا ہے اور بیٹا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے، باپ والی صلاحیتیں رکھتا ہے، باپ والی قدرتیں رکھتا ہے یعنی اللہ نے ان کو اپنا قائمقام بنا کے اپنے والی صفات ان میں منتقل کر دیں جیسا کہ باپ کی صفات بیٹے میں ہوا کرتی ہیں اور پھر وہ ایک ہی مانتے تھے اور کسی کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی؟ دو مطلب ہو گئے ابن اللہ کے

ان دو میں سے راجح مطلب اور دلیل

دونوں ہی غلط ہیں لیکن قرآن کریم کی ایک آیت سے معلوم یوں ہوتا ہے کہ زیادہ تر ان کا مقصود یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ واقعی ان کا باپ ہے اور مسیح اس کے بیٹے ہیں چونکہ ظاہر ان کا باپ کوئی نہیں لہذا اللہ ان کا باپ ہے۔ یہ عقیدہ ان کا زیادہ معلوم ہوتا ہے کہاں سے معلوم ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ایک جگہ اولاد کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَةٌ ☆

☆ (سورہ انعام۔ آیت ۱۰۱)

اللہ کیلئے بیٹا کیسے ہوسکتا ہے اس کی تو بیوی کوئی نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ بیوی کی نفی کرنے کے ساتھ جس اولاد کی نفی ہوا کرتی ہے وہ حقیقی اولاد ہوتی ہے ورنہ میں ایسے کسی بچے کو کہہ دوں کہ تجھے اپنا بیٹا بناتا ہوں تو یہاں یہ دلیل نہیں چلے گی کہ تیری تو بیوی ہے نہیں بیٹا کیسے ہو گیا اگر بیٹے سے متبنّیٰ مراد ہو قائمقام مراد ہو، تو اس کی تردید کرنے کیلئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ بیٹا کیسا ہو گیا اس کی تو بیوی ہے ہی نہیں، تو بیوی نہیں، بیٹا کیسے ہو گیا یہ بات وہاں بنے گی جب ایسا بیٹا مراد ہو جو بیوی سے پیدا ہوتا ہے معلوم ہوا کہ عیسائی ایسا بیٹا قرار دیتے تھے کہ جس بیٹے کے بیٹا ہونے کیلئے بیوی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو یہ تین عقیدے..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں سے نقل کئے گئے ہیں اب سمجھ گئے؟

عیسیٰؑ کا سب سے پہلا اعلان عبدیت کا تھا:

اچھا عیسیٰ علیہ السلام جس وقت پیدا ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بچپن کے اندر ان کو گویائی دی۔ بولنے کی طاقت دی تو سب سے پہلی بات جو عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلی تھی وہ کیا تھی؟ جب یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پاس آئے اور آ کے کہا کہ یہ بچہ تو کہاں سے لے آئی تیرا تو باپ بڑا اچھا تھا مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَءَ سَوْءٍ، تیرا باپ برا نہیں تھا مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا، تیری ماں بدکار نہیں تھی تو یہ بچہ کہاں سے لے آئی؟ تو حضرت مریم نے اشارہ کر کے کہا کہ اسی سے پوچھو، تو وہ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیسے پوچھیں كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا، ہم کیسے بات کریں اس سے جو ابھی گود میں بچہ ہے.... بچے سے بھی کوئی بات ہوا کرتی ہے یہ وہ گفتگو ہے جو اس وقت یہود اور حضرت مریمؑ کے درمیان میں ہوئی

قرآن نے صاف صاف نقل کی ہے وہ ابھی ماں سے جھگڑ ہی رہے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا☆

میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے، پہلی پہلی بات عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کہی تھی؟

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا

اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی ہے نبی بنایا ہے میں اللہ کا بندہ ہوں

حضورؐ کا اعلان عبدیت

کیا یہ لفظ ان لفظوں کے مطابق نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ اسلام نے اعلان فرمایا کہ...... فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ

دونوں کا مطلب ایک نہیں ہے؟ (ہے)

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے پہلا پہلا اعلان عیسیٰؑ نے اپنی ذات کے متعلق یہ کیا اور سرور کائنات بھی اعلان یہی فرماتے ہیں کہ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ میں تو اللہ کا بندہ ہوں عبداللہ ورسولہ کہا کرو تو عبداللہ و رسولہ اور اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا، دونوں کا مطلب ایک ہے۔

عیسیٰ علیہ اسلام نے بھی پہلے پہلا اعلان یہی کیا یعنی اپنی عبدیت کا، اور اپنی رسالت کا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ کا نبی ہوں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ اسلام نے بھی اعلان یہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ کا رسول ہوں، میری تعریف میں

☆ (سورہ مریم۔ آیت ۳۰)

کہیں اس طرح سے مبالغہ نہ کرنے لگ جائیو جس طرح سے نصاریٰ نے مریم کے بیٹے کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا فقرے دونوں برابر ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حیثیت بھی انہی الفاظ میں واضح کی، اور سرور کائناتؐ نے اپنا مقام بھی انہی الفاظ میں واضح کیا دونوں کے درمیان لفظوں کی تو مطابقت ہوگئی۔

امت محمدیہ میں عیسائی عقیدے کے لوگ

اور ادھر بار بار حضورؐ امت کو متنبہ کر رہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے طریقے پر نہ چلیو...... کہیں وہ کام نہ شروع کر دینا جو بنی اسرائیل کرتے تھے ان کی طرح تعریف میں مبالغہ نہ کرنے لگ جائیو اور اس ڈگر پہ نہ چل پڑیو اور یہ پیش گوئی کر دی کہ لوگ ایسا کریں گے ضرور، امت کے اندر ایسے افراد پیدا ضرور ہوں گے اب میں آپ کے سامنے یہ واضح کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی قوت فکریہ کو متحرک کرنا چاہتا ہوں کہ آپ امت کے متعلق غور کریں کہ امت کے اندر کن لوگوں کے خیالات عیسائی عقیدے کے ساتھ ملتے ہیں اور کن لوگوں کے خیالات اس جملے کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا تھا یا حضورؐ نے اعلان کیا۔ کوئی اس قسم کے فرقے ہیں؟ جن سے پتہ چلے کہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ اس امت نے بھی اپنایا ہے ذرا قوت فکریہ کو حرکت دیجیئے عیسائیوں نے کیا کہا؟

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

اللہ تو مسیح بن مریم ہیں اب اگر کوئی شخص یہ کہے (میں کسی کی تعین نہیں کرتا کہ فلاں کہتا ہے۔ ذرا بات کو اچھی طرح سے سمجھنا) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ

وہی جو مستوی تھا عرش پر خدا ہو کر
اتر آیا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

کہ جو عرش پر خدا تھا مدینے میں مصطفیٰ بن کے آ گیا اس عقیدے میں اور ان اللہ ھوالمسیح بن مریم کے درمیان کوئی فرق ہے؟ جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا یوں سمجھو کہ حضورؐ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ تم نصاریٰ کے طریقے پر چلو گے (یہود کا طریقہ پھر بتاؤں گا) تو یہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے اسلام کا عقیدہ نہیں بالکل صحیح لفظوں کے طور پر ملتا ہے۔

عینی شہادت

اور میں نے اپنے کانوں کے ساتھ، لوگوں کو نظمیں پڑھتے ہوئے سنا ہے کون پڑھ رہا تھا مجھے نہیں معلوم کس کی بنائی ہوئی ہے مجھے نہیں معلوم میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کے علم میں یہ بات آئے کہ کوئی اس قسم کی نظم پڑھ رہا ہے کہتا ہے کہ

میم کا برقعہ پہن کے آ گئے

(مجھے شعر تو یاد نہیں) میم کا نقاب اوڑھ کے آ گئے...... حقیقت کے اعتبار سے احد تھا میم کا پردہ ڈال کے احمد بن گئے اور میم کے پیچھے چھپ گئے ...... اصل کے اعتبار سے احد تھے یہ برقعہ میم والا پہن لیا پہننے کے بعد گویا کہ لوگوں کو مغالطہ ہو گیا وہ سمجھتے رہے کہ احمد ہیں حقیقت میں احد تھا یہ صرف ایک میم کی مروڑی کا فرق ہے اور لوگ مغالطے میں پڑ گئے ورنہ تو تھا احد ہی...... اگر یہ کوئی عقیدہ رکھے، اگر اس قسم کی کوئی بات کہے (یہ نظم ہے اسی مضمون کی میں نے پڑھتے ہوئے سنی ہے میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے تو اس قسم کی نظمیں لوگ پڑھتے ہیں تو جو شخص یہ نظم پڑھے

گا اور یہ کہے گا کہ صرف میم کا فرق ڈال دیا اس لئے تا کہ لوگوں کے سامنے پردہ پڑ جائے تو کیا ان اللہ ھوالمسیح بن مریم اور اس عقیدے کے درمیان کوئی فرق ہے؟ تو جس نے عقیدہ اختیار کیا وہ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ ..... پر چل پڑا یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے اسلام کا نہیں..... سمجھ گئے؟ (جی)

گمراہی کی انتہاء

پھر صرف حضورؐ کی طرف ہی نہیں جب انسان گمراہی میں داخل ہو جاتا ہے پھر کہیں حد بندی نہیں ہوا کرتی بعض لوگ جاہل (کوئی اہل علم نہیں) جاہل قسم کے لوگ اس قسم کی باتیں بھی کرتے ہیں

چاچڑ وانگ مدینہ ڈسدا کوٹ مٹھن بیت اللہ

ظاہر وچ پیر فریدن باطن وچ اللہ

کچھ اس قسم کا بھی ہے شعر جو پڑھتے ہیں یہ اسی عقیدے کی ترجمانی ہے جس کو میں کہہ رہا ہوں کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے بھیس میں آ گیا دوسرا لباس پہن کے آ گیا حقیقت کے اعتبار سے وہ اللہ ہی ہے لیکن لوگوں کے سامنے پردہ ڈالنے کیلئے ایک صورت بنا لی تو یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں یہ بالکل وہی عقیدہ ہے جو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ اسلام کے متعلق اختیار کیا..... قرآن نے جس کو صراحت کے ساتھ بیان کیا۔

عیسائیوں کے دوسرے عقیدے کا ثبوت

اچھا..... دوسرا عقیدہ عیسائیوں نے جو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنایا کہ ایک حقیقت مرکبہ ہے اور اس کا ایک جزء ہیں عیسیٰ علیہ السلام۔ اقانیم ثلثہ کہتے ہیں

یہ ان کا فلسفہ ہے کہ اقانیم ثلثہ مل کر واحد بنتا ہے اور اس میں سے ثالث ثلثہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں، ثالث ثلثہ اللہ ہے اور ثالث ثلثہ بعض کے نزدیک مریم، بعض کے نزدیک روح القدس۔ جس عقیدے کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان پر بھی کافر ہونے کا حکم لگایا ہے ثالث کہنے والے ان کے متعلق بھی کہا کہ یہ کافر ہوگئے اور ان کی بات نقل کر کے آگے ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ' کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے متعلق یہ عقیدہ کیسے بنا لیتے ہیں کہ یہ الٰہین ہیں یہ تو دونوں کھانا کھایا کرتے تھے چنانچہ یہ الٰہین کا عقیدہ عیسائیوں کی طرف قرآن نے منسوب کیا ہے:

أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاس ☆

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا

اِتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کہ اللہ کے علاوہ ہم دو کو خدا بناؤ مجھے بھی اور میری ماں کو بھی..... کیا تو نے کہا تھا؟ یہ سوال کریں گے عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ، تو عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جو خلاف واقعہ ہے

مَا كَانَ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ

جس بات کے کہنے کا حق نہیں تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں تو معلوم ہو گیا کہ الٰہین کا عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کے متعلق یہ بھی تھا۔

☆ (سورہ مائدہ۔ آیت ۱۱۶)

قرآن کریم سے تردید اور اس کی وضاحت

تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یہ تو دونوں کھانا کھاتے تھے یہ الٰہین کیسے ہو گئے اب یہ دیکھنے میں لفظ ایک معمولی سا ہے کھانا کھاتے تھے کبھی کھانا کھانے والا بھی کبھی خدا ہو سکتا ہے جو کھانا کھائے گا اس کا مطلب ہے کہ وہ پوری کائنات کا محتاج ہے کھانا کوئی معمولی چیز نہیں ہے کھانا کھانے والا شخص پوری کائنات کا محتاج ہے وہ پانی کا محتاج ہے، وہ آگ کا محتاج ہے، وہ ہوا کا محتاج ہے، وہ لوہے کا محتاج ہے کھانا پیدا کرنے کیلئے اس کو کتنی چیزوں کو استعمال کرنا پڑے گا تب جا کے کھانا تیار ہوتا ہے بارش نہیں پڑے گی کھانا نہیں ملے گا، سورج کی روشنی نہیں ہوگی کھانا تیار نہیں ہوگا چاند نہیں ہوگا کھانا تیار نہیں ہوگا پوری کائنات کے اثرات کے بعد تو کھانا تیار ہوتا ہے تو جو آدمی کھانے کا محتاج ہے یوں سمجھو کہ وہ پوری کائنات کا محتاج ہے اور پھر کھانا کھانے کے بعد جو فضلات نکلتے ہیں وہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ خدا کو بھی قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آتی ہے؟ کھانا کھانے کے بعد کیا اثرات ہوا کرتے ہیں؟ تو کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَام یہ لفظ اتنا صاف ستھرا بولا ہے کہ جن کی یہ کیفیت ہو کہ وہ روٹی کا محتاج ہے پانی کا محتاج ہے وہ بھی اللہ ہو سکتا ہے.... بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت مرکبہ قرار دے کر اس کے کسی جزء کو الٰہ قرار دینا یہ بھی عیسائیوں کا طریقہ ہے یہ اسلام کا طریقہ نہیں بات سمجھ میں آ گئی؟

عیسائیوں کے دوسرے عقیدے کے لوگ امت محمدیہ میں

اس لئے جو جاہلیت کے طور پر لوگ یوں کہتے ہیں نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ کہ آپ بھی اللہ کے نور کا ایک حصہ ہے اللہ کے نور کا جزء ہیں اگر کوئی جاہل اس قسم کی

بات کہتا ہے تو اس کے در پردہ بھی عیسائیوں والا عقیدہ ہے کہ اللہ ایک حقیقت مرکبہ ہے اور بعض چیزیں اس کے جزء کے طور پر ہیں اور اس کا ایک جزء حضور بھی ہو گئے تو یہ عقیدہ عیسائیوں والا ہے یہ اسلامی عقیدہ نہیں نور من نور اللہ کہنا کہ اللہ کے نور میں سے نکلا ہوا نور، اللہ کے نور کا حصہ اگر کوئی جاہل ایسا کہتا ہے (میں کسی کی تعیین کر کے نہیں کہتا کہ فلاں کہتا ہے) اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو گویا کہ اس نے بھی اللہ کو ایک حقیقت مرکبہ مان لینا اور اس کے بعد اللہ کو ذو اجزاء مان لینا.... ذو اجزاء مان لینے کے بعد اس میں سے ایک جزء کو اللہ کا رسول قرار دے دیا تو یہ بھی (اللہ تعالیٰ کا تجزیہ اور اللہ کے کسی جزء کو اللہ کا مقابل ماننا، یہ عقیدہ بھی در پردہ حقیقت کے اعتبار سے عیسائیوں کے اسی عقیدے کی ترجمانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اجزاء نہیں ہو سکتے

اللہ تعالیٰ ایسی حقیقت ہیں جس کے اجزاء نہیں ہو سکتے آپ نے منطق کے اندر پڑھا ہو گا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ جو چیز اجزاء سے مرکب ہوا کرتی ہے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہوتی، جب تک اجزاء اکٹھے نہیں ہوں گے بنے گی نہیں، جب اجزاء بکھر جائیں گے فنا ہو جائے گی تو وہ حادث ہوا کرتی ہے قدیم نہیں ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ کو ذو اجزاء قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اللہ کو ذو اجزاء قرار دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اللہ کو حادث سمجھتے ہیں قدیم نہیں مانتے اور اس عقیدے کے کفر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

عیسائیوں کے تیسرے عقیدے کی وضاحت

دو باتیں ہو گئیں؟ تیسری بات کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا بنا لیا.... بیٹا جس

طرح سے باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسے باپ والی پوری کی پوری قدرتیں حاصل ہوتی ہیں یہ عقیدہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنایا...اور ساتھ ساتھ اس بات کو یاد رکھیے...بیٹا باپ کی مخلوق نہیں ہوتا...آپ لوگ اپنے باپ کی مخلوق ہیں یا اللہ کی مخلوق ہیں؟ (اللہ کی) تو گویا کہ خلق کے دائرے سے نکال کر اس کو اللہ کے برابر کھڑا کر دیا...جیسے اللہ غیر مخلوق، اسی طرح یہ بیٹا اللہ کا مخلوق نہیں ہے (کیونکہ بیٹا باپ کا مخلوق نہیں ہوتا یہ آپ کو بات معلوم ہونی چاہیے) تو اللہ کی خلق میں سے نکال کے اس کو اللہ کے مساوی بنا لیا....جس نے اللہ کے کسی بیٹے ہونے کا عقیدہ بنایا گویا کہ اس کو باپ کی صفات کے ساتھ حامل بنا کر...وہی اختیارات اس کیلئے ثابت کر دیے جو باپ کیلئے تھے یہ عقیدہ بھی عیسائیوں کا عقیدہ ہے اسلام کا عقیدہ نہیں۔

عیسائیوں کے تیسرے عقیدے کے لوگ امت محمدیہ میں

اس لئے جو شخص سرور کائنات کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ نے ان کو اپنا قائمقام بنا کر سب کچھ سپرد کر دیا اور جو کچھ اختیارات اللہ کے پاس تھے وہ دے دیئے اپنا علم دے دیا، اپنی قدرت دے دی، اپنا تصرف دے دیا....باپ جن صفات کا حامل تھا بیٹا بھی اسی قسم کی صفات کا حامل ہو گیا تو چاہے بیٹے کا لفظ بولے یا نہ بولے حقیقت کے اعتبار سے یہ بھی عیسائی عقیدے کی ترجمانی ہے یہ اسلام کا عقیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا قائمقام نہیں بنایا کہ اپنا سارے کا سارا علم اس کے سپرد کر دیا ہو، اپنی قدرت اس کی طرف منتقل کر دی ہو، اپنا تصرف اس کو دے دیا ہو کہ جس طرح سے چاہے کائنات میں تصرف کرے اگر کوئی جاہل اس قسم

کی بات کرے تو ہم کہیں گے یہ اسلامی عقیدہ نہیں یہ جاہلی عقیدہ ہے۔ تو یہ تین باتیں آپ کے سامنے آ گئیں صحیح عقیدہ اختیار کرنے کیلئے پہلے ان تین باتوں کو ذہن میں راسخ کرو۔

ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ اور عیسائی نظریہ

اچھا..... آگے ایک تھوڑی سی بات اور کردوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت 25 دسمبر کو ہوئی تھی دسمبر کا آخری ہفتہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا مانتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ پوری عیسائی دنیا یہ پورے کا پورا ہفتہ بطور جشن کے مناتی ہے جس کو یہ بڑے دن کہتے ہیں (حالانکہ وہ بڑے دن نہیں ہوتے پورے سال میں سے سب سے چھوٹے دن ہوتے ہیں) ہمارے ہاں اسکولوں میں کہا جاتا ہے کہ بڑے دنوں کی چھٹیاں ہیں وہ بڑے دن عظمت کے اعتبار سے ہوتے ہیں کیونکہ وہ عیسائیوں کے نزدیک عظیم دن ہیں جس ہفتے کے اندر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے پوری عیسائی دنیا کے اندر وہ ہفتہ چھٹی کا ہوتا ہے اور یہ ہفتہ وہ جشن کے ساتھ مناتے ہیں پوری عیاشی کے ساتھ مناتے ہیں اور فسق وفجور کا کوئی شعبہ باقی نہیں رہتا جو ان دنوں میں یہ عیسائی اختیار نہیں کرتے اور یہ خوشیاں مناتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی۔

دسمبر میں ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام قطعاً نہیں

اب وہ دسمبر کی 25 تاریخ کو پیدا ہوئے تھے یا نہیں ہوئے تھے...اس کا کوئی ثبوت نہیں...ایک دفعہ بہاولپور حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے

درس میں مجھے شرکت کرنے کا موقع ملا وہ شیخ التفسیر تھے جامعہ عباسیہ میں، اس دن اتفاق سے وہ سورہ مریم کا درس دے رہے تھے فرمانے لگے کہ یہ عیسائی جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام 25 دسمبر کو پیدا ہوئے تھے ہمارے قرآن وحدیث کی روشنی سے یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کیوں غلط معلوم ہوتی ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت مریم سے کہا تھا۔

وَهُزِّىٓ اِلَيۡکِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡکِ رُطَبًا جَنِيًّا☆

کہ تجھے کھانے کی ضرورت پیش آئے تو کھجور کے تنے کو ذرا ہلانا تو اوپر سے کھجوریں گریں گی اچھی اچھی کھجوریں کھا اور چشمے کا پانی پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر (سورۃ مریم میں یہ لفظ ہیں یا نہیں؟) اور اگر کوئی تجھ سے بات کرے تو تو کہہ دینا کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے میں بات نہیں کروں گی تو پھر اللہ تعالیٰ خود سنبھال لیں گے جس طرح سے آگے مضمون آیا ہوا ہے۔

فرمانے لگے کہ روئے زمین پر کسی جگہ بھی دسمبر کے مہینے میں کھجوروں کو پھل نہیں لگا ہوا ہوتا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ وہ موسم کھجوروں کا تھا اس لئے کہا کہ کھجور کے تنے کو ہلا اوپر سے کھجوریں گریں گی وہ کھا لینا، معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایسے موسم میں ہوئی تھی جو کھجوروں کا تھا اور روئے زمین پر دسمبر میں کہیں بھی کھجوروں کو پھل نہیں لگتا۔ تو قرآن کے مطابق یہ بات غلط معلوم ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت دسمبر میں ہوئی تھی۔ تاریخ کی کوئی تعین نہیں ہے ان عیسائیوں نے اپنے طور پر تاریخ متعین کر کے دسمبر کا آخری ہفتہ پورا جشن کے ساتھ منایا اور پوری روئے زمین پر عیسائی اس ہفتے میں جشن مناتے ہیں۔ ارے بات سمجھے؟

☆ (سورہ مریم۔ آیت ۲۵)

سرورِ کائناتؐ کی تاریخِ ولادت

تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس مہینے میں تھی، کس تاریخ میں تھی، کس دن میں تھی یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے اس وقت چونکہ ان باتوں کی اہمیت نہیں تھی میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اس میں بڑی اختلافی روایتیں ہیں کوئی تعیین نہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ بارہ کو وفات ہوئی تھی اور اکثر محققین کا قول یہ ہے کہ ولادت 9 ربیع الاول کو تھی۔

تاریخِ ولادت پر جشن اور بنی اسرائیل سے مشابہت

جیسی بھی ہے بہرحال ان دنوں کو جشن کے طور پر منانا، ... یہ وہی بات ہے، .... جو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت پر وہی حالات آئیں گے جو پہلی امتوں میں ہیں یہ آخرکار آ کے وہی حالات اب شروع ہو گئے جس طرح سے بنی اسرائیل نے خاص طور پر نصاریٰ نے اپنے نبی کی ولادت کے دن کو بطور جشن کے منایا اور پوری خرافات کے ساتھ منایا اس طرح سے اس امت کے اندر بھی ایسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں کہ ولادت کی تاریخ اپنے طور پر طے کر کے۔ اس کو اس طرح سے منانا شروع کر دیا جس طرح سے کہ میلے منائے جاتے ہیں۔

حالات گواہی دیتے ہیں:

ابھی انتظار کیجیے، جتنی شدت اور تیزی کے ساتھ یہ خرافات شروع ہو رہی ہیں جس طرح سے بزرگوں کے نام پہ میلے ہوتے ہیں، وہاں اونٹوں کی لڑائیاں ہوتی ہیں، وہاں کتوں اور ریچھوں کی لڑائیاں ہوتی ہیں، وہاں سرکس آتے ہیں،

وہاں ٹھیٹھریں آتی ہیں، وہاں بندر نچائے جاتے ہیں سارے کے سارے کام بزرگوں کے نام پر ہوتے ہیں، اب آہستہ آہستہ یہ پیر جیون کا میلہ بن جائے گا اور یہاں بھی اسی طرح سے 12 ربیع الاول کو تماشے ہوا کریں گے۔ آج 12 ربیع الاول ہے آج ریچھ کتے لڑیں گے، آج 12 ربیع الاول ہے اونٹوں کی لڑائی ہوگی، آج 12 ربیع الاول ہے آج مرغ لڑائیں گے، آج 12 ربیع الاول ہے کبوتر اڑائیں گے، آج 12 ربیع الاول ہے بٹیر لڑائیں گے تو 12 ربیع الاول کے نام پر جشن جس صورت میں منائے جا رہے ہیں اگر پوری طرح سے عیسائیت کا چربہ اس میں نہ آگیا تو کہہ دینا یہ حضور کی اس پیش گوئی کے تحت حالات بدلتے جا رہے ہیں اور دانستہ نادانستہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر، کوئی سمجھانے کی کوشش بھی کرے تو سمجھنے کیلئے کوئی تیار نہیں ...... اندھا دھند اپنی خواہشات کے پیچھے لگے جا رہے ہیں۔ اور مختلف چیزوں کی مثالیں غار کی مثال، مقبرے کی مثال، روضے کی مثال، اونٹ کی مثال یہ مثالیں بنا بنا کے وہ صورت پیدا ہو جائے گی کہ جب پھر موحدین کہا کریں گے

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ

یہ کیا مثالیں تم بنا کے بیٹھ گئے ہو مثال میں بھی کبھی کوئی حقیقت آیا کرتی ہے اور تم یہی مقبرے بنا کے ان کے ارد گرد کھڑے ہو کے درود شریف پڑھو گے اور یہی ساری قسم کی صورتیں بنا کے تم وہی حقیقت اپناؤ گے تو پھر وہی بات ہو جائے گی جیسے ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا ما هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ ، یہ تم نے مثالیں کہاں سے بنالیں جنکے اوپر تم جم کے بیٹھ گئے اور تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ کہ ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا تھا ایسے ہی کرتے تھے لہذا ہم بھی کرتے آ رہے ہیں نہ علمی دلیل ان کے پاس تھی نہ تمہارے پاس۔ اس لئے یہ صورتحال

جو بنتی جارہی ہے یہ بھی سرورکائنات صلی اللہ علیہ اسلام کی اس پیش گوئی کے تحت ہے کہ میری امت میں بھی ایسے حالات ہوجائیں گے جس طرح سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں۔

حدیث میں یہود کا ذکر کیوں نہیں؟

اس لئے صحیح طریقہ (اب اگلی جو حقیقت میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں) یہ عقیدے تو غلط ہو گئے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدہ کیا تھا یہود نے گستاخی کی وہ ان کی صحیح شان بھی نہ پہچان سکے۔ وہ الفاظ کی طرف چلے گئے یہ تفریط کی طرف چلے گئے اور چونکہ زیادہ تر ماننے والے افراط کی طرف جایا کرتے ہیں اس لئے حضورؐ نے اس روایت میں یہود کا ذکر نہیں کیا۔ عیسائیوں کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے اگرچہ حضورؐ کے متعلق یہود والے عقیدے بھی لوگوں نے بنائے۔

رسالت کے بارے میں یہود کا طرز عمل

یہود کی کیا خصلت تھی؟ کہ جو مرضی کے خلاف بات ہوئی وہ نہیں مانی نبی کہنے والا کیوں نہ ہو چاہے نبی یوں کیوں نہ کہے کہ اللہ یوں کہتا ہے تو بھی کہتے کہ تو مذاق کرتا ہے نہ کوئی عظمت ہے، نہ کوئی اطاعت ہے، نہ کوئی ماننے والی بات ہے یہود کا طرز عمل یہی نقل کیا گیا ہے قرآن کریم میں۔

طرز یہود کے حامل امت محمدیہ میں

یہ عقیدے بھی لوگوں نے بنائے کہ حضورؐ کی عظمت کو صحیح نہیں محسوس کیا۔ ایسے ایسے عقیدے اختیار کر لئے ایسے ایسے طرز عمل اختیار کر لئے جو حضورؐ کی شان رفیع کے خلاف ہیں۔ اب یہ بھی تو کسی ملعون کا قول ہے... جو کہتا ہے کہ مجھے قبر

کھولنے کی اجازت دو تو میں چونڈی بھروں تو چونڈی بھرنے کے بعد اگر آپ جھرجھری لے لیں تو معلوم ہو جائے گا آپ زندہ ہیں ورنہ زندہ نہیں ہیں اس منحوس سے کوئی پوچھے کہ چونڈی تو تو اپنے باپ پہ بھرے تو گستاخی، ماں پہ بھرے گستاخی، استاد پہ بھرے گستاخی، پیر کے بھرے گستاخی، سرور کائناتؐ کے متعلق ایسا تصور کر کے کوئی کہتا ہے میں چونڈی بھروں یہ وہی یہودیوں والی بات ہے... یہ مسلمانوں والی بات نہیں کہ جن کے دل میں کوئی کسی قسم کی عظمت نہیں اور جن کے دل میں کوئی کسی قسم کا احترام نہیں، جیسے وہ کفر ہے اس طرح سے یہ بھی کفر ہے شان میں گستاخی اور آپ کی شان کو گرانا یہ بھی کفر ہے جس طرح سے حد سے بڑھانا یہ کفر ہے۔

اگلی بات کہ پھر صحیح منصب کیا ہے؟، صحیح مقام کیا ہے؟، صحیح عقیدہ کیا ہے؟ یہ عبداللہ و رسولہ کہہ کے ہمیں کیا بتایا گیا ہے کہ ہماری تعریف کرنے کیلئے حدود کیا ہیں؟۔ یہ سرور کائناتؐ نے اپنی تعریف کی حد بتائی ہے کہ میری جب تعریف کرو دو باتوں کی رعایت رکھو میں عبد بھی ہوں میں رسول بھی ہوں کسی گھٹیا انداز سے ذکر نہ کرنا یہ میرے رسول ہونے کے منافی ہے اور ایسے انداز میں میری تعریف نہ کرنا کہ خدائی کا شبہ پڑنے لگ جائے یہ میری عبدیت کے منافی ہے یہ دو حدیں متعین کر دیں کہ عبد اور رسول دو باتوں کا لحاظ رکھ کے جو تعریف کرلو گنجائش ہے اس لئے اب سرور کائناتؐ کا صحیح مقام متعین کرنے کیلئے کہ آپؐ کا صحیح مقام کیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام کیا تھا، اور آپ کے حقوق کیا ہیں اور ہم حضورؐ کو کیا سمجھیں، کس طرح سے اپنائیں یہ مضمون تھوڑی تفصیل چاہتا ہے تو انشاء اللہ العزیز اس کی تکمیل پھر اگلے بیان میں کریں گے یہ ابھی تمہید ہوگئی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

تصورِ رسالت

بموقع ۸ ہفتہ واراصلاحی بیان

بمقام ۸ جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ ۲۰ ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ

تصور رسالت

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ ☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

☆(بخاری ۱/۴۹۰)

گزشتہ بیان کا خلاصہ:

گزشتہ بیان میں یہی روایت آپ کے سامنے تلاوت کی تھی کہ سرور کائنات نے فرمایا میری تعریف میں اس طرح سے مبالغہ نہ کرنا جس طرح سے نصاریٰ نے مریم کے بیٹے کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں تو عبداللہ ورسولہ کہا کرو۔ اسکی تشریح کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے متعلق یہی اعلان فرمایا تھا.... اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا☆..... عیسیٰ علیہ السلام کی پہلی گفتگو جو اللہ نے نقل کی ہے وہ یہی ہے۔ اس اعلان کے باوجود عیسائیوں نے انہیں اللہ کہا...... اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ بْنُ مَرْیَمَ ☆☆ عیسائیوں نے انہیں ابن اللہ کہا۔ وَقَالَتِ النَّصَارٰی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ۔☆☆☆ اور عیسائیوں نے انہیں ثالث ثلثہ کہا۔

عقیدہ عیسائیت کی وضاحت:

ان عیسائیوں کے عقیدے کی تفصیل عرض کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سختی کے ساتھ منع کیا ہے کہ عیسائیوں کی نقل نہ اتارنا.... نصاریٰ کی نقل نہ اتارنا.... کہ جس طرح انہوں نے مریم کے بیٹے کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا۔ تو سرور کائنات کے متعلق ایسے ایسے عقیدے رکھنا عیسائیوں کے عقیدے کا چربہ ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو متنبہ فرمایا کہ ایسا نہ کرنا۔ اس کی تفصیل پچھلے بیان میں آپ کے سامنے آئی تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس بات کو واضح کیا تھا کہ سرور کائنات ﷺ

☆ (سورہ مریم آیت ۳۰) ☆☆ (سورہ مائدہ آیت ۷۲) ☆☆☆ (سورہ توبہ آیت ۳۰)

نے اپنی امت کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے طریقے پر نہیں چلنا اور پیش گوئی کی تھی کہ لوگ اپنی جہالت کی بناء پر یہ طریقہ اپنائیں گے اور یہود و نصاریٰ کے طریقے پر چلیں گے۔ اور پھر عیسائی اور یہودیوں کی مطابقت کرتے ہوئے قوم نے کیا کچھ نہیں کیا؟...... لمبی تفصیل ہے لیکن کچھ باتیں گزشتہ بیان میں آپ کے سامنے ذکر کی گئی تھیں۔

آج کے بیان کا مقصد:

آج یہ ذکر کرنا مقصود ہے کہ تعریف میں مبالغہ تو ٹھیک نہیں جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا اس سے تو حضور نے منع فرمایا کہ میری تعریف ایسے نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے مریم کے بیٹے کی تعریف کی۔ میں تو عبداللہ ہوں میں تو اللہ کا بندہ ہوں تو یہی کہا کرو۔ عبداللہ و رسولہ

کلمہ شہادت میں حضور کی عبدیت کا ذکر:

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی اور اسی تلقین کی بنیاد پر (آپ دیکھ رہے ہیں کہ) اسلام میں داخل ہونے کے لئے جو کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ مسلمان بننے کے لئے جس کلمے کو زبان سے ادا کیا جاتا ہے وہ ایک تو الفاظ ہیں بنیادی **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔

اور دوسرے نمبر پر جو کلمہ پڑھایا جاتا ہے کسی کو مسلمان کرنے کے لئے بلکہ اصل کے اعتبار سے وہی ہے۔ جس کو ہم شہادتین کہتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے... جن میں سے پہلی بات ہے شہادتین۔ **شہادۃ ان لا الٰہ وشہادۃ ان محمداً رسول اللہ**۔ اس بنیاد پر ہم جو دوسرا کلمہ پڑھتے ہیں اس کلمے میں یہی لفظ

ہیں اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ ۔ تشہد کے اندر آپ پڑھتے ہیں تو کیا پڑھتے ہیں؟...... تو کلمہ شہادت ہم جس کو کہتے ہیں جو اپنے ایمان کے اظہار کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کو اسلام میں داخل کرنا ہو تو مسلمان بنانے کے لئے جو کلمہ پڑھایا جاتا ہے ہم بنیادی طور پر جس کلمے کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ وہ ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں معبود صرف اللہ ہے...... دوسرا جزء ہے واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔

یعنی جو سرورکائنات ﷺ نے فرمایا کہ انما انا عبداللہ میں اللہ کا بندہ ہوں تم کہا کرو عبداللہ ورسولہ اسلام کے اندر اس بات کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگئی مسلمان ہونے کے لئے یہ اقرار کرنا ضروری ہوگیا کہ اللہ کے علاوہ الہ کوئی نہیں۔ جیسے انہوں نے کہا کہ ان اللہ ھو المسیح بن مریم۔ اس کی جڑ تو یہاں کاٹ دی لا الہ الا اللہ اللہ کے علاوہ الہ کوئی نہیں کسی کے لئے الہ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاسکتا اور دوسرے نمبر پر عقیدہ...... یہ تلقین کیا گیا...... واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ۔ تو عبدہ ورسولہ یہ ہمارے ایمان کی...... ہمارے اسلام کی بنیاد ہے۔

تشہد میں حضور ﷺ کی عبدیت کا ذکر:

نماز ہم پڑھتے ہیں۔ کتنی نمازیں ہم پڑھتے ہیں۔ کتنی دفعہ تشہد پڑھتے ہیں۔ ہر تشہد کے اندر ہر مسلمان کی زبان پر یہ بات جاری ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ...... تو سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے

متعلق عبدیت کا عقیدہ پہلے ہے رسالت کا عقیدہ بعد میں اور دونوں عقیدوں کو سنبھال کے رکھنا یہ ہے اصل کے اعتبار سے صحیح ایمان۔

اگر یہود و نصاریٰ نے لغزش کھائی ہے تو ان دونوں جزؤں کے اندر ہی لغزش کھائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کے طریقے پر نہ چلنا اور ساتھ ساتھ یہ پیش گوئی کر دی کہ میری امت یہود و نصاریٰ کے طریقے پر چلے گی اور جیسے جیسے عقیدے انہوں نے گھڑے۔ جیسی جیسی باتیں انہوں نے بنائیں میری امت بھی بنائے گی اور اتنی شدت کے ساتھ مطابقت کا اظہار فرمایا کہ اگر وہ گوہ کی کھڈ (بل) میں گھسے تھے.. تو یہ بھی ان کے پیچھے گوہ کی کھڈ (بل) میں گھسیں گے۔ اور اگر ان میں کوئی ایسا آدمی ہوا جو اپنی ماں کے پاس اعلانیہ آتا تھا تو میری امت کے اندر بھی ایسے لوگ ہوں گے یعنی یہود و نصاریٰ کی نقل ایسی اتاریں گے کہ کسی بات میں پیچھے نہیں رہیں گے جس طرح جوتا جوتے کے مطابق ہوتا ہے میری امت یہود و نصاریٰ کی اس طرح سے نقل اتارے گی۔

یہود و نصاریٰ کی نقالی ہماری قوم میں:

آپ تو بچے ہیں۔ تفصیلی طور پر حالات آپ کے سامنے نہیں ہیں۔ کہ ہماری قوم نے عیسائیت اور یہودیت کی نقالی کس درجہ میں کی ہے۔ اندر سے لے کر باہر تک کیا کیا عادتیں یہود و نصاریٰ کے طریقے کے مطابق اپنائی ہیں شکل بگاڑ لی۔ لباس بگاڑ لیا۔ رہنا سہنا بگاڑ لیا۔ ہر چیز کو بگاڑ کے رکھ دیا۔ یہ اسی نقالی کا نتیجہ ہے۔

عیسائیوں نے داڑھی منڈانی شروع کی ہماری قوم نے داڑھی منڈانی شروع کر دی۔ عیسائیوں نے سر کے بالوں کی ایک ہیئت اختیار کی ہمارے لوگوں نے وہی

ہیئت اختیار کر لی۔

عیسائیوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا ہماری قوم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔

عیسائیوں نے کھڑے ہو کر کھانا شروع کیا ہماری قوم نے کھڑے ہو کر کھانا شروع کر دیا۔

کتنی باتیں ہیں جن میں ہماری قوم نے یہود و نصاریٰ کی نقل اتاری ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا۔

علامہ اقبال مسلمانوں کی حالت کی ترجمانی کرتے ہیں:

علامہ اقبال نے (ایسے ہی ذہن میں بات آ گئی) جوابِ شکوہ کے اندر ایک شعر ہے اس میں یہی نقشہ اتارا ہے گویا اللہ کی طرف سے ہمیں جواب ملتا ہے...... اصل میں جب شکوے کے طور پر علامہ اقبال نے پہلے یہ بات کہی کہ مسلمان ذلیل کیوں ہیں۔ پھر جواب کے طور پر انہوں نے جو باتیں کہیں ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ

شکل میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یعنی شکلیں تم نے عیسائیوں جیسی بنالیں ...... کہ عیسائی پھر رہا ہو اور مسلمان پھر رہا ہو تو پتہ نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی.... کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا اور رہنا سہنا تمہارا سارا ہندوؤں جیسا ہو گیا۔ رسمیں تمہارے اندر ساری ہندوؤں والی آ گئیں۔

تم مسلماں ہو جن کو دیکھ کے شرمائیں یہود

علامہ اقبال کا یہ شعر اسی معاشرے کی ایک قسم کی تصویر ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
تم مسلماں ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تو یہ نقالی ہے جس میں آ کر مسلمان نے۔

اپنی شکل بگاڑ لی۔

اپنا رہنا سہنا بگاڑ لیا۔

اپنی صورت بگاڑ لی۔

اپنی عادات بگاڑ لیں۔

یہ اتباع ہے نصاریٰ اور یہود کی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا کہ میری امت کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن ساتھ پیش گوئی کے طور پر کہا کہ جہالت کی وجہ سے میری امت کے اندر لوگ ایسا کریں گے۔

تو یہ عقیدہ ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ۔ ہماری زبان کے اوپر یہی کلمہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا اقرار ہم پہلے کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہم بعد میں کرتے ہیں۔

عبدیت حضور ﷺ کے لئے کمال ہے:

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان معجزے کا ذکر فرمایا جو کہ معراج کہلاتا ہے۔ چونکہ اس میں بہت عظیم الشان واقعات پیش آئے

اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اظہار کیا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے عبد کو لے گئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا اظہار وہاں بھی کیا

اور خود قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا معجزہ ہے کہ جس کی مثال نہیں۔ جن وانس اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے۔ چیلنج کیا گیا کہ اس جیسی ایک سورۃ بنا کے دکھا دو۔ جب اس عظیم الشان معجزے کا ذکر کیا تو بھی یہی کہا وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ۔ (بقرہ آیت ۲۳) جو کچھ ہم نے اپنے عبد پر اتارا ہے اگر تمہیں اس بارے میں کوئی تردد ہے تو تم اس جیسا بنا کے لے آؤ۔ تو قرآن کریم کے معجزے کا ذکر کرتے ہوئے بھی حضور ﷺ کی عبدیت کا اعلان کیا۔

حضور ﷺ کی تعریف میں حد بندی:

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ تو آپ نے یہ دو لفظ بول کر اپنی تعریف کی حد بندی کر دی۔ کہ میری تعریف کرو لیکن ان دونوں حدوں کے اندر رہتے ہوئے.....

نہ تو میرے متعلق ایسی بات کہنا جو عبدیت کے منافی ہو۔ کہ مجھے عیسائیوں کی طرح الوہیت کی طرف لے جاؤ۔ میرے لئے خدائی صفات ثابت کرنی شروع کر دو۔ اگر میری طرف کوئی خدائی صفت منسوب کرو گے تو تم نے میری عبدیت کی رعایت نہیں رکھی۔ تو میں اللہ کا بندہ بھی ہوں تعریف کرتے ہوئے عبدیت کی رعایت رکھو۔

اور میرا ذکر ایسے گھٹیا انداز میں بھی نہ کرنا جس طرح سے عام انسان کا کیا جاتا ہے

کیونکہ میں صرف عبد ہی نہیں اللہ کا رسول بھی ہوں۔ اس لئے رسول ہونے والی عظمت بھی باقی رکھنا۔

تو افراط وتفریط دونوں طرف سے پابندی لگا دی نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایک عام انسان کی طرح کیا جائے۔ جس طرح سے جب کسی کی عظمت نہیں ہوتی ایک عام انسان ہونے کی حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے اگر کوئی ایسا ذکر کرے گا تو اس نے رسالت والی عظمت باقی نہیں رکھی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خدائی صفات کو منسوب کرنا شروع کر دیا تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد ہونے کی رعایت نہیں رکھی۔

تو اس افراط وتفریط سے بچانے کے لئے دو حدیں قائم کر دیں کہ جب بھی تعریف کرو جو چاہو تعریف کرو لیکن ان دو باتوں کی رعایت رکھو کہ کوئی بات میری عبدیت کے منافی نہ ہو کوئی بات میری رسالت کے منافی نہ ہو۔ یہ دو باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی کے طور پر ذکر کر دیں۔

دونوں حدوں کو ملحوظ رکھ کر صحیح عقیدہ:

عبد ہونے کے تقاضے کے تحت ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا ہے؟ اور رسول ہونے کی حیثیت سے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا ہے؟ رسول ہونے کے تقاضے کیا ہیں؟ عبد ہونے کے تقاضے کیا ہیں؟ مختصر الفاظ میں آپ سمجھ لیجئے۔

سرور کائنات ﷺ کے متعلق صاف اور ستھرا عقیدہ۔ اول نمبر پر یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں خالق نہیں۔ خالق صرف اللہ ہے۔ اللہ کے

علاوہ خالق کوئی نہیں۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ☆...... یہ اللہ کی صفت ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم الوہیت کی حدود سے باہر ہیں یعنی غیر الٰہ ہیں۔ الٰہ نہیں ہیں۔ الٰہ صرف اللہ ہے اور یہ لفظ بولا جاسکتا ہے تو صرف اللہ کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ غیر اللہ کے لئے کوئی الوہیت ثابت نہیں کی جاسکتی یہ عقیدہ بنیادی عقیدوں میں داخل ہے۔

حضور ﷺ اولاد آدم سے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ بھی بنیادی عقیدہ ہے۔

جب آدم کی اولاد میں سے ہوئے تو آدم کو تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ بشر کہا۔ انی خالق بشرا۔ تو جب آدم کی اولاد میں سے ہیں تو آدم بھی بشر۔

تمام انبیاء بھی بشر

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر

تو بشریت کا عقیدہ بھی ساتھ رکھنا پڑے گا۔

آپ ﷺ کا حسب نسب:

آدم کی اولاد میں سے ہونے کے بعد

ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ ابراہیمی ہیں۔

اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اسماعیلی ہیں۔

☆(سورہ زمر۔ آیت ۶۲)

قریش کے خاندان میں سے ہیں۔قریشی ہیں

اور ہاشم کی اولاد میں سے ہیں۔ہاشمی ہیں۔

عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہیں۔عبداللہ کے بیٹے ہیں۔آمنہ کے بیٹے ہیں۔

یہ سارے عقیدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔واقعہ کے مطابق ہیں...قرآن وحدیث کے مطابق ہیں....عقل نقل کے مطابق.....اس میں کوئی کسی قسم کی اشکال کی بات نہیں ہے۔

حضور ﷺ انسان تھے اور مرد تھے:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق جو پیدا کی تھی تو فرشتے پیدا کیے۔جن پیدا کیے....انسان پیدا کئے ۔یہ تین نوع تمام انواع سے ممتاز ہیں۔باقی انواع بے شمار ہیں....جو کچھ اللہ نے پیدا کیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں میں سے نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنوں میں سے نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے بنایا ہے۔

پھر انسان کی دو نوعیں رجل اور امرءۃ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رجل (مرد) بنایا ہے۔اور رجل کے ساتھ ہی قرآن کریم میں ذکر کیا گیا کہ جتنے رسول آئے سب رجال (مرد) تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے زندگی گزاری کہ آپ نے شادیاں بھی کی ہیں جس طرح سے کہ انسان شادیاں کرتا ہے۔آپ کی بیویاں بھی تھیں۔آپ کی اولاد بھی تھی۔آپ کی رشتہ داریاں بھی تھیں۔

حضور ﷺ سب سے بڑے عبادت گزار:

اور اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار تھے۔ اللہ کے بندے تھے۔ عابد تھے۔ معبود نہیں تھے۔ اور عبادت والا کمال سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنا پایا جاتا تھا کہ کوئی انسان عبادت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

کیا آپ پڑھتے نہیں رہتے کہ حضور ﷺ رات کو اتنا لمبا قیام کیا کرتے تھے کہ پاؤں پہ ورم آ جاتا تھا (بخاری ۱/۱۵۲۔ مسلم ۲/۳۷۷)۔ کیا حدیث میں یہ نہیں آیا؟ باتوں باتوں پہ جھگڑنے والے ان کو یہ سنتیں نظر نہیں آتیں؟۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے تھے تو پاؤں پر ورم آ جاتا تھا۔ اتنا طویل قیام کرتے تھے...... دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا...... پاؤں پھٹ جاتے تھے سوجنے کے بعد......

کہنے والوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ عبادت میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے اور قرآن کریم میں اعلان کر دیا کہ اول تو کوئی غلطی ہے نہیں اگر ہے بھی تو معاف کر دی تو آپ کو اتنی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے...... تو آپ فرماتے...... اَفَلا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ ☆ میرے پہ احسان اللہ نے سب سے زیادہ کیا تو پھر میں شکر سب سے زیادہ ادا نہ کروں؟۔

مطلب یہ تھا کہ میں جو عبادت کرتا ہوں...... گناہ معاف کرانے کے لئے نہیں

☆ (بخاری ۱/۱۵۲۔ ۲/۷۱۶۔ مسلم ۲/۳۷۷)

کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکر گزاری کے طور پر عبادت کرتا ہوں۔ جتنا میرے پہ انعام زیادہ ہیں اتنی میں عبادت زیادہ کروں گا پاؤں پھٹ جاتے تھے کھڑے کھڑے۔

اتنا طویل سجدہ؟:

سجدے اتنے طویل کرتے تھے۔ حدیث شریف میں واقعات آتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ ایک صحابی کہتے ہیں میں دیکھ رہا تھا...... میں تو کانپ گیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدے کی حالت میں روح قبض ہوگئی ہو اور آپ سجدے سے سر ہی نہیں اٹھا رہے۔ (مسند احمد۔ رقم ۱۵۷۴) اتنے لمبے لمبے سجدے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پیشانی زمین کے اوپر رکھتے تھے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہو جاتا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ روح قبض ہوگئی ہو۔

حضور ﷺ کے رونے کا انداز:

رات کو نماز پڑھتے وقت اتنا روتے تھے۔ اتنا روتے تھے...... کہ سننے والے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے اتنی آواز آیا کرتی تھی جس طرح سے ہانڈی کے ابلنے کی آواز ہوا کرتی ہے۔ جوش جیسے ہانڈی کا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ طاری ہوتا تھا تو اس طرح سے آواز آتی تھی جیسے ہانڈی ابل رہی ہو۔ اللہ کے سامنے اس طرح سے روتے تھے۔

☆ (نسائی ۱/۱۳۶۔ مسند احمد۔ رقم ۱۵۷۲۲)

حضور ﷺ کی دعا کا انداز:

جب اللہ تعالیٰ سے مانگتے تھے تو کس طرح سے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے ہمیں تو توفیق ہی نہیں ہوتی دعا کرنے کی۔ اور اگر دعا کرتے ہیں تو یوں ہاتھ کر کے بیٹھے ہوتے ہیں۔ (یعنی بے پرواہی سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تھے تو لجاجت کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے ...حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہاتھ اس طرح سے پھیلاتے تھے (سینے سے اونچا کرنے کی تو عادت نہیں تھی۔ ہاتھ سینے کے برابر رکھے جاتے ہیں لیکن) اس طرح سے ہاتھ پھیلاتے تھے کہ جیسے مسکین۔ کھانا مانگنے والا ہاتھ پھیلایا کرتا ہے تو یہ بغلیں کھل جایا کرتی تھیں اور چونکہ چادر اوڑھی ہوئی ہوتی تھی تو جب یوں کر کے ہاتھ پھیلاتے تھے تو صحابہ کہتے ہیں کہ ہمیں آپ کی بغلوں کی چمک نظر آیا کرتی تھی۔ ☆ اس طرح سے ہاتھ پھیلا کر اللہ سے دعا کرتے تھے جیسے کوئی مسکین آدمی ہاتھ پھیلا پھیلا کے کھانا مانگتا ہے۔

اور دعا کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا عجز اور کتنی تواضع اللہ تعالیٰ کے سامنے طاری ہوتی تھی وہ اگر دعا کے الفاظ آپ سنیں تو حیران رہ جائیں کہ اس دعا کے اندر کتنی عظمت تھی اللہ تعالیٰ کی۔ اور اس دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کس طرح سے نمایاں ہے۔

طائف کے موقع پر عاجزانہ دعا:

جب طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں نے پتھر مارے ہیں اور مار مار کے زخمی کر دیا۔ ٹانگیں لہولہان ہو گئیں۔

☆ (مسلم ۱/۲۹۳۔ بخاری ۱/۱۴۰)

پاؤں سارے خون آلود ہو گئے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوشی کے عالم میں چلے۔ جہاں جا کے ہوش آئی قرن ثعالب کے پاس۔ جہاں آج کل قرن منازل ہے۔ وہاں میقات کی مسجد بنی ہوئی ہے۔ (میں نے وہ دیکھی ہے)۔ اس علاقے میں پہنچے تو کچھ ہوش آئی اس وقت جو اللہ کے سامنے دعا کی ہے وہ حدیث کی کتابوں میں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَ انِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ! اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی عَدُوٍّ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی قَرِیْبٍ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ ؟اِنْ لَّمْ تَکُنْ سَاخِطًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ.

اگر تو مجھ پہ ناراض نہیں ہے تو میرے ساتھ رشتہ دار کچھ کریں۔ میرے ساتھ دشمن کچھ کریں مجھے کچھ پرواہ نہیں۔

غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَکَ اَوْسَعُ لِیْ۔ لیکن پھر بھی تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسعت رکھتی ہے...... ورنہ جو بھی دشمن میرے ساتھ کچھ کرے۔ کوئی قریبی رشتہ دار کچھ کرے مجھے کوئی پرواہ نہیں اگر تو راضی ہے تو......

اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ اَضَاءَتْ لَہُ السَّمٰوٰتُ وَاَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ.

تیرا نورانی چہرہ...... میں اس کی پناہ پکڑتا ہوں جس کے ساتھ زمین روشن ہے آسمان روشن ہے جس کے ساتھ دنیا کے معاملات قائم ہیں۔ میں تیرے اس نورانی چہرے کو پکڑتا ہوں۔

اَنْ یَحِلَّ عَلَیَّ غَضَبُکَ وَاَنْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ وَلَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ. ☆

☆ (الاحادیث المختارۃ ۱۸۱/۹ تاریخ طبری ۵۵۴/۱ سیرت ابن ھشام ص ۲۶۸/۲)

اے اللہ میں تیرے نورانی چہرے کی پناہ پکڑتا ہوں کہ تو میرے اوپر اپنا غضب اتار دے۔ میں تیرے نورانی چہرے کی پناہ پکڑتا ہوں کہ تو میرے اوپر اپنی ناراضگی نازل کردے اور میں تیری منت سماجت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے...... تیرے بغیر کوئی طاقت کسی کے لئے نہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بیٹھے دعا کر رہے ہیں۔ جہاں اللہ کے دین کی خاطر زخم کھائے ہوئے تھے۔ پتھر کھائے ہوئے تھے۔

کہ یا اللہ تو میرے ساتھ ناراض نہ ہو۔ باقی ساری دنیا ناراض رہے...... دوست ہو۔ یا دشمن ہو جو میرے ساتھ کرے مجھے کوئی پرواہ نہیں تو میرے پہ راضی رہ...... میں تو تیری منت سماجت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے۔ ذرا ان الفاظ پہ غور تو کرو کہ اللہ کی عظمت کس طرح سے حضور کے دل دماغ کے اوپر طاری ہے اور اپنا عجز اور اپنی مسکنت اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح سے ظاہر کر رہے ہیں۔

ایک اور عاجزانہ دعا:

اور حضور ﷺ کی دعاؤں میں سے اک دعا حزب اعظم کے اندر نقل کی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ لَایَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِنْ اَمْرِیْ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْمُشْفِقُ الْوَجِلُ. اَسْئَلُکَ مَسْئَلَةَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَیْکَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَکَ عِبْرَتُهٗ وَذَلَّلَ لَکَ جَسَدُهٗ. ☆

☆ (معجم کبیر ۱۱/۱۷۴ تاریخ بغداد ۶/۱۶۳)

کیا الفاظ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے..... اور ایک ایک لفظ سے کیا عظمت ٹپکتی ہے اللہ تعالیٰ کی..... اے اللہ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْر . میں سختی میں پڑا ہوا ایک محتاج ہوں..... اَلْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ..... تجھ سے مدد مانگتا ہوں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اَلْمُشْفِقُ الْوَجِل ۔ میں تجھ سے بہت ڈرنے والا ہوں.. اَسْئَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ ۔ میں تجھ سے ایسے مانگتا ہوں جیسے مسکین مانگا کرتے ہیں..... وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ..... اور میں تیرے سامنے اس طرح سے گڑگڑاتا ہوں۔ جس طرح سے گناہ گار اور ایک دبا ہوا گڑگڑاتا ہے..... مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ ۔ اور ایسے مانگتا ہوں جیسے تیرے سامنے کسی کی گردن جھکی ہوئی ہو۔..... وَفَاضَتْ لَکَ عِبْرَتُہٗ تیرے لئے اس کے آنسو بہہ رہے ہوں۔ وَذَلَّ لَکَ جَسَدَہٗ ۔ اس کا بدن تیرے سامنے کمزور ہے۔ وَرَغِمَتْ لَکَ اَنْفُہٗ اور اس کا ناک تیرے سامنے خاک آلود ہے میں اس طرح سے مانگتا ہوں۔

عبدیت کی وجہ سے آپ کو بلندی ملی:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کے گڑگڑاتے تھے تو کتنی عبدیت نمایاں ہوتی تھی اور اللہ کی کتنی عظمت نمایاں ہوتی تھی۔ جتنا اللہ کے سامنے دبے اللہ نے اتنا ہی اونچا کیا۔

یہ عبدیت کے ساتھ شرف ملا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو..... کہ دبے سب سے زیادہ اور اللہ نے اٹھایا سب سے زیادہ۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کے تحت یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے جو آپ کی

خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ

آپ الٰہ نہیں ہیں۔۔۔آپ مخلوق ہیں۔

آدم کی اولاد ہیں۔۔۔جنس بشر سے ہیں۔

آپ آدمی ہیں۔۔۔آپ انسان ہیں۔۔۔آپ مرد ہیں۔

اور اس دنیا کے اندر آپ اسی طرح پیدا ہوئے جس طرح سے عام انسان پیدا ہوتے ہیں۔اور آپ کی اسی طرح سے رشتہ داریاں تھیں جس طرح عام انسانوں کی رشتہ داریاں ہوتی ہیں۔جب ان چیزوں کو آپ پیش نظر رکھیں گے تو کبھی بھی دل کے اندر یہ وہم نہیں آ سکتا کہ آپ کے اندر بھی الوہیت کی کوئی صفت ہے۔اور آپ بھی الٰہ کی حدود میں چلے جائیں گے۔۔

یاد رکھئے! اسی عبدیت سے اتنا کمال ملا ہے..جتنا اللہ کے سامنے دبے...اللہ نے ان کو اتنا اٹھایا۔عبادت کے نتیجے میں شرف ملا کرتا ہے۔جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کی اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی رفعت اور بلندی عطا کی۔

حضور ﷺ کی صفت رسالت:

عبدیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اب صرف یہی واقعات یاد نہیں رکھنے جو عبدیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ حضور ﷺ کی نمایاں صفت یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول بھی ہیں۔رسول کے لفظ میں کتنی عظمت ہے اور آپ کے رسول ہونے کی حیثیت سے کیا حقوق ہیں ہمارے اوپر۔

یاد رکھئے! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی بناء پر اور ہمارے امتی ہونے کی بناء پر ہمارے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق آئے کہ ہمیں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اللہ تعالیٰ کے بعد ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہمارے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے بعد ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ محبت وعظمت حق ہے رسالت کا۔ اور امتیوں کے ذمے یہ فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی سب سے زیادہ کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی اپنے قلب کے اندر سب سے زیادہ بٹھائیں خطبوں کے اندر عموماً ہم ایک روایت پڑھا کرتے ہیں۔ ہر جمعے میں لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔☆ کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت نہ ہوجائے...... من ولدہٖ اولاد سے بھی زیادہ۔ ووالدہٖ اور اس کے والد سے بھی زیادہ۔ والناس اجمعین اور تمام لوگوں سے زیادہ جب تک میرے ساتھ

اولاد سے زیادہ محبت نہیں ہوگی۔

اپنے والدین سے زیادہ محبت نہیں ہوگی۔

اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہیں ہوگی۔

تم میں سے کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت سب سے زیادہ ہونا یہ ایمان کا جزء ہے۔

محبت کس بنیاد پر ہوتی ہے؟:

محبت کی بنیاد کس بات پہ ہوتی ہے؟...... لوگ تشریح کرتے ہوئے کہا کرتے

☆ (بخاری ۱ر۷۔ مسلم ۱ر۴۹)

ہیں کہ محبت انسان کو تین وجوہ سے ہوتی ہے۔

کبھی تو حسن وجمال کی بناء پر محبت ہوتی ہے۔

کبھی کسی کے فضل وکمال کی بناء پر محبت ہوتی ہے۔

اور کبھی کسی کے احسان وانعام کی بناء پر محبت ہوتی ہے۔

ایک آدمی خوبصورت بہت ہے اسی لئے اچھا لگتا ہے۔

ایک آدمی کے اندر کمالات ہیں اس لئے اچھا لگتا ہے۔

اور ایک آدمی کے احسانات ہیں اسی لئے اچھا لگتا ہے۔

حضور ﷺ ہر صفت میں ممتاز ہیں:

تینوں صفتوں میں سے ہر صفت کو دیکھا جائے تو سرور کائنات ﷺ۔ ساری مخلوق میں سے ممتاز ہیں۔

حسن وجمال میں آپ کی مثال نہیں۔

فضل وکمال میں آپ کی مثال نہیں۔

اور احسان وانوال میں آپ کی مثال نہیں۔

حسن وجمال میں بے مثال:

حسن وجمال کے نقشے بھی حدیث میں موجود ہیں باب حلیۃ النبی ﷺ روایات میں حضور کا حلیہ پورے کا پورا سر سے لے کے پاؤں تک

بال کیسے تھے۔۔۔۔آنکھیں کیسی تھیں۔

پیشانی کیسی تھی۔۔۔۔ناک کیسا تھا۔

ہونٹ کیسے تھے۔۔۔۔دانت کیسے تھے۔

داڑھی کیسی تھی ــــــــ گردن کیسی تھی۔

سینہ کیسے تھا ــــــ ہاتھوں کی انگلیاں کیسی تھیں۔

آپ کا قد، قامت کیسے تھا ــــــ سینے اور پیٹ کا تناسب کیسا تھا۔

لمبائی کتنی تھی ــــــ موٹائی کتنی تھی ــــــ آپ کے پاؤں کی بناوٹ کیسی تھی۔

حدیث کی کتابیں اٹھا کے تو دیکھو کونسی بات ایسی ہے جو حدیث میں لکھی ہوئی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا سراپا جو تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ بے مثال بنایا تھا کہ حسن و جمال میں بھی آپ کے مقابلے کا کوئی نہیں اور ساری تفصیل روایات میں موجود ہے۔

فضل وکمال میں لاجواب:

اور جہاں تک فضل وکمال کی بات ہے تو فضل وکمال میں بھی ایک اللہ کی ذات کو چھوڑ دیجئے...... دیکھو صاف ستھرا عقیدہ۔

میرا عقیدہ۔

میرے اکابر کا عقیدہ ــــــ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ۔

صحابہ کا عقیدہ ــــــــــــ پوری امت کا اجماعی عقیدہ۔

یہ ہے جو میں آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں۔ اللہ کی ذات کو چھوڑ دیجئے۔ خالق اور مخلوق کا کوئی مقابلہ نہیں۔

خدا کو چھوڑ کر خدائی میں آجائیں تو پوری خدائی کے اندر فضل وکمال اتنا کسی کے لئے نہیں جتنا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے ہے۔

مخلوق میں سے انسان افضل۔

انسانوں میں سے اہل ایمان افضل۔

اور اہل ایمان میں اولیاء وغیر اولیاء کے درجات بنائے ہوئے

پورے انسانوں میں سے انبیاء کا گروہ افضل۔

اور انبیاء کے گروہ میں سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

سیدالانبیاء.............افضل الانبیاء..............امام الانبیاء

یہ مقام سرور کائنات ﷺ کا ہے۔تو خدا سے نیچے آ کر خدائی میں سرور کائنات ﷺ کے فضل وکمال کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

مقصود کائنات آپ ہیں اور بالکل پوری کائنات کے اندر آخری درجے کا کمال جہاں سے آگے خدائی حدود شروع ہو جاتی ہیں وہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضل و کمال عطا فرمایا ہے۔

قصیدۂ نانوتوی اور عشق رسول ﷺ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند۔ان کا قصیدہ رسول اللہ ﷺ کی مدح میں (عام طور پر...... یہ چھپا ہوا ملتا ہے اور آپ نے سنا بھی ہوگا) اس میں یہ دو تین شعر ہیں حضرت کے۔سارا قصیدہ ہی عشق ومحبت سے بھرا ہوا ہے اس میں ایک شعر یہ ہے کہ

لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو کِل بشر کے خدا
اگر تیرا ظہور نہ ہوتا آخر کار

اگر تو نے پیدا نہ ہونا ہوتا نسل آدم کے اندر۔تو اللہ تعالیٰ آدم کو پیدا نہ کرتے۔ آدم کی نسل میں آپ مقصود ہیں۔

تو بوئے گُل ہے اگر مثل گُل ہیں اور نبی
تو نور بصر ہے اگر وہ ہیں دیدۂ بیدار

تو پھول کی خوشبو ہے اگر باقی نبیوں کی مثال پھول جیسی ہے تو...... اور اگر باقی نبیوں کی مثال آنکھ جیسی ہے تو تو آنکھ کا نور ہے۔

یہ حضور ﷺ کی تعریف فرماتے ہوئے لفظ ہیں...... دیکھو...... کیا کمال کی تعریف کی ہے۔ کس طرح سے عشق ومحبت کے اندر ڈوبے ہوئے جملے ہیں کہ

تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی

باقی نبیوں کی مثال پھول کی ہے تو آپ کی مثال پھول کی خوشبو کی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ خوشبو کے بغیر پھول کچھ نہیں۔

اور اگر باقی نبیوں کی مثال کائنات میں آنکھ کی ہے تو تو نور بصر ہے۔ تو اس آنکھ کی بینائی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اگر آنکھ میں بینائی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں تو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے اس کے اندر بھی یہ بات ثابت کی کہ

انبیاء علیہم السلام میں آپ کا مقام ممتاز ہے۔

اور کائنات میں اور اولا دآدم میں بھی آپ کا مقام ممتاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فضل وکمال آپ کو اتنا دیا کہ کوئی بھی فضل وکمال میں آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

مخلوق کے دائرے میں رکھ کر تعریف کرو:

لیکن اس میں یہ حد بندی ضرور رکھو کہ اللہ کی حدود میں نہیں لے جانا...... کوئی صفت چاہو بیان کرلو...... مخلوق کے دائرے سے نکال کر خالق کے ساتھ نہ لے جاؤ۔ خالق کے دائرے میں مخلوق داخل نہیں ہوسکتی...... یہاں سے پھر شرک شروع

ہو جاتا ہے۔ آپ کو مخلوق کے دائرے میں رکھتے ہوئے۔

سب سے افضل ثابت کرو۔

سب سے افضلیت کا قول کرو۔

اور کمال جتنا چاہو حضور کے لئے بیان کرو۔

جیسا کہ قصیدہ بردہ میں وہ شعر ہے۔

مَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّه بَشَرٌ

وَاَنَّه خَيْرُ خَلْقِ اللهِ كُلِّهِمِ

کہتے ہیں کہ ہمارے علم کا منتہیٰ یہ ہے کہ حضور ﷺ ہیں تو بشر......لیکن اللہ کی ساری مخلوق میں سے سب سے افضل ہیں۔ یہ افضلیت کا عقیدہ رکھیں لیکن اللہ کی حدود سے نیچے نیچے......اور خالق کی حدود سے نکل کر مخلوق کی حدود میں

اللہ کے بعد کسی کی عظمت اور بزرگی ثابت ہے تو آپ کے لئے ہی ہے بس قصہ مختصر اتنا کہیں گے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تو یہ ہمارے مولانا قاسم نانوتویؒ۔ جتنے قصائد آپ ان کے پڑھیں گے۔ جتنے حالات آپ ان کے پڑھیں گے تو آپ کے سامنے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اور اللہ کے رسول کی محبت میں اس طرح سے یہ لوگ غرق تھے کہ جس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

الٹی گنگا:

لیکن یہ دنیا کا ایک عجوبہ ہے کہ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حضور ﷺ کے

عاشق اور آپ کے اوپر جان قربان کرنے والے ابو بکر۔

جان و مال قربان کرنے والے کون؟ (ابو بکر)

ایک نہیں دو نہیں لاکھوں کی تعداد میں انسان اس وقت موجود ہیں اور اپنے آپ کو محمد رسول اللہ کا امتی کہلانے والے۔ جو کہتے ہیں کہ اندر اندر سے حضور کا دشمن تھا...... کلمہ اس نے حضور ﷺ کا پڑھا تھا لیکن اندر اندر سے کچھ نہیں تھا...... حضور ﷺ کا شیدائی نہیں تھا...... کیا ایسی بات ہے یا نہیں؟ ایک طبقہ ہے نا؟ جو ابو بکر کو کہتا ہے کہ اندر اندر سے کافر تھا اور حضور ﷺ کا دشمن تھا...... اوپر اوپر سے کلمہ پڑھ رہا تھا۔ جس نے سب سے زیادہ عشق نبھایا۔ جان مال سب کچھ قربان کر دیا۔ وہ بھی اندر اندر سے کچھ نہیں۔ اور ان کو کافر کہنے والے موجود ہیں تو محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقاء...... محمد رسول اللہ کے دین کو گھر گھر پہنچانے کے لئے جنہوں نے قربانیاں دیں۔ اور اس ہندوستان کے اندر عیسائیت کا مقابلہ کیا۔

ہندو مت کا مقابلہ کیا۔۔۔۔۔۔ قادیانیت کا مقابلہ کیا۔۔۔۔۔۔ رفض کا مقابلہ کیا۔

اور حضور ﷺ کے اقوال و فرمان گھر گھر پہنچائے۔

مدرسے بنائے۔۔۔۔۔۔ قرآن و حدیث کی اشاعت کی۔

لوگوں کو اس میں بھی شک ہے کہ مسلمان تھا یا نہیں...... حضور کا عاشق تھا یا حضور ﷺ کا دشمن تھا...... یہ قصے دنیا کے عجائبات میں چلتے رہا کرتے ہیں...... یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مرنے مٹنے والوں کو لوگ اس طرح سے کہا کرتے ہیں...... اور ایسے طبقے کہ جنہوں نے اس وقت جبکہ عیسائیت کی یلغار ہندوستان پہ تھی اور دنیا عیسائی ہوتی چلی جا رہی تھی...... تو ایسے لوگ بھی تھے جن کا سارا مبلغ علم اور ساری علمی قوت اس بات پہ صرف ہو رہی تھی کہ

تیجہ ہونا چاہئے۔۔۔۔نواں ہونا چاہئے۔

بیسواں ہونا چاہئے۔۔۔۔چالیسواں ہونا چاہئے۔

قبروں کے چڑھاوے ٹھیک ہیں۔

یہ بھی ہونا چاہئے اور وہ بھی ہونا چاہئے۔

جن کا علم اس بارے میں صرف ہو رہا تھا وہ کہتے ہیں کہ

عیسائیت کا مقابلہ کرنے والے۔۔۔۔قادیانیت کا مقابلہ کرنے والے۔

رفض کا مقابلہ کرنے والے۔۔۔۔۔۔ہندومت کا مقابلہ کرنے والے۔

حضور ﷺ کے دین کو ہندوستان میں تحفظ دینے والے۔

اور گھر گھر دین کی بات پہنچانے والے۔

حضور ﷺ کی سنت کو عام کرنے والے۔

یہ اندر اندر سے کافر تھے بس اوپر اوپر سے مسلمان تھے۔ دنیا کے عجائبات میں سے یہ بھی ایک عجوبہ ہے..... خیر..... یہ ایسے کرتے رہتے ہیں۔

نہ کسی کی زبان پکڑی جا سکتی ہے۔۔۔۔۔۔نہ کسی کا قلم پکڑا جا سکتا ہے۔

جو چاہے انسان کہہ لے۔۔۔۔۔۔جو چاہے لکھ لے۔

بہر حال ہمارے اکابر جتنے بھی ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے..... پوری ذمہ داری سے ادا کر رہا ہوں..... کسی کے ساتھ برابری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... اللہ کی مخلوق میں پورے کا پورا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حضور ﷺ کا ہے۔

محبت کے تقاضے:

ہاں البتہ یہ ضرور کہیں گے محبت کا دعویٰ آسان ہوا کرتا ہے لیکن محبت کے کچھ

تقاضے ہوتے ہیں وہ کون پورے کرتا ہے کون پورے نہیں کرتا۔ یہ ہر آدمی جانتا ہے محبت کے تقاضے کیا ہوتے ہیں۔

جس کے ساتھ محبت ہو اس کا شہر اچھا لگتا ہے۔

جس کے ساتھ محبت ہو اس کا لباس اچھا لگتا ہے۔

جس کے ساتھ محبت ہو اس کا اخلاق اچھا لگتا ہے۔

جس کے ساتھ محبت ہو اس کی شکل وصورت اچھی لگتی ہے۔

داڑھیاں منڈانے والے اور داڑھیوں کا مذاق اڑانے والے کہتے ہیں کہ ہم عاشق ہیں اور جنہوں نے حضور ﷺ کی شکل کو اپنے چہرے کے اوپر رکھا ہے۔ اور حضور ﷺ سے پیار کرتے ہوئے اپنی شکل حضور ﷺ جیسی بنائی یہ عاشق نہیں...... عاشق وہ ہیں جو صبح شام بازار میں بیٹھ کے حضور ﷺ کی سنت پر استرا چلاتے ہیں...... یہ محبت کے تقاضے سمجھ میں آنے والے نہیں ہیں۔

تارک صلوٰۃ اور فاسق فاجر عاشق رسول بن بیٹھے:

حضور ﷺ جیسا شفیق امت کے لئے کوئی نہیں ہو سکتا...... ہو سکتا ہے کوئی شفیق امت کے لئے؟ (نہیں) کیا یہ حدیث میں نہیں آتا...... سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں...... میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی سے کہوں کہ اذان کہو...... اور پھر میں کہوں کہ جماعت کھڑی کرو اور میں چلا جاؤں اور جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے نہیں آئے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں ☆...... جن کے گھروں کو حضور ﷺ آگ لگانا چاہیں وہ کہیں کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کے عاشق ہیں...... جن کی زندگی صبح شام

☆ (بخاری ۱/۸۹۔ مسلم ۱/۲۳۲۔ مشکوۃ ۱/۹۵)

اللہ کے دین میں گزرتی ہے۔ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن ہیں......اب کسی کی زبان پکڑلیں گے؟......

یعنی جن کے گھروں کو حضور ﷺ آگ لگانا چاہیں کہ میرا جی چاہتا ہے ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔جو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتے......اور حضور ﷺ نے فرمایا......ایمان وکفر کے درمیان فاصلہ ہی صرف نماز کا ہے۔

نماز پڑھنی نہیں۔

شکل عیسائیوں جیسی۔

تمدن ہندوؤں جیسا۔

اور بیٹھ کر تبصرے کرتے ہیں کہ عاشق رسول ہم ہیں۔اور جو سب کچھ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق بنائے بیٹھے ہوں......صبح شام دین کے چرچے ہوں......وہ انہیں حضور ﷺ کے دشمن نظر آتے ہیں......یہ دنیا کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ ہے اور ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔تو ان باتوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے دیکھنا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی محبت کے تقاضے کیا ہیں۔حضور ﷺ کا لایا ہوا قرآن سینے میں اتارو ہر وقت اپنی زبان پہ چڑھا ہو۔

اسلئے عاشق:

جس گھر میں تصویر ہو حضور ﷺ وہاں تشریف نہیں لاتے تھے۔☆......اور یہ عاشقان رسول سب کے گھروں میں تصویریں ہیں۔

جس گھر میں کتا ہو وہاں حضور اپنی زندگی میں نہیں آتے تھے اور یہ کتوں سے پیار کرنے والے حضور کے عاشق ہیں۔☆☆

☆(بخاری ۱/۲۸۲۔مسلم ۲/۲۰۱۔مشکوۃ ۱/۳۸۵) ☆☆(مشکوۃ۔۱/۳۸۷)

حضور ﷺ کے کان میں ایک دفعہ بانسری بجنے کی آواز آئی...... حدیث میں آتا ہے آپ نے کان بند کر دیئے...... راستہ چھوڑ دیا۔☆ تو جن گھروں کے اندر ہر وقت گانوں کی آوازیں ہیں کیا وہ حضور ﷺ کے عاشق ہیں؟ صبح شام گانا گائیں اور گانے سنیں اور سب کچھ تصویروں سے بھرا ہوا پھر بھی سمجھیں کہ ہم عاشق ہیں۔

یہ عشق اور محبت کے تقاضے نہیں ہیں......

محبت تو یہ ہے:

تو سرور کائنات ﷺ کی محبت نبھائی صحابہ نے...... جان مال، عزت سب کچھ قربان کر دیا۔ اور حضور ﷺ کے نام پر اور حضور ﷺ کے کام پر مر مٹے۔ تو یہ ہوتے ہیں کچھ محبت کے تقاضے۔۔ دعویٰ کرنا آسان ہوتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کے تقاضوں کے مطابق بھی چلتے ہیں یا نہیں چلتے۔

تو یہ ہے محبت...... محبت سب سے زیادہ حضور ﷺ سے۔

کیونکہ احسانات آپ کے سب سے زیادہ۔

فضل و کمال آپ کے اندر سب سے زیادہ۔

حضور ﷺ پوری کائنات کے محسن:

احسانات ہمارے اوپر نہیں پوری کائنات پر...... آج دنیا کا وجود باقی ہے تو یہ بھی حضور ﷺ کا احسان ہے...... کیونکہ آپ نے اللہ کا دین بتایا ہے جس وقت تک اللہ کا دین باقی...... اللہ کا صحیح نام باقی...... تو یہ کائنات باقی...... جس دن آپ کا بتایا ہوا طریقہ ختم ہو جائے گا۔ دنیا کے اندر کفر رہ جائے گا تو پوری کائنات تباہ ہو جائے گی......

☆ (مشکوۃ ۱/۴۱۱۔ ابوداود ۲/۳۱۸۔ ابن ماجہ ۱/۱۳۷)

زمین کی بقا اور آسمان کی بقاء یہ حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کے صدقے ہے......اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ

آج دنیا کی آبادی اگر ہے

دنیا کی رونق اگر نظر آ رہی ہے

سورج چاند اگر گشت کرتے نظر آ رہے ہیں

آسمان اور زمین اگر آباد ہے

تو یہ حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کا صدقہ ہے یہ بھی حضور ﷺ کا احسان ہے۔

اللہ نے یہ احسان حضور ﷺ کی وساطت سے ہم پہ کیا ہے جس دن یہ اللہ کے رسول کا لایا ہوا دین مٹ جائے گا۔ نہ زمین قائم رہے گی...... نہ آسمان قائم رہے گا۔ اس سے زیادہ حضور ﷺ کا اور کیا احسان ہوگا؟

کوئی کرسکتا ہے اتنا احسان؟......سب کچھ ہمارے پاس حضور کے صدقے ہے جس دن یہ آپ کا لایا ہوا دین مٹ گیا......تو کوئی چیز نہیں رہے گی...... اور یہ دین لانا آپ کا احسان ہے...... اللہ نے اس میں واسطہ بنایا آپ کو...... اللہ کے بعد سب سے زیادہ احسان ہمارے اوپر حضور ﷺ کا ہے......اس لئے محبت کے تقاضے بھی آپ کے متعلق ہی ہیں۔

محبِّ نبی تو صحابہ تھے:

صحابہ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی کتنی عظمت تھی۔ کہ جب آپ کی مجلس میں بیٹھتے تھے اسطرح سے ادب واحترام کے ساتھ بیٹھتے تھے...... كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُسِهِمُ الطَّيْرُ۔☆

☆ (مسند احمد۔ رقم ۱۷۷۲۵۔ ابوداود ۱۸۳/۲۔)

یوں سامنے ساکت بیٹھتے جیسے سر کے اوپر پرندہ بیٹھا ہے...... کہ اگر ہم نے ذرا حرکت کی تو کہیں اڑ نہ جائے۔ پرندہ بیٹھا کرتا ہے بے جان چیز پہ۔۔۔کوئی درخت پہ بیٹھ گیا۔۔۔لکڑی پہ بیٹھ گیا۔

تو اس طرح سے ساکت بیٹھتے تھے۔ جیسے کوئی پرندہ سر پہ بیٹھا ہے کہ اگر ہم حرکت کریں گے تو کہیں اڑ نہ جائے۔

اتنا ادب کے ساتھ، اتنا سکون کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے...... آنکھ نہیں اٹھاتے تھے...... اتنی پست آواز کے ساتھ بولتے تھے۔ کہ آپ کی آواز پر کسی کی آواز بلند نہ ہونے پائے...... اگر آپ کی آواز پر کسی کی آواز بلند ہو جائے تو قرآن کہتا ہے کہ ڈر ہے...... کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں...... اتنا ادب اور احترام کے ساتھ حضور ﷺ کی موجودگی میں بولتے تھے......

حضور ﷺ کی موجودگی میں چیخنا...... چلانا...... شور مچانا...... یہ صحابہ کرام کے ہاں عظمت کے منافی تھا...... حضور ﷺ کی عظمت کا یہ تقاضا نہیں۔

محبت سے اصل مقصد اطاعت ہے:

لیکن محبت ہو یا عظمت ہو...... یہ بذات خود مقصود نہیں ہے یہ مقصود ہے اطاعت کے لئے...... محبت کی تلقین اس لئے کی جاتی ہے کہ محبت ہو جانے کے بعد کہنا ماننا آسان ہو جاتا ہے۔ عظمت اس لئے دل میں بٹھائی جاتی ہے کہ عظمت ماننے کے بعد کہنا ماننا آسان ہو جاتا ہے...... جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کا انسان کہنا مانتا ہے۔

آسان فہم مثال:

دیکھو! ایک طالب علم استاد کے ساتھ محبت نہیں رکھتا اور وہ استاد اس طالب علم

کو کسی کام کے لئے بلا لے۔

(آپ کے ساتھ روز واقعے پیش آتے ہوں گے) اس کو کتنی گرانی ہوتی ہے کام کرنے میں..... اگر استاد کہہ دے کہ پاؤں دبا اور پاؤں دباتے دباتے اس کو نیند آ جائے تو وہ چاہے گا جلدی جان چھوٹے یہ سو گئے پتہ نہیں کب آنکھ کھلے گی..... بال اکھیڑنے شروع کر دوں کوئی الٹی پلٹی حرکتیں کرنی شروع کر دوں تا کہ آنکھ کھلے تو وہ کہہ دے جا جا کے آرام کر...... اور ایک محبت والا طالب علم اس کو بار بار کہو جا۔ لیکن اسکا جی نہیں چاہتا جانے کو۔ ساری رات جاگو گے تو ساری رات بیٹھا پاؤں دباتا رہے گا۔ دونوں میں کتنا فرق ہے؟..... کہ محبت کے ساتھ جو خدمت کرتا ہے وہ لذت بھی اٹھاتا ہے خدمت بھی کرتا ہے۔ اور جس کو محبت نہیں ہوتی اگر اس کو کام کرنا پڑ جائے تو مصیبت سمجھتا ہے۔ اس لئے اسلام اور شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا جس وقت اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت ہو جائے گی۔ محبت کی تلقین اس لئے کی جا رہی ہے تا کہ اطاعت آسان ہو جائے۔

اسی طرح سے عظمت کی تلقین کی جا رہی ہے کہ عظمت اپنے دل میں محسوس کرو کہ حضور ﷺ بہت عظیم شخصیت تھے تا کہ آپ کے لئے اطاعت آسان ہو جائے۔ اطاعت اصل ہے۔ محبت اور عظمت یہ اطاعت کا ذریعہ ہے۔

محبت میں آ کے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی جو اطاعت کے خلاف ہو..... عظمت کو محسوس کرتے ہوئے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی جو اطاعت کے خلاف ہو۔

اطاعت رسول اور صحابہ:

دیکھو...... صحابہ کرام کے دل میں کتنی عظمت تھی...... کہ آپ کو سجدہ کرنے کو جی چاہتا تھا (بات سنو میری...... توجہ سے)...... قیس بن سعد صحابی ہیں...... سعد بن عبادہ کے بیٹے...... یہ سفر پر کہیں گئے...... کوفہ کے پاس ایک بستی تھی حیرہ...... وہاں جاکے کیا دیکھتے ہیں...... کہ اس بستی والوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں...... تو قیس کے دل میں خیال آیا کہ یہ تو عزت کرنے کا ایک بڑا اچھا طریقہ ہے ہمیں چاہئے کہ ہم بھی حضورا کی عزت اس طرح سے کیا کریں جیسے یہ کرتے ہیں...... کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں ہم بھی کیا کریں دل میں خیال آیا...... آ کے حضورا کے سامنے ذکر کیا کہ یارسول اللہ میں فلاں جگہ گیا تھا...... میں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے تھے تو میرے دل میں خیال آیا کہ آپ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں یعنی ان کی طرف دیکھ کے خیال آیا آپ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو گے تو میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے وہ کہنے لگے نہیں جی...... قبر کو تو سجدہ نہیں کریں گے۔ یعنی اتنی بات وہ سمجھے بیٹھے تھے کہ قبر کو سجدہ کرنا ٹھیک نہیں تو آپ نے فرمایا کہ جس کی قبر بننے والی ہے اس کے لئے کیا سجدہ؟۔ سجدہ کرنا ہے تو صرف اللہ کو کرو۔ اگر میں نے کسی غیر کے لئے سجدے کا قول کرنا ہوتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ اتنی اللہ نے بیوی کے اوپر خاوند کی عظمت قائم کی ہے کہ بیوی کو حکم دیتا خاوند کو سجدہ کرے اگر غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہوتا...... اس لئے جیسے میری قبر کو سجدہ نہیں۔ میری زندگی میں بھی

میرے لئے سجدہ نہیں لیکن قبر کا ذکر کر کے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ سجدہ صرف حی لا یموت کے لئے ہے جس کی قبر نہیں بنے گی جس کی قبر بننے والی ہے اس کے لئے سجدہ نہیں۔☆

بغیر اطاعت کے محبت کا اعتبار نہیں:

تو عظمت اتنی تھی کہ سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن جب حضور ﷺ نے روکا...... رک گئے...... نہ قبر کو سجدہ نہ حضور ﷺ کو سجدہ...... اب اگر ایک آدمی کہے میں محبت کی بناء پر قبر کو سجدہ کرتا ہوں۔ یا میں محبت کی بناء پر روضہ اقدس کو سجدہ کرتا ہوں تو یہ محبت نہیں یہ بغاوت ہے...... حضور ﷺ کے خلاف کرنے کے لئے آپ کی محبت آپ کو کیسے برانگیختہ کرتی ہے......

اگر کوئی شخص حضور کے روضے کو سامنے رکھ کے سجدہ کرنا شروع کر دے

یہ محبت نہیں ہے۔

یہ عظمت نہیں ہے۔

یہ بغاوت ہے۔

جب حضور ﷺ نے منع فرما دیا تو منع فرمانے کے بعد پھر اگر وہی کام کرو گے تو اس کو کون محبت اور عظمت کہے گا...... یہ تو بغاوت ہے۔

سالگرہ کی رسم:

اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ کافروں اور مشرکوں کے طریقے دیکھ کے ان کی نقل نہیں اتارنی چاہیے...... یہ خیال تو آ سکتا ہے کہ ہمیں ایسا کرنا چاہئے......

☆ (ابوداود۔ ۱/۲۹۱۔ مشکوۃ ۱/۲۸۲)

جس طرح سے آج کل شروع ہو گیا...... یہ آپکو پتہ ہے؟ چند سالوں سے یہ بات شروع ہوئی ہے...... سالگرہ منانے کا طریقہ...... اپنے بچوں کی لوگ سالگرہ مناتے ہیں نہ؟...... جب وہی تاریخ آتی ہے جس تاریخ میں پیدا ہوئے تھے...... تو پتہ نہیں یہ کہاں سے طریقہ بنالیا...... بڑے بڑے کیک بناتے ہیں۔ کیک بنانے کے بعد ان کو کاٹتے ہیں...... لو یہ اپنے پیدا ہونے کی خوشی ہوگئی اور اس کا شکر ادا ہو گیا...... سالگرہ پر کیک کاٹنا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ رسم یہود و نصاریٰ نے شروع کی ہے۔ اور اب گھر گھر مسلمانوں میں شروع ہو رہی ہے۔ سالگرہ مناؤ...... سالگرہ پہ کیک کاٹو...... یہ طریقہ کافروں نے شروع کیا ہم نے بھی شروع کر دیا۔

یہودیوں نے عیسیٰؑ کی ولادت کا ہفتہ پورے جشن کے ساتھ منانا شروع کیا تو ہم نے کونسی کمی چھوڑی۔ جو کچھ انہوں نے کرنا شروع کر دیا ہم نے بھی کرنا شروع کر دیا...... وہ اپنے لیڈروں کے دن مناتے ہیں ہم نے بھی ان کی طرح دن منانے شروع کر دیئے اسی طرح سے جس طرح سے وہ مناتے تھے...... نہیں...... بلکہ دوسرے کو کوئی کام کرتے دیکھو تو پہلے شریعت سے پوچھو کہ ہمیں کرنا چاہئے یا نہیں۔

قیس بن سعد نے آتے ہی حضور کو سجدہ نہیں کر دیا کہ چونکہ کافر اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں بڑی اچھی بات ہے...... ہم بھی سجدہ کریں۔ بلکہ آ کے پوچھا ہے...... کہ یا رسول اللہ وہ سجدہ کرتے ہیں کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا بالکل نہیں...... میری قبر کو سجدہ نہیں کر سکتے تو مجھے بھی سجدہ نہ کرو...... اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہوتا تو میں بیوی کو کہتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔

اونٹ کا حضور ﷺ کے قدموں پہ سر جھکانا:

اسی طرح سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے..... عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ صحابہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ مشکوۃ باب عشرۃ النساء..... کی روایتیں ہیں جو آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں..... صحابہ میں تشریف فرما تھے تو ایک اونٹ آیا اور اونٹ نے آتے ہی حضور ﷺ کے قدموں پہ اپنا سر رکھ دیا۔ جس وقت اونٹ نے آ کے قدموں پہ سر رکھا۔ (یہ کئی سارے واقعات ایسے آتے ہیں..... ایک سفر کا واقعہ ہے کہ آپ جا رہے تھے تو اونٹ آیا اور اس نے آپ کے سامنے سر رکھا۔ تو حضور نے اس کے مالک کو بلایا..... اور بلا کے کہا کہ تیرا اونٹ تیری شکایت کرتا ہے کہ تو اس سے کام بہت لیتا ہے اور چارہ تھوڑا دیتا ہے..... حضور نے اس کی بات سنی ہے) لیکن یہ صحابہؓ کی موجودگی میں اونٹ آیا..... قدموں پہ آ کے اس نے سر رکھا..... صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کو بہائم بھی سجدہ کرتے ہیں..... اور آپ کو درخت بھی سجدہ کرتے ہیں درختوں کے سجدہ کرنے کا اور جھکنے کا بھی کئی روایات میں ذکر ہے۔

تو بہائم بھی سجدہ کرتے ہیں..... درخت بھی سجدہ کرتے ہیں تو ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں..... عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ جھکنے کو جی چاہتا ہے سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔

اپنے بھائی کی عزت کرو:

توجہ کرنا اگلی بات کے متعلق..... جب یہ صحابہ نے سوال کیا تو اس روایت میں آگے الفاظ ہیں..... اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ ☆

☆ (مسند احمد۔ رقم ۲۴۴۷۱۔ مشکوۃ ۲۸۲/۔ وقال فی مجمع الزوائد ۹/۹ اسنادہ جید)

عبادت اپنے رب کی کرو اپنے بھائی کی عزت کرو..... اور آگے یہ فرمایا کہ اگر سجدہ غیر اللہ کو کرنا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے..... اتنی عظمت اللہ تعالیٰ نے خاوند کو بیوی پہ دی ہے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضور ﷺ کو بھائی کہنے کی حقیقت:

یہ ہے وہ روایت (ساتھ ضمنی طور پر ایک بات عرض کر دوں) یہ روایت ہے جو مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ نے تقویۃ الایمان میں نقل کی..... جہاں اس مسئلے کو ذکر کر رہے ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں..... یہ شرک ہے..... اس روایت کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے اس کا ترجمہ کیا..... عبادت اپنے رب کی کرو اپنے بھائی کی عزت کرو۔ اور اسکی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ انسان سارے آپس میں بھائی بھائی ہیں کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا..... جس سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ دیوبندی تو حضور کو بھائی کہتے ہیں..... دیوبندی تو حضور ﷺ کو بھائی کہتے ہیں..... ایسا جاہلانہ پروپیگنڈہ ہوا کہ دیکھو جی یہ تو حضور ﷺ کو بڑا بھائی کہتے ہیں..... یہ تو حضور ﷺ کو بڑا بھائی کہتے ہیں۔ اب نہ کچھ سوچنا ہے نہ سمجھنا ہے..... کہ کیا بات کہی جا رہی ہے کس طرح سے کہی جا رہی ہے..... بس ایک بات زبان پہ آ گئی کہ لو جی دیوبندی تو حضور کو بڑا بھائی کہتے ہیں..... وہ بات اس روایت کے ترجمے کے ساتھ ہے..... تقویۃ الایمان میں جو نقل کی گئی ہے۔

قرآن نے انبیاء کو بھائی کہا:

حالانکہ معلوم ہونا چاہئے کہ بھائی ہونا کونسی عیب کی بات ہے۔

قرآن نے صالحؑ کو ثمود کا بھائی کہا..... ثمود سارے مشرک

ہود علیہ السلام کو عاد کا بھائی کہا...... عاد سارے مشرک

لوط علیہ السلام کی قوم کو اخوان لوط کہا کہ یہ لوط کے بھائی تھے...... سارے مشرک اور بدکار، بدمعاش قسم کے لوگ...... ان کو اخوان لوط کے ساتھ تعبیر کیا۔

کتنی روایتیں ہیں جن میں حضور ﷺ نے اپنی امت کے افراد کو بھائی کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا۔

بھائی ہونا اور بات ہے عظمت اور چیز ہے:

بھائی کی عزت و عظمت کا کوئی معیار نہیں۔

ایک آپ کا بڑا بھائی ہو کر آپ کا شاگرد ہو سکتا ہے

آپ کے خرچے پہ پل سکتا ہے۔

اور ایک آپ کا بڑا بھائی آپ کا استاد بھی ہو گا۔

بڑا بھائی آپ کا پیر بھی ہو گا۔

بڑا بھائی اگر نبی بھی ہو تو عظمت کا کوئی اندازہ ہے کہ کتنی عظمت ہو جائے گی؟

بھائی وطنی بھی ہوا کرتے ہیں...... پاکستانی سارے بھائی بھائی

بھائی مذہبی بھی ہوا کرتے ہیں...... مسلمان سارے بھائی بھائی

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ قرآن کریم میں نہیں آتا؟...... مؤمن سارے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس لئے بھائی ہونا کوئی عیب کی بات نہیں...... دیکھنا یہ ہے کہ بھائی ہونے کے ساتھ عظمت کتنی ہے۔

اگر آپ کا ایک بھائی آپ کا استاد بھی ہے تو عظمت اور ہے

اور اگر آپ کا بھائی آپ کا شاگرد بھی ہے تو بات اور ہے
اگر آپ کا بھائی آپ کا پیر بھی ہے تو عظمت اور ہے
اور اگر آپ کا بھائی آپ کا مرید ہے تو عظمت اور ہے
اگر بھائی نبی ہے (جیسے موسیٰؑ کے بھائی ہارون نبی تھے یہ تو اللہ کی قدرت ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کی اور اولاد نہیں تھی اگر حضور ﷺ کے والدین کی اور اولاد ہوتی تو آپ ﷺ بہنوں کے بھائی بھی ہوتے بھائیوں کے بھائی بھی ہوتے)

لیکن نبی اور امتی میں جو فرق ہوا کرتا ہے وہ بہرحال ملحوظ رہے گا...... تو بھائی کہنے سے برابری لازم نہیں آتی...... بہرحال مولانا اسماعیل شہیدؒ کی بات اس روایت کے تحت ہے جس کو لے اڑے۔ اور یہ کہہ دیا دیکھو دیوبندی تو حضور ﷺ کی توہین کرتے ہیں...... حضور ﷺ کو بھائی کہتے ہیں...... وہ ترجمہ ہے اس روایت کا جو میں آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں...... اعبدوا ربکم اکرموا اخاکم۔

بہرحال عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عظمت تو اتنی دل میں کہ سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن جب حضور ﷺ نے روک دیا رک گئے...... اب رکنے کے بعد اگر کوئی سجدہ کرے۔ قبر کو سجدہ کرے...... روضہ اقدس کو سجدہ کرے۔ تو یہ بغاوت ہے یہ محبت نہیں...... کیونکہ حکم آجانے کے بعد پھر حکم (کا ماننا) محبت ہے باقی محبت کے تقاضے سب پس پشت۔

حضور ﷺ کی آمد پر صحابہ کھڑے نہیں ہوتے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی شخصیت ہمیں سب سے زیادہ محبوب تھی...... حضور کی شخصیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب سے زیادہ محبوب تھی

لیکن آپ جب مجلس میں تشریف لایا کرتے تھے تو صحابہ اٹھ کے نہیں کھڑے ہوتے تھے۔ کیوں نہیں کھڑے ہوتے تھے؟ اس لئے کہ صحابہ کو پتہ تھا کہ حضور ﷺ کو ناگوار گزرتا ہے آپ ﷺ اٹھنے کو پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔ ☆

اس دنیا میں رہتے ہوئے
ان دونوں آنکھوں کے ساتھ دیکھتے ہوئے
حضور ﷺ حسی طور پر تشریف لے آئے
دونوں آنکھوں کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے
لیکن صحابہ کرام اٹھ کے نہیں کھڑے ہوتے تھے کیوں...... کہ حضور کی آمد پر کھڑا ہونا حضور کو ناگوار تھا۔

اور ساتھ یہ کہتے ہیں محبت کا تقاضا تھا کہ ہم کھڑے ہوں۔ یہ لفظ جو بولے جا رہے ہیں کہ حضور ﷺ کی شخصیت سب سے زیادہ محبوب تھی صحابہ کو...... لیکن آپ کو دیکھ کے صحابہ اٹھتے نہیں تھے کھڑے نہیں ہوتے تھے...... کیوں کہ حضور ﷺ کو پسند نہیں تھا۔

اب دیکھو محبت کا تقاضا ہے...... جی چاہتا ہے کہ جب محبوب آ جائے تو ہم اٹھ کے کھڑے ہو جائیں...... لیکن پھر بھی صحابہ کھڑے نہیں ہوتے تھے......

کیا یہی محبت ہے؟:

تو کیا یہ محبت کے تقاضے ہیں؟...... کہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں جب مجلس میں موجود ہوتے تھے...... تشریف لاتے تھے...... دونوں آنکھوں سے نظر آتے تھے

☆(ترمذی ۲/۱۰۴۔ وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

......تو صحابہ حضور کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے اٹھ کے کھڑے نہیں ہوتے تھے......محبت کا تقاضا یہ تھا یا یہ ہے کہ محض تو ہم کے طور پر آ گئے

تشریف لے آئے

اور سارے کا سارا مجمع اٹھ کے کھڑا ہو گیا

اور پھر پتہ نہیں تشریف لے گئے کہ پھر بیٹھ گئے

اور پھر حضور ﷺ کی موجودگی میں چیخنا اور چلانا

اور یہ ساری کی ساری آوارہ حرکتیں۔

بھلا یہ کوئی محبت کے ساتھ جوڑ رکھنے والی باتیں ہیں؟......محبت یہ تھی جو صحابہ کو تھی کہ جو بات حضور ﷺ کو پسند نہیں ہے وہ نہیں کرنی چاہئے۔ تو دیکھتے ہوئے بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

اب یہ حدیث شریف ہمیں کچھ اور بتاتی ہے......رسم ورواج ہمیں کچھ اور بتاتے ہیں......اس لئے سرور کائنات ﷺ کی محبت اور عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی مرضیات کی رعایت رکھی جائے......آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے...... جو چیز آپ کو پسند تھی وہ اختیار کرو جو ناپسند تھی اس کو چھوڑ دو......تب جا کے ہم کہیں گے کہ واقعی دل میں حضور ﷺ کی عظمت ہے اور حضور ﷺ کی محبت ہے......ورنہ یہ رسم ورواج اور اپنے طور پر محبت کے معیار قائم کر لینا یہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ہاں کوئی مقبول نہیں......

حضور ﷺ رسول ہونے کی حیثیت سے:

اس لئے عبدہ ورسولہ کے دونوں تقاضے پورے کرنے ہیں......رسول ہونے کے اعتبار سے عظمت......

اور عظمت اتنی کہ اللہ کے علاوہ سب سے زیادہ۔
اور حضور ﷺ کے لئے کمالات کا اقرار اتنا کہ اللہ کے علاوہ سب سے زیادہ
اور آپ کے لئے فضیلت اتنی کہ اللہ کے علاوہ سب سے زیادہ
آپ کی خوبیاں اتنی کہ اللہ کے علاوہ سب سے زیادہ
پوری کائنات میں وہ خوبیاں اور کمال نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی تھیں۔

حضور ﷺ عبد ہونے کی حیثیت سے:

لیکن ان کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بات کی رعایت ضرور رکھنی ہے کہ آپ عبداللہ اور اللہ کے بندے بھی ہیں...... کوئی بات آپ کی طرف ایسی منسوب نہیں کرنی جو آپ کو عبدیت سے نکال کے الوہیت کی طرف لے جائے...... اور آپ کا تذکرہ اس طرح سے گھٹیا الفاظ میں نہیں کرنا کہ جس سے آپ کی عبدیت کا ذکر ہو جائے لیکن رسالت کی عظمت باقی نہ رہے......

حضور ﷺ کے بارے میں معتدل نظریہ:

رسالت کی عظمت کو باقی رکھتے ہوئے اور آپ کی عبدیت کا لحاظ کرتے ہوئے......
افراط و تفریط کے درمیان جتنی تعریف حضور ﷺ کی کر لی جائے وہ ٹھیک ہے۔
یہ ہے صحیح عقیدہ حضور ﷺ کے متعلق...... اور یہی ہے صحیح طریقہ حضور ﷺ کی تعریف کرنے کا...... اس لئے عبدہ ورسولہ یہ عقیدے کی بنیاد ہے۔ اور ہم اپنے کلمے کے اندر ہمیشہ یہی کہتے ہیں...... اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ...... اس عقیدے کو ملحوظ رکھیں۔ نہ تو ایسا گھٹیا انداز کہ

رسالت کی عظمت باقی نہ رہے...... اور نہ ایسا بڑھانا کہ عبدیت باقی نہ رہے...... یہ دونوں باتیں غلط ہیں...... ان دونوں باتوں کی رعایت رکھتے ہوئے حضور ﷺ کی جتنی تعریف کرلیں گے سب ٹھیک ہے

یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ یہی ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ خالق نہیں ہیں.... مخلوق ہیں

معبود نہیں ہیں...... عابد ہیں

جنس بشر سے ہیں. انسان ہیں.... آدمی ہیں

لیکن اس کے باوجود عظمت اتنی ہے کہ پوری کی پوری کائنات پر آپ کو برتری حاصل ہے۔ اپنے بہن بھائیوں کی تو بات ہی چھوڑو۔

پورے کے پورے اولیاء مل کے صحابی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پورے صحابہ کسی نبی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

تمام کے تمام انبیاء کی جماعت حضور ﷺ کے مقابلے میں پست ہے

اور حضور ﷺ کو ان سب پر برتری حاصل ہے۔

ان حدود کی رعایت رکھتے ہوئے جو تعریف کی جائے گی یہی حضور ﷺ کو خوش کرنے والی بات ہے۔ ورنہ اور کسی قسم کی اگر تعریف کریں گے تو بات ٹھیک نہیں رہے گی۔

تو اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح مقام سمجھنے کی توفیق دے...... اور صحیح طور پر آپ کی تعریف کرنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

عقیدہ
عصمتِ انبیاء علیہم السلام

بموقع : ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام : جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت : بعد عشاء

تاریخ : ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

عقیدہ عصمت انبیاء

خطبہ!

اَلْحَمْدُللهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ.☆

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆(سورہ بقرہ. آیت ۱۲۴)

تمہید

آپ کے سامنے اسلامی عقائد کے متعلق بیانات کا سلسلہ شروع ہوا تھا جس میں پہلے نمبر پر توحید کا تذکرہ آیا اور دوسرے نمبر پر رسالت کا بیان جاری تھا اور اس سلسلے میں یہ بات آپ کے سامنے واضح کی جا چکی کہ نبوت اور رسالت ایک ایسا عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہوتا ہے..... کوئی شخص اپنی محنت کے ساتھ اس کو حاصل نہیں کرسکتا (یہ پہلے بات ہوئی ہے اس کو ذرا دہرا رہا ہوں) اور یہ عہدہ آدمؑ سے شروع ہوا اور سرور کائناتؐ کی ذات اقدس کے اوپر اس کا اختتام ہوگیا آپ خاتم النبیین ہیں، خاتم المرسلین ہیں اب آپ کے بعد یہ عہدہ کسی شخص کیلئے اللہ کی طرف سے عطا نہیں ہوگا آپ پر نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

انبیاء بشر لیکن افضل البشر

دوسری بات آپ کے سامنے یہ ذکر کی تھی قرآن کریم کی روشنی میں، کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول مردوں کو بنایا ہے عورتوں کو نہیں بنایا

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا☆

نبی اور رسول آدمی ہوئے ہیں عورتیں نہیں ہوئیں۔ پھر آپ کے سامنے یہ بات واضح کی گئی کہ بنی آدم کیلئے جو انبیاء اور رسول بھیجے گئے وہ بنی آدم میں سے ہی ہیں.... آدمی تھے اور آدمؑ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بشر تھے..... چونکہ خود آدمؑ بھی بشر ہیں کوئی نئی مخلوق نہیں۔.... یہ علیحدہ بات ہے کہ نبوت اور رسالت کا منصب

☆ (سورہ یوسف۔ آیت ۱۰۹)

حاصل ہو جانے کے بعد وہ صرف بشر نہیں رہتے بلکہ افضل البشر ہو جاتے ہیں تمام انسانوں سے اعلیٰ ہوتے ہیں افضل ہوتے ہیں کوئی دوسرا بشر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا فضیلت میں سب سے بڑھ جاتے ہیں یہ بات بھی آپ کے سامنے تفصیل سے آچکی ہے (یہ عقیدہ یاد رکھنا چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس بات کو یاد رکھیں)

فضیلت پانے کے باوجود رہتے وہ انسان ہیں...آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے آدمی ہوتے ہیں...بشر کی اولاد ہونے کی وجہ سے بشر ہی ہوتے ہیں....فضائل کی بات نہیں ہے....فضائل کا تذکرہ بعد میں کریں گے...بہر حال عقیدے میں یہ بنیادی بات ہے۔

عقیدہ عصمت انبیاء کی وضاحت

اور اس کے بعد جو آپ کی خدمت میں آج عرض کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ انبیاء اور رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے...جو بھی خلق کی ہدایت کیلئے مقرر کئے جاتے ہیں، بنائے جاتے ہیں وہ اپنی زندگی کے اندر معصوم ہوتے ہیں وہ کوئی گناہ نہیں کرتے..نبوت سے پہلے بھی...اور نبوت کے بعد بھی،...نہ نبوت سے پہلے ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے اور نہ نبوت کے بعد ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے....اور گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، اہلسنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق...نہ صغیرہ نہ کبیرہ،...انبیاء علیہم السلام سے معصیت صادر نہیں ہوتی اس لئے انبیاء علیہم السلام کا منصب معصوم ہونے کا ہے معصوم ہونے کا عقیدہ انبیاء کے متعلق یہ بھی ضروریات دین میں سے ہے کوئی نبی گناہ گار نہیں ہوتا اور کسی نبی سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی۔

انبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں

اور انسانوں میں انبیاء کے علاوہ کوئی اور معصوم نہیں ہے (یہ بات بھی یاد رکھیے) فرشتوں کو معصوم کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ ان میں صلاحیت ہی نہیں ہے گناہ کرنے کی، وہ مکلف ہی نہیں ہیں ان کی تو اللہ تعالیٰ نے مشینری کچھ ایسی فٹ کی ہے کہ

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ☆

کہ وہ اللہ کی نافرمانی کر سکتے ہی نہیں اور جو اللہ کا حکم ہوتا ہے اسی کے مطابق کرتے ہیں ان کی تو فٹنگ ہی ایسی ہے اللہ کے حکم کے خلاف نہیں چل سکتے وہ زیر بحث نہیں ہے وہ مکلف نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا ایسے طور پر ہے کہ معصیت ان سے صادر نہیں ہو سکتی اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں۔

بچوں کو معصوم کہنا تشبیہاً اور مجازاً ہے:

انسانوں کی آبادی میں جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے پیدا ہونے کے بعد بالغ ہونے تک یہ عمر جو گزرتی ہے اس میں لوگ کہہ دیا کرتے ہیں بچے معصوم ہیں... یہ کہہ دینا تشبیہاً ہوتا ہے.... یہ کہہ دینا مجازاً ہے...اس لئے کہ وہ بچے مرفوع القلم ہوتے ہیں ان کے گناہ کو گناہ شمار نہیں کیا جاتا ذرا بات سمجھے، بچپن سے لے کر بالغ ہونے کے زمانے تک بچے مرفوع القلم ہوتے ہیں ان کے گناہ کو گناہ شمار نہیں کیا جاتا ورنہ جو وہ گناہ کرتے ہیں تو ہوتا وہ گناہ ہی ہے۔

دیکھو ایک بچہ چھوٹا سا ہے.. چوری کرتا ہے تو چوری تو چوری ہے... یہ علیحدہ بات ہے کہ اس چوری کا گناہ اس پر نہیں لکھا جاتا.. اس کا عمل تحریر میں نہیں آتا

☆ (سورہ تحریم۔ آیت ٦)

اللہ تعالیٰ نے اس کو مرفوع القلم قرار دیا ہے۔۔لیکن چوری تو چوری ہی ہے اس چوری کو ہم جائز تو نہیں کہیں گے۔۔یہ تو نہیں کہیں گے کہ یہ گناہ نہیں ہے۔۔۔گناہ ہے۔۔ لیکن اس گناہ کے اوپر مؤاخذہ نہیں ہے۔۔وہ مرفوع القلم ہے۔

بچہ جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ تو بہر حال جھوٹ ہی ہے اس کو ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ جھوٹ نہیں ہے لیکن اس جھوٹ کو اس کے حق میں جرم نہیں شمار کیا جائے گا کیونکہ بالغ ہونے کے زمانے تک اس کو مرفوع القلم قرار دیدیا گیا ہے کہ اس کے اعمال لکھے نہیں جاتے۔

اسی طرح کوئی اور بدمعاشی کرتا ہے کسی قسم کی بھی، تو گناہ تو ہے یہ نہیں کہیں گے کہ وہ گناہ نہیں ہے لیکن مرفوع القلم ہونے کی بناء پر اس جرم کے اوپر اس کو آخرت میں سزا نہیں ہوگی تو سزا نہ ہونے کی وجہ سے، مرفوع القلم ہونے کی وجہ سے مجازاً کہہ دیا جاتا ہے کہ بچے معصوم ہیں۔ ورنہ بچے معصوم نہیں ہوتے بچے گناہ کرتے ہیں تو گناہ ہی ہوتا ہے لیکن گناہ ان کے حق میں گناہ شمار نہیں ہوتا۔

گناہ کرنے پر شریعت میں بچوں کو سزا

یہی تو وجہ ہے کہ شرعاً ان کو سزا بھی دی جاتی ہے آپ نے سنا ہے سات سال کا بچہ بالغ نہیں ہوتا لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ جب سات سال کے ہو جائیں تو انہیں حکم دیا کرو کہ نماز پڑھیں اور اگر وہ بچے نماز نہیں پڑھتے تو پہلے تو ان کو زبانی طور پر سمجھاؤ اور وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا ☆

اور اگر دس سال کے ہو جائیں، دس سال کے ہونے کے بعد نماز نہیں

☆ (مسند احمد۔رقم ۶۴۰۲)

پڑھتے تو ان کی پٹائی کرو ان کو مار مار کے نماز پڑھاؤ اب دس سال کا بچہ بھی بالغ تو نہیں ہوتا لیکن نماز نہ پڑھنے کی بناء پر ان کو مارنے کا حکم آیا ہوا ہے یہ ایک مثال دے رہا ہوں وہ اس لئے کہ بچپن کے اندر اگرچہ گناہ گناہ نہیں لیکن اگر عادت پڑ گئی تو بالغ ہونے کے بعد پھر یہ گناہ کرتا رہے گا اور بگڑ جائے گا۔

بچوں کو احکام شرعیہ پر پابند کرنے میں حکمت

بچپن کے اندر اگرچہ اس کو نیکی کرنے کا حکم نہیں ہے کہ یہ نماز پڑھے۔ نماز اس کے اوپر فرض نہیں لیکن اس کو بچپن کے اندر عادت ڈالو، اگر اس کو بچپن میں نماز پڑھنے کی عادت پڑ گئی تو بالغ ہونے کے بعد پھر یہ نماز چھوڑے گا نہیں اور نقصان سے بچ جائے گا.... اور اگر اس کو نابالغی کے زمانے میں آپ نے عادت نہ ڈالی تو بالغ ہونے کے بعد بھی یہ نماز نہیں پڑھے گا... تو بگڑ جائے گا.... اس لئے بچوں کو مار مار کے ان کی بری عادتیں چھڑائی جاتی ہیں ادب سکھانے کیلئے، تہذیب سکھانے کیلئے ان کو مارا جاتا ہے... جھوٹ بولنے کی سزا ملے گی، چوری کریں گے تو پٹائی ہو گی... اس لئے کہ وہ گناہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور مار پٹائی ان کی اس لئے ہے تاکہ ان کو بری عادت نہ پڑ جائے... اگر بری عادت پڑ گئی تو بالغ ہونے سے پھر یہی حرکتیں کریں گے اور ان حرکتوں کے کرنے کے بعد پھر یہ گرفت میں آ جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نابالغ بچے مرفوع القلم ہوتے ہیں کہ ان کے ان جرائم کو لکھا نہیں جاتا فہرست نہیں مرتب ہوتی ان کا اعمال نامہ مرتب ہونا شروع ہوگا بالغ ہونے کے بعد، لیکن جو گناہ ہے وہ بہر حال گناہ ہی ہوتا ہے

جھوٹ بولیں گے تو انہوں نے گناہ کیا ہے کوئی اور اس قسم کی حرکت کریں گے تو

انہوں نے کیا ہے لیکن گرفت نہ ہونے کی بناء پر کہہ دیا جاتا ہے تشبیہاً کہ یہ معصوم ہیں ان کے ذمے گناہ کوئی نہیں ورنہ ان کی حرکات پر گناہ کا لفظ بولا جاتا اور دنیا کے اندر ان کی تادیباً و تہدیداً مار پٹائی کی جاتی ہے تاکہ ان بری عادتوں سے یہ باز آجائیں۔

اور ایسے ہی ہے پاگل جس کی عقل زائل ہو جائے ایک آدمی پاگل ہو گیا پاگل ہونے کے بعد وہ مرفوع القلم ہو گیا اس کا کوئی گناہ گناہ نہیں لکھا جاتا یعنی آخرت میں اس کو عذاب نہیں ہوگا لیکن جو وہ حرکت کرے گا کہیں گے اس کو معصیت ہی، اس کا فعل صورۃً معصیت ہی ہوگا لیکن آخرت میں عذاب اس لئے نہیں کہ اس کی عقل ٹھکانے نہیں۔

انبیاء کی حفاظت اللہ خود کرتے ہیں

لیکن انسانوں کی آبادی میں، انسانوں کے گھر پیدا ہونے والوں میں، جن کو اللہ تعالیٰ نے آنے والے وقت میں پیغمبر بنانا تھا... رسول بنانا تھا... اور اپنی مخلوق میں اپنا نمائندہ قرار دینا تھا... اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت پیدا ہونے کے بعد ہی سے فرماتے ہیں اور اس کے بچپن میں بھی... اور بچپن کے بعد جوان ہونے میں بھی، اور نبوت کے عمر تک پہنچنے تک (نبوت کی عمر عام طور پر 40 سال ہے کہ جس کو نبوت ملی 40 سال کی عمر میں ملی) ان چالیس سالوں میں وہ نبی نہیں ہوتے، رسول نہیں ہوتے، ان کے اوپر وحی نہیں آتی لیکن اس کے باوجود وہ معاشرے کے اندر زندگی ایسے گزارتے ہیں کہ صورۃً بھی ان سے کوئی گناہ اس قسم کا صادر نہیں ہوتا جس کو ہم معصیت کہہ سکیں اور جس کو ہم برائی کہہ سکیں کہ کل کو جس وقت یہ نبی اور رسول بنیں گے تو لوگ کہیں گے کہ کل تو کیا کرتا تھا اور آج ہمیں سمجھانے کیلئے آ گیا تاکہ لوگ آگے سے یہ الزام نہ

دے سکیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

انسان ماحول کی پیداوار ہے:

عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ انسان ماحول کی پیداوار ہے۔جس قسم کے ماحول میں آنکھ کھولتا ہے اسی قسم کی عادات بچہ اختیار کرتا ہے۔جن گھروں میں ماؤں بہنوں کو نماز پڑھنے کی عادت ہے تو چھوٹے بچے ان کی نقل اتارتے ہوئے ویسے ہی سر پہ کپڑا لینے کی کوشش کریں گے، ویسے ہی الٹے سیدھے ہوں گے،...رکوع سجدے کریں گے اور نماز پڑھنے کی نقل اتاریں گے...اور جن گھروں کے اندر ٹی وی چلتا ہے...اور اس کے اندر ناچ گانے سنتے ہیں...تو چھوٹے چھوٹے بچے ہر وقت ان کو دیکھ کے اسی طرح سے ناچنا شروع کر دیتے ہیں

جس قسم کا ماحول ہوتا ہے....بچہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے...دیکھنے کے بعد اس قسم کی تربیت پا جاتا ہے...اس لئے خوش قسمت انسان وہ ہوا کرتا ہے کہ جس کو ماحول اچھا مل جائے تاکہ اس ماحول کے تقاضے انسان اپنی آنکھ سے دیکھے تو اچھی چیز کو دیکھے....کان سے سنے تو اچھی بات سنے اور اس کان کے رستے....آنکھ کے رستے اچھائی کا تاثر ہو۔تاکہ انسان اچھا ہوتا چلا جائے ورنہ اگر ماحول غلط مل گیا تو آنکھوں کے سامنے غلط حرکتیں ہوں گی....آہستہ آہستہ انسان وہی حرکتیں سیکھ جاتا ہے کانوں کے اندر غلط باتیں آئیں گی تو وہی غلط باتیں انسان کے اوپر اثر انداز ہوں گی....تو دل و دماغ میں وہی باتیں بیٹھ جاتی ہیں....تو ماحول ایک سیلاب کی طرح ہوتا ہے کہ جیسے سیلاب آتا ہے تو سب کو بہا کر لے جاتا ہے اسی طرح سے ماحول کے اثرات میں بچے بھی اسی طرح سے بہہ جایا کرتے ہیں جس طرح سے

سیلاب کے آگے خس و خاشاک بہہ جاتے ہیں۔

انبیاء پر ماحول اثر انداز نہیں ہوتا

لیکن انبیاء علیہم السلام کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان سے کوئی ایسی بات صادر نہیں ہونے دیتے اس لئے کہ جس وقت وہ قوم کے سامنے ہادی اور رہنما بن کے کھڑے ہوں گے تو کوئی یہ نہیں کہہ سکے کہ آج تم آگئے ہو ہمیں سمجھانے کیلئے اور کل تم کیا کرتے تھے؟ اس کے ساتھ انسان کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے۔

عصمتِ انبیاء پر عقلی دلیل

اگر چہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ جب کسی کو اچھی بات بتائی جائے تو اس کو قبول کر لے یہ نہ دیکھے کہ بتانے والا بھی اس کے مطابق عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا، عقل کا تقاضا یہی ہے آپ کو کوئی نصیحت کرے تو آپ کو وہ نصیحت قبول کرنی چاہیے یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ جو نصیحت کر رہا ہے اس کا اپنا عمل بھی اس کے مطابق ہے یا نہیں کہ

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گر نوشت است پند بر دیوار

(ترجمہ) عقل مند آدمی کا کام یہ ہوتا ہے کہ نصیحت قبول کر لے اگر چہ دیوار پہ لکھی ہوئی ہو۔ آپ جانتے ہیں دیوار پر جو نصیحت لکھی ہوتی ہے تو دیوار اس کے مطابق عمل تو نہیں کرتی لیکن آپ دیوار پر پڑھ کے بھی نصیحت حاصل کر لیں عقل مندی کا تقاضا یہی ہے۔ عقل تو یہی کہتی ہے لیکن عام طور پر انسانی مزاج یہ ہے کہ جب کوئی دوسرے کو نصیحت کرتا ہے تو فوراً انسان یہ چیک کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ

کہنے والے کا اپنا کردار کیسا ہے اگر اس کا کردار اس کے مطابق ہوتا ہے تو بات کا اثر ہوتا ہے اور اگر اس کا کردار اس کے مطابق نہیں ہوتا تو پھر وہی بات کان سے ٹکرا کے واپس آ جاتی ہے اور دوسرے کے دل پر عام طور پر اثر نہیں کرتی۔ انبیاء علیہم السلام تو اللہ کی حجت ہوتے ہیں انہوں نے تو بھٹکی ہوئی دنیا کو سیدھا رستہ دکھانا ہوتا ہے اور اگر ان سے کوئی اس قسم کی حرکت صادر ہو جو انسانی زندگی کے اندر کوئی اعتراض کی بات کہلائے تو جب وہ کہیں گے اللہ سے ڈرو تو لوگ کہیں گے آپ ڈرے تھے؟ جب وہ کہیں گے کہ فلاں کام نہ کرو تو کہیں گے آپ نے کیوں کیا تھا؟ تو تبلیغ بے اثر ہو کے رہ جاتی ہے۔

عقلی دلیل کی وضاحت مثال سے

دیکھئے ایک نمونہ آپ کے سامنے عرض کروں حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں صاحب کتاب پیغمبر ہیں انہوں نے پرورش پائی تھی فرعون کے گھر، جب یہ فرعون کے گھر رہ رہے تھے تو فرعون کو اور فرعون کے گھر والوں کو پتہ نہیں تھا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے ہیں یہ تو دریا میں بہتے ہوئے پکڑے گئے تھے اور پتہ نہیں تھا کون ہیں... کون نہیں،... اور ان کو پالنا شروع کر دیا اور حضرت موسیٰؑ چونکہ آنے والے وقت میں پیغمبر بننے والے تھے تو ان کی فطرت بہت صحیح تھی وہ فرعونیوں کے ظلم و ستم سب کچھ دیکھتے اور دیکھ کے دل دل میں کڑھتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کا قتل ہو جانا

قرآن کریم نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام دوپہر کو کہیں باہر نکلے جبکہ اس وقت... عام طور پر آبادی سنسان ہوتی ہے... لوگ اپنے گھروں

میں آرام کرنے کیلئے چلے گئے تھے...تو ایک اسرائیلی کو ایک قبطی کے ہاتھ میں گرفتار دیکھا...جو قبطی زیادتی کر رہا تھا...وہ کوئی فرعون کا آدمی تھا اور وہ اسرائیلی اس کا کام نہیں کرتا تھا تو قبطی اس کے اوپر ظلم کر رہا تھا موسیٰ علیہ السلام پاس سے گزرے انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی ظلم کر رہا ہے اور دوسرا مظلوم ہے...مظلوم نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی، موسیٰ علیہ السلام نے روکنے کی کوشش کی کہ تو باز آجا...(ہر دار میں اکڑ ہو یا نہ ہو اس کے متعلقین میں اکڑ بہت ہوتی ہے) وہ فرعون کا جو خصوصی تھا وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اکڑ گیا تو چھڑانے کیلئے موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ایک مکا مار دیا فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى، (قرآن کریم میں جس طرح سے آتا ہے)

موسیٰ علیہ السلام کا مکا مارنا اس کے ظلم کو روکنے کیلئے تھا قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن اس کے ایسے لگا کہ اس غریب نے پانی بھی نہ مانگا ایک ہی مکا لگا اور گیا، وہ پار ہوا، موسیٰ علیہ السلام سے یہ فعل صادر ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام خود گھبرا گئے کہ یہ کیا ہو گیا اسی وقت پچھتائے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا. قصداً نہیں کیا تھا ارادۃً نہیں کیا تھا اس لئے یہ معصیت کی تعریف میں نہیں آتا (یہ بعد میں بتاؤں گا آپ کو کہ معصیت کسے کہتے ہیں) لیکن بہرحال ایک آدمی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہو گیا جس وقت یہ آدمی قتل ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق پھر مشہور ہوا فرعون کے دربار میں، کہ یہ کہیں وہی لڑکا نہ ہو جس کے متعلق مشہور تھا کہ کوئی لڑکا پیدا ہو گا اور فرعون کا تخت الٹ دے گا یہ وہی نہ ہو تو رجحان اس طرف پیدا ہوا کہ اس کو قتل کر دینا چاہیے یہ تو وہی معلوم ہوتا ہے اس دربار میں جو مشورے ہو رہے تھے تو کسی نے آکے موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا کہ تیرے تو قتل کا مشورہ ہو رہا ہے تو وہ بھاگ گئے اور شہر سے نکل گئے اور نکل کے مدین چلے گئے مدین جا کے بکریاں چراتے

رہے اور وقت گزارا، اور جب اپنی میعاد پوری کر کے واپس آرہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے طور پر بلا کے پیغمبری دے دی اور حکم دے دیا کہ جا فرعون کے دربار میں۔

اب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں آگئے ہارون بھی ساتھ ہیں دونوں بھائی فرعون کے دربار میں آگئے۔

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو الزام دینا

جس وقت آ کے فرعون کو دعوت دی تو سورہ شعراء میں قرآن کریم کہتا ہے کہ فرعون نے کہا کہ

اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنَ ☆

تو چھوٹا سا نہیں تھا جس کو ہم نے پالا تو فرعون نے پہچان لیا نہ؟ کہ یہ تو وہی ہے جو ہمارے گھر میں پرورش پا کے گیا ہے تو فوراً یاد دلایا کہ تو چھوٹا سا نہیں تھا جس کو ہم نے پالا اور ہمارے اندر تو نے اپنی عمر کے کئی سال گزارے اور آگے کہا

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ☆☆

اور پھر تو نے جو کرتوت کیا تھا تجھے یاد ہے؟ اور تو ناشکروں میں سے تھا کہ ہمارا کھایا اور ہمارا آدمی مارا، فرعون نے الزام دیا نہ؟ موسیٰ علیہ السلام سے ایک بات ہوئی تھی اور فرعون نے فوراً جتا دی۔

موسیٰ علیہ السلام کا دندان شکن جواب

یہ علیحدہ بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں ایسا دندان شکن جواب دیا کہ جس کے بعد فرعون پھر یہ بات زبان پہ نہیں لا سکا.... اور موسیٰ

☆ (سورہ شعراء۔ آیت ۱۸) ☆☆ (سورہ شعراء۔ آیت ۱۹)

علیہ السلام نے اپنی صفائی دی اور یہ کہا ٹھیک ہے مر گیا تھا میرے ہاتھ سے، اور اس وقت میں سمجھتا تھا میری غلطی ہے.... لیکن پھر میں تم سے ڈر کے بھاگ نہیں گیا تھا

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ ☆ میں تم سے ڈر کے بھاگ نہیں گیا تھا اور آج میں اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں اگر میں اللہ کا بھیجا ہوا نہ ہوتا تو آج میرے ساتھ کون سی فوج ہے؟ کہ اس وقت تو ڈر کے بھاگ گیا آج تمہارے سامنے آیا کھڑا ہوں۔

اور تو مجھے ایک آدمی کے مارنے کا الزام دیتا ہے...اور خود ساری قوم کو غلام بنائے بیٹھا ہے...ساری قوم کو ہلاک کر کے رکھ دیا ہے.... تیرا منہ ہے کہ تو مجھے ایک آدمی کا طعنہ دے.... کہ ایک آدمی میرے ہاتھ سے مر گیا،...اور وہ جو مرا تھا وہ بھی تو اس لئے مرا تھا کہ تو اور تیری قوم ان پر ظلم کرتی تھی...اس لئے میرے ہاتھ سے وہ مر گیا...تو کون سے الزام کی بات ہے؟

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں اپنی اس بات کو اچھی طرح سے صاف کیا کہ بعد میں جتنی دیر تک موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ چلتا رہا کسی جگہ بھی یہ اشارہ موجود نہیں کہ فرعون نے کہا ہو کہ تو نے یہ غلطی کی، موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح سے اپنی صفائی دی اور بالکل بات اچھی طرح سے حقیقت کے طور پر ثابت کر دی۔

لیکن میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دیکھو ایک بات ہوئی تھی..کہ جب انہوں نے آ کر اپنے آپ کو اللہ کا نمائندہ قرار دیا تو فرعون نے فوراً وہ غلطی یاد دلا دی۔ اس طرح سے اگر انبیاء علیہم السلام سے کوئی غلطیاں اس قسم کی ہوتیں...چاہے اندر خانہ وہ کچھ

☆ (سورہ شعراء۔ آیت ۲۱)

ہوتے ..لیکن معاشرہ کہہ سکتا تھا کہ آج تم ہمیں جھوٹ بولنے سے روکتے ہو کل تم جھوٹ بولتے تھے.... آج تم ہمیں چوری کرنے سے روکتے ہو کل تو تم چور تھے ...آج ہمیں کہتے ہو کہ غریبوں پہ ظلم نہ کرو کل تو تم ظلم کرتے تھے.... اس قسم کے الزام سے بچانے کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ پہلے دن سے ہی انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کرتے ہیں اور ان سے کوئی اس قسم کی حرکت صادر نہیں ہونے دیتے.... جو کسی وقت کوئی الزام کے طور پر ان کو یہ کہہ سکے کہ تم نے اس وقت فلاں بات کی تھی آج کس منہ کے ساتھ ہمیں کہتے ہو کہ تم یہ نہ کرو.... اس لئے انبیاء علیہم السلام کا منصب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کسی قسم کا گناہ ہونے نہیں دیتا چونکہ آنے والے وقت میں اس کو نمونہ بنانا ہوتا ہے اور وہ نمونہ صحیح طور پر تبھی بنیں گے جس وقت ان کا اپنا کردار اتنا صاف ہو کہ کوئی الزام نہ دے سکے۔

حضور ﷺ کے کردار کی صفائی مشرکین مکہ کی زبانی

جیسے حضورؐ نے جب مشرکین کے سامنے بات کی، بات کرنے کے بعد مشرکین نے یہی کہا تھا کہ ہم نے آپ کو بار بار آزمایا کبھی بھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا اس لئے آپ جو بات کہیں گے وہ صحیح ہوگی تو یہ امانت، یہ دیانت، یہ سچائی اتنی واضح تھی سرورِ کائنات کی، کہ مشرکین بھی اس کے اوپر کوئی کسی قسم کی انگلی نہیں رکھ سکے۔ تو انبیاءؑ کے معصوم ہونے کا عقیدہ یہ بھی ضروریات دین میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر نہیں ہوا کرتے۔

معصیت کی حقیقت

اور ایک بات یاد رکھیے کہ معصیت کہتے کسے ہیں؟ گناہ کیا ہوتا ہے؟ اس کو

سمجھنے کے بعد پھر انبیاء کے متعلق جو بعض واقعات پیش آئے ہوئے ہیں ان کی توجیہ آسان ہو جائے گی۔ معصیت کا معنی یہ ہوا کرتا ہے کہ انسان اپنے قصد اور ارادے کے ساتھ جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے، جانتے بوجھتے ہوئے اس کام کو کرے معصیت سمجھتے ہوئے اس کام کو کرے یہ ہے اصل کے اعتبار سے گناہ، اور اگر کچھ ایسا مغالطہ لگ گیا کہ یاد ہی نہیں رہا کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے، نسیان ہو گیا... یا اپنے طور پر اچھا کام کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نتیجتاً کوئی کام خراب نکل آیا...، جیسے موسیٰؑ نے اچھا کام کرنے کی کوشش کی تھی لیکن نتیجۃً آدمی مر گیا... قرآن کریم کہتا ہے کہ آدمؑ کو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ اللہ نے روکا ہے یا یاد ہی نہیں رہا تھا کہ اللہ نے فرمایا تھا کہ شیطان تیرا دشمن ہے... اس کی بات نہ ماننا اور شیطان قسمیں کھا کے دھوکے دے گا۔

انبیاء سے لغزش ہو سکتی ہے

اچھے جذبے کے تحت ایک کام کیا جائے لیکن انسان ہونے کی وجہ سے نسیان طاری ہو جائے کوئی اور اس قسم کا شبہ ہو جائے کہ نتیجہ اس کے مطابق اچھا نہ نکلے اس کو لغزش کہتے ہیں... اس کو معصیت نہیں کہتے... لغزش کا معنی ہوتا ہے پاؤں پھسل جانا، جیسے آپ چلتے ہیں آپ کا ارادہ گرنے کا نہیں ہوتا لیکن اچانک پاؤں پھسل جاتا ہے... آپ گر جاتے ہیں اس کو لغزش کہا جاتا ہے

لغزش انبیاء سے ہو سکتی ہے اجتہادی طور پر...، اپنے طور پر کوشش کریں گے کہ کام اچھا ہو لیکن کسی وجہ سے کوئی بات چوک گئی اور وہ کام ایسا ہو گیا جو اللہ کو پسند نہیں..... لیکن اس کے باوجود فوراً اللہ کی طرف سے مطلع کیا جاتا ہے تاکہ وہ کام کسی

کیلئے نمونہ نہ بنے غلطی پر نبی کو برقرار نہیں رکھا جاتا۔

انبیاء کے واقعات کی بہترین توجیہ

تو انبیاءؑ کے واقعات جو قرآن کریم میں نقل کئے گئے یا حدیث شریف میں نقل کئے گئے جن سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان سے کوئی غلطی ہوگئی تھی۔ گناہ ہو گیا تھا اور اللہ نے اس پر گرفت کی ہے حقیقت کے اعتبار سے وہ معصیت نہیں بلکہ اس کو لغزش کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے وہ قصداً اللہ کی فرمانبرداری ہی کرتے ہیں ارادۃً وہ اچھا کام ہی کرتے ہیں لیکن کوئی بھول چوک ہو جائے....اجتہاد کے اندر کسی قسم کی خطاء ہو جائے ایسے طور پر ہوسکتا ہے اور فوراً اللہ کی طرف سے تنبیہ کے ذریعے ان کو سنبھال لیا جاتا ہے اور ان کو اس غلطی کے اوپر برقرار نہیں رہنے دیا جاتا تاکہ ان کی یہ بات آنے والے لوگوں کیلئے کسی قسم کا نمونہ نہ بنے۔ فوراً ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ یہاں لغزش ہوئی اور وہ انبیاء سنبھل جاتے ہیں۔

اور سنبھلتے بھی اس طرح سے ہیں کہ اللہ کے سامنے جتنا نبی ڈرتا ہے اور جتنا نبی اللہ کے سامنے روتا ہے مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں روتا اس کی حقیقت بھی یہ ہے خَوْفُ الْعَبْدِ قَدْرَ التَّقَرُّب بندہ جتنا مقرب ہوا کرتا ہے ڈرتا اتنا ہی زیادہ ہے یہ بھی ایک اصول ہے جتنا اللہ کا مقرب زیادہ اتنا ہی اللہ سے زیادہ ڈرے گا۔

عصمتِ انبیاء پر دوسری دلیل

گناہ اگر ہم سے صادر ہوتا ہے تو اس کے دو سببوں میں سے ایک سبب ہوتا ہے یا تو انسان کو علم نہیں ہوتا کہ یہ برا کام ہے اس لئے انسان کر بیٹھتا ہے یا علم ہوتا ہے لیکن خوف نہیں ہوتا اللہ سے ڈرتا نہیں....ہم جانتے بوجھتے ہوئے گناہ کرتے

ہیں اس لئے کہ دل میں خوف نہیں ہوتا... لیکن نبی جو ہوا کرتا ہے وہ اپنے وقت کے انسانوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے اور صحیح علم رکھنے والا ہوتا ہے اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوتا ہے.... اس لئے نبی اپنے قصد اور ارادے کے ساتھ کبھی بھی ایسا کام نہیں کر سکتا جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ ہاں البتہ ارادہ نیک ہوگا نیت نیک ہوگی اپنے طور پر کام اچھا سمجھ کے کریں گے لیکن پھر اگر کسی قسم کی بھول چوک ہو جائے تو اس کو معصیت نہیں کہتے اس کو لغزش کہتے ہیں۔

لغزش پر بھی انبیاء کا قیامت تک ڈرنا

لیکن اس کے باوجود انبیاء اس کے اوپر روتے ہیں... بار بار اللہ سے استغفار کرتے ہیں اور اس کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ قیامت تک ڈرتے ہیں... کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کے اوپر گرفت نہ کر لے قیامت کے دن جس وقت اللہ کے پاس سفارش کرانے کیلئے مخلوق ان کے پاس جائے گی.. جس جس نبی سے جو لغزش ہوئی ہے وہ اس لغزش کو یاد کر کے جرأت نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کی، ...مخلوق کہے گی کہ ہماری سفارش کر دو... وہ کہیں گے نہ؟... ہم سے یہ بات ہوگئی تھی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پوچھ لے کہ تم نے یہ کام کیوں کیا تھا.... آج اللہ کا جلال بہت زیادہ ہے.☆ تو قیامت تک اس کی تلخی باقی رہے گی تو انبیاء سے بظاہر اس قسم کی بات صادر ہو تو اس کو لغزش کہا جاتا ہے اور لغزش حقیقت میں معصیت نہیں ہوتی جس پر تقرب کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے لیکن رو دھو کر اللہ کے سامنے گڑگڑا کر اس کی بھی صفائی کر دیتے ہیں۔ بہرحال یہ عقیدہ اتنا اپنے ذہنوں

☆ (بخاری ۱/۴۷۰-۲/۶۸۴- مسلم ۱/۱۱۱).

کے اندر رکھنا ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور نبی کے علاوہ انسانوں کی آبادی میں کوئی اور معصوم نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ

لگتے ہاتھ یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کر دوں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے واقعات میں لکھا ہے (ہمارے بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہؒ جو بارہویں صدی کے مجدد ہوئے ہیں ان کا یہ منصب بہت نمایاں ہے کہ خواب میں۔ بیداری میں حضورؐ کی ان کو بہت زیارت ہوتی تھی) تو حضرت نے ان واقعات کو فیوض الحرمین میں جمع کر دیا ہے۔

ائمہ کو معصوم ماننا کفریہ عقیدہ ہے

ان واقعات میں سے ایک واقعہ یہ لکھا ہے کہ میں نے حضورؐ سے روحانیت کے ربط کے ساتھ سوال کیا خواب کا واقعہ ہے کہ حضورؐ کی زیارت ہوئی میں نے شیعوں کے مذہب کے بارے میں سوال کیا کہ ان کا مذہب کیسا ہے (یہ مبشرات میں چھپی ہوئی بات ہے) شیعوں کے مذہب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ باطل، یعنی ان کا مذہب باطل ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ان کے مذہب کا بطلان لفظ امام میں ہے تو حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں جب بیدار ہوا تو مجھے یہ خواب یاد آیا تو میں نے لفظ امام کے اندر غور کرنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ شیعوں کا عقیدہ امام کے متعلق معصوم ہونے کا ہے کہ وہ کوئی غلطی نہیں کرتے اور ان کے اوپر وہ وحی اترنے کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو منصب دیتا ہے منصب دینے کے بعد وہ معصوم ہوتے ہیں کوئی گناہ نہیں کرتے امام کے متعلق

ان کا جو عصمت کا عقیدہ ہے یہ اصل کے اعتبار سے ختم نبوت کا انکار ہے نبوت سرور کائناتؐ پر ختم ہوگئی معصوم نبی ہوتا ہے غیر نبی نہیں ہوتا اور ان کا ائمہ کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ یہی ان کے مذہب کے باطل ہونے کی دلیل ہے اس لئے یہ عام طور پر لکھتے ہیں امام معصوم، امام معصوم، یہ لفظ استعمال کرتے ہیں یہ لفظ کفریہ ہے اور کبھی بھی بھول کر آپ کسی امام کو معصوم نہ کہیں معصوم ہونے کا مرتبہ سرور کائناتؐ پہ ختم ہو گیا اب آگے انسانوں کے اندر کوئی معصوم نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اگر کوئی گناہ ہو، معافی مانگ لی جائے اللہ معاف کردے، مغفور ہو سکتا ہے کہ گناہ ہونے کے بعد بھی اللہ بخش دے لیکن جس کو معصوم کہتے ہیں کہ معصیت صادر نہ ہو وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی دوسرا نہیں اس لئے ائمہ اہل بیت کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ معصوم تھے یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے اس عقیدے کی اسلام کے ساتھ کوئی کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے۔

تو انبیاءؑ کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ اور غیر انبیاء کے متعلق معصوم نہ ہونے کا عقیدہ، یہ بھی نبوت کے لوازم میں سے ہے اور اس عقیدے کو بھی خوب اچھی طرح سے سمجھ لیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

اطاعتِ رسول ﷺ

بموقع : ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام : جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت : بعد عشاء

تاریخ : ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

اطاعت رسول

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم .لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الآخِرَ وَذَکَرَاللّٰہَ کَثِیْرًا ☆ وَقَالَ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْن.☆☆ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَماً اِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ بِہٖ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ☆☆☆ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی

☆(سورہ احزاب. آیت ۲۱)☆☆(سورہ جمعہ. آیت ۲) ☆☆☆(ترمذی ۲/۹۷ابوداود۲/۱۵۷۔مشکوۃ ا/۳۴)

آیات واحادیث کا ترجمہ

سورۂ احزاب کی آیت پہلے نمبر پر آپ کے سامنے پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اسوۂ حسنہ ہے۔ اسوۃ کہتے ہیں نمونے کو..... اور حسنۃ کے معنی اچھا..... تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے..... اور آگے فرمایا کہ اچھا نمونہ ان لوگوں کے لئے جو اللہ سے امید رکھتے ہیں۔ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔

یعنی اللہ سے تعلق رکھنے والے اور یوم آخرت سے ڈرنے والے اور اللہ کو بہت یاد کرنے والوں کے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے۔

اور دوسری آیت جو پڑھی اس کا معنی یہ ہے..... ھو الذی بعث فی الامیین رسولا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا انہیں میں سے ..... جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا اور وہ لوگ اس رسول کے آنے سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

اور آگے حدیث شریف کا ایک ٹکڑا پڑھا ہے..... سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے ورثے کے اندر دینار اور درہم نہیں چھوڑے..... انبیاء نے ورثے میں علم چھوڑا ہے اور جس شخص نے علم حاصل کر لیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا..... بہت بڑا نصیبہ پا لیا......

تمہید

کئی ہفتوں سے بیان کا سلسلہ چونکہ رسالت کے متعلق ہی چلا آ رہا ہے

...... انبیاء علیہم السلام کے متعلق کیا کیا عقیدے ہونے چاہئیں اور اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحیح نظریہ کیا ہے وہ بالترتیب متعدد بیان آپ کے سامنے ہو چکے اور آج کا یہ بیان خصوصیت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے جس میں اطاعت رسول کی اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

نمونے کو سمجھنے کیلئے درزی اور کپڑے کی مثال

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے...... نمونہ کیا ہوتا ہے؟...... آپ حضرات جانتے ہیں۔ آپ کپڑا خریدتے ہیں اور ایک قمیص بنوانا چاہتے ہیں تو درزی کے پاس آپ جا کے کہتے ہیں کہ میرے لئے قمیص سی دو اور ویسی سی دو جیسی یہ میں نے پہن رکھی ہے...... اپنی پسندیدہ قمیص آپ درزی کے پاس چھوڑ دیتے ہیں کہ تو نے ایسی قمیص تیار کرنی ہے تو یہ قمیص جو آپ نے درزی کے پاس چھوڑی ہے یہ آپ نے درزی کو نمونہ دیا ہے اپنی پسندیدہ قمیص کا

اب درزی کا فرض یہ ہے کہ اس قمیص کو وہ دیکھتا جائے اور ویسی قمیص بناتا جائے...... جتنی وہ نیچی ہے اتنی نیچی رکھے...... جتنی وہ کھلی ہے اتنی کھلی رکھے...... جتنے اس کے بازو لمبے ہیں اتنے بازو لمبے بنائے...... جیسا اس کا گریبان ہے ویسا گریبان بنائے......

تو جس وقت وہ قمیص تیار کر لے گا اور آپ جا کے اس کو دیکھیں گے...... اگر تو آپ کے دیئے ہوئے نمونے کے مطابق اس نے سی ہے...... تو آپ خوش ہو جائیں گے اور اس کو اس کی اجرت خوشی کے ساتھ دے دیں گے اور اپنی قمیص

حاصل کرلیں گے اس کا شکریہ ادا کریں گے..... تعریف کریں گے..... جو مزدوری اس کے ساتھ طے ہوئی ہے آپ اس کو خوشی کے ساتھ دے دیں گے۔

اور اگر اس درزی نے قمیص سیتے وقت آپ کے نمونے کی رعایت نہیں رکھی بلکہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ نمونہ تو ٹھیک نہیں اور اپنے ذہن کے مطابق قمیص سینی شروع کردی جتنی آپ نے نیچی قمیص دی اس نے اس سے چار گرہیں اور لمبی رکھ دی یا چار گرہیں چھوٹی کردی..... جتنا بازو آپ نے بنانے کے لئے کہا تھا اس نے بازو اس سے زیادہ کھلے کردیئے یا اس سے زیادہ لمبے کردیئے یا چھوٹے کردیئے تو جس وقت آپ اس کے پاس جا کے سلی ہوئی قمیص کو دیکھیں گے تو آپ کی طبیعت پہ انقباض طاری ہوجائے گا اور آپ کہیں گے یہ تو نے کیا کیا؟..... وہ ایک ایک جزء کے متعلق دلائل کا ڈھیر لگادے گا کہ جتنی تو نے قمیص نیچے رکھی تھی وہ ٹھیک نہیں تھی اور جتنی میں نے رکھی ہے یہ ٹھیک ہے اور اس میں یہ فائدہ ہے..... یہ فائدہ ہے..... جتنی تو نے نیچے رکھی تھی یہ ٹھیک نہیں اس لئے میں نے اونچی رکھ دی یہ بہت اچھی لگے گی۔ اور بازو جو تو نے لمبے بنائے تھے یہ ٹھیک نہیں تھے اس سے چھوٹے ہونے چاہئیں تھے اپنے طور پر وہ بڑے شاندار طریقے سے دلائل دے گا اور کہے گا کہ میری سلی ہوئی قمیص ٹھیک ہے تو آپ کہیں گے کہ مجھے اس سے کیا بحث کہ ٹھیک تھی یا نہیں تھی؟ جو نمونہ میں نے دیا تھا تجھے اس کے مطابق بنانی چاہیے تھی..... تیرے پاس ہزار دلائل ہیں کہ تو نے نمونہ اچھا تیار کیا ہے لیکن مجھے نہیں پسند جو نمونہ میں نے دیا تجھے قمیص اس کے مطابق بنانی چاہیے تھے اس لئے آپ اس کو پیسے تو کیا دیں گے..... الٹا برا بھلا کہیں گے اور کہیں گے کہ کپڑے کا ستیاناس کردیا اب یہ اپنے نمونے کی بنائی ہوئی قمیص تو اپنے پاس ہی رکھ مجھے تو میرے کپڑے کے پیسے دے

دے۔ اگر آپ کا درزی کے ساتھ جھگڑا ہو جائے اور دس آدمی سمجھدار وہاں اکٹھے ہو جائیں...... آ کے وہ پوچھیں کہ جھگڑا کیا ہے تو آپ ہی بتائیں گے کہ میں نے اس کو قمیص کا ایک نمونہ دیا تھا...... کہ قمیص ایسی بنانی ہے اور اتنا قیمتی میرا کپڑا تھا...... لیکن اس نے میرے کپڑے کا ستیاناس کر دیا...... اس نے اپنی پسند کی قمیص سی ہے یہ اپنے گلے میں ڈال لے...... مجھے نہیں پسند...... تو وہ دس آدمی سمجھدار جو کھڑے ہوں گے وہ آپ کی تائید کریں گے یا درزی کی؟ آپ کی تائید ہی کریں گے نہ؟ کہ جب کپڑا اس نے دیا تھا...... اجرت اس نے دینی تھی...... تو جیسی قمیص اس کو چاہئے تھی درزی کو چاہئے تھا کہ ویسی بناتا...... درزی کو پسند تھی یا نہیں اس سے بحث نہیں ہے یہ ہوتی ہے نمونے کی حیثیت...... نمونہ اگر کسی کو دیدیا جائے تو دوسرا آدمی تیار شدہ چیز اس کے مطابق دیکھا کرتا ہے مطابق ہوگی تو اس کو پسند ہوگی اور جو معاوضے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو اجرت بھی مل جائے گی اور اگر نمونے کے مطابق چیز تیار نہ ہو تو مالک کو پسند نہیں آئے گی اور اجرت تو اس نے کیا دینی ہے الٹا سزا دینے پر تل جائے گا اور ناراضگی کا اظہار کرے گا تو نمونے کی حیثیت یہ ہوا کرتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنانے کا مقصد

یہاں جو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے تو یہ نمونہ کس لئے ہے؟...... اس لئے ہے کہ اگر تم...... میرے مطیع بننا چاہتے ہو۔

میرے فرمانبردار بننا چاہتے ہو...... میرے سے جنت لینا چاہتے ہو۔

اور اجر وصول کرنا چاہتے ہو...... میرے نزدیک پسندیدہ بننا چاہتے ہو۔

تو مجھے تو یہی چیز پسند ہے جو میں بطور نمونے کے تمہیں دے رہا ہوں...... جو

اس نمونے کے مطابق آئے گا وہ پسند ہے اور جو اس نمونے کے مطابق نہیں آئے گا وہ پسند نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے نزدیک ایک پسندیدہ شخصیت قرار دے کر مخلوق کے اندر بطور نمونے کے بھیج دیا کہ اگر تم میرے نزدیک اچھا بننا چاہتے ہو تو اس جیسے بن کے آؤ گے تو مجھے پسند ہو گا اور اگر اس جیسے بن کے نہیں آؤ گے تو مجھے پسند نہیں۔ اب ایک آدمی اس نمونے کے خلاف کوئی چیز تیار کرے خواہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو مالک نہیں پسند کرے گا۔ ناراضگی کا اظہار کرے گا۔

دوسری مثال سرکاری اور جعلی نوٹ کے ساتھ

سمجھانے کے لئے غالباً میں نے پہلے مثال بیان کی ہو گی اور اس کو یاد رکھے آپ...... کہ ایک سرکاری نوٹ ہے جس کو ہم استعمال کرتے ہیں...... کاغذ کا بنا ہوا ہے اور اس کے اوپر پھول بوٹے ہیں...... اور اس کے اوپر وزیر خزانہ کے دستخط ہوتے ہیں وہ ہم بازار میں لے جاتے ہیں اس کی مالیت ہمیں مل جاتی ہے۔

نیا ہو تو مل جاتی ہے...... پرانا ہو تو مل جاتی ہے

پھٹا ہو تو بھی اس کی مالیت مل جاتی ہے

ایک آدمی اٹھ کر اس سے بہتر کاغذ لے لے اور جیسے اس کے اوپر پھول بوٹے ہیں اس سے بہتر پھول بوٹے بنا لے جیسے عید کارڈ کے طور پر 100، 100 کے نوٹ 500، 500 کے نوٹ بکا کرتے ہیں۔

تو بہترین کاغذ لگا کے بہترین پھول بوٹے اس کے اوپر بنا لیتا ہے...... بنا کر اگر وہ 100 روپے کے نوٹ کے مقابلے میں بازار میں لے کے جاؤ اور اس کو چلانا چاہو تو لوگ جس وقت دیکھیں گے کہ اس کے اوپر سرکاری مہر نہیں ہے...... اس کے

اوپر سرکاری آدمی کے دستخط نہیں ہیں...... یہ پاس شدہ نوٹ نہیں...... منظور شدہ نوٹ نہیں...... تو کیا اس کی مالیت آپ کو مل جائے گی؟ (نہیں)...... اگر آپ جعل سازی کے طور پر اس کو چلانے کی کوشش کریں گے تو آپ گرفتار تو ہوسکتے ہیں کہ اس نے جعلی سکہ چلانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کے اوپر آپ کو کوئی کسی قسم کی مالیت نہیں ملے گی۔

اعمال کے پسندیدہ ہونے کا معیار

بالکل اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اعمال پسندیدہ ہیں وہ وہی ہیں جو اس نمونے کے مطابق ہوں گے جس کے اوپر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوگی اور جو عمل اس نمونے کے مطابق نہیں ہوگا...... اپنے طور پر اس کو کتنا ہی خوبصورت کر کے کیوں نہ بنالو...... زیادہ سے زیادہ اس کو خوبصورت کرلو لیکن اللہ کے ہاں مردود ہوگا بلکہ وہ اللہ کی سلطنت کے اندر ایک جعلی سکے کے طور پر سمجھا جائے گا اللہ کے ہاں وہ کوئی اجر نہیں پائے بلکہ اللہ کی ناراضگی کا باعث بنے گا......

سنت اور بدعت میں بنیادی فرق

سنت اور بدعت کے اندر بنیادی طور پر یہی فرق ہوا کرتا ہے۔ سنت وہ عمل ہے جس میں نبی کے نمونے کی رعایت رکھی گئی ہو اور بدعت وہ عمل ہے جو نبی کے نمونے کے خلاف جاری کرلیا گیا ہو...... اپنے طور پر اس کو بنالیا ہو...... چاہے بظاہر کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو......

مثال (۱) اذان کے آخر میں پورا کلمہ پڑھنا

دیکھو ہم اذان کہتے ہیں...... اذان میں اللہ کے نبی نے ہمارے سامنے ایک

نمونہ رکھ دیا...... اللہ اکبر...... سے شروع ہوتی ہے...... لا الٰہ الا اللہ پہ ختم ہوجاتی ہے......اب ایک آدمی کہتا ہے...... کیا وجہ ہے کہ یہ مؤذن لاؤڈ سپیکر پر آدھا کلمہ پڑھتا ہے...... پورا کیوں نہیں پڑھتا؟ اس لیئے وہ آخری کلمے کو لا الٰہ الا اللہ...... کی بجائے...... لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا شروع کردیتا ہے......اور وہ کہتا ہے کہ کلمہ آدھا کیوں پڑھتے ہو؟ کیا تمہیں محمد رسول اللہ سے چڑ ہے؟ اور وہ اپنی زبان زوری کے ساتھ اذان کے اندر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ...... پڑھنا شروع کردیتا ہے......تو یہ اذان سنت ہوگی یا بدعت ہوگی؟ (بدعت ہوگی)...... کیوں بدعت ہوگی کہ اس میں سنت کے نمونے کی رعایت نہیں رکھی گئی......ورنہ بات اس نے کوئی غلط کہی ہے؟ بات صحیح ہے لیکن ایسے موقع پر کہی ہے کہ جس کے اندر سنت کے نمونے کی رعایت نہیں رکھی گئی تو کلمہ پڑھنا بھی بدعت ہوگیا......

مثال (۲) اذان کے شروع بسم اللہ کا اضافہ

اور اذان کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے؟ اللہ اکبر، اللہ اکبر سے...... یہ مسئلہ یاد رکھیں...اگر کوئی شخص اذان کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز کے ساتھ اذان کے متصل پڑھے اذان کے لب و لہجے کے ساتھ......جس طرح سے اذان دی جاتی ہے......لاؤڈ سپیکر کھولتا ہے......کھولنے کے بعد بلند آواز سے پڑھتا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ اکبر...... اللہ اکبر......تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا یہ بھی بدعت ہے سنت نہیں...... کیونکہ سرور کائنات ﷺ نے ہمارے سامنے یہ نمونہ نہیں رکھا...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذان کہلوائی...... بلال نے جو اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہی...... چودہ سو سال سے جو اذان

ہمارے سامنے مروج چلی آ رہی ہے وہ بغیر بسم اللہ کے ہے۔

اب اگر کسی کو شوق اٹھے کہ یہ اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے...... جب ہر کام کے شروع میں اللہ کا نام ہے تو اذان کے شروع میں اللہ کا نام کیوں نہیں......تو اگر کوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اذان شروع کرے گا بلند آواز کے ساتھ (چپکے چپکے جو چاہو کرو) تو ہم اس اذان کو بدعت کہیں گے ہم اس اذان کو سنت نہیں کہیں گے یہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ یہ اللہ کے ہاں مردود ہوگی...... کیونکہ اس میں سرورِ کائنات ﷺ کے نمونے کی رعایت نہیں رکھی گئی۔ اس لئے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بلند آواز سے یہ بھی غلط اور آخر میں پورا کلمہ پڑھنا یہ بھی غلط۔

اپنے طور پر جو بھی اضافہ لگائیں...... کتنے ہی دلائل کے ساتھ آپ اس کو خوبصورت کرنے کی کوشش کریں لیکن جب اس میں رسول اللہ ﷺ کے نمونے کی رعایت نہیں رکھی گئی تو یہ عمل مردود ہے یہ عمل مقبول نہیں ہے...... یہ ایک واضح سی مثال میں نے آپ کے سامنے رکھ دی کہ دیکھو بات کتنی صحیح ہے...... محمد رسول اللہ...... کتنا واقعہ کے مطابق ہے۔ عقیدہ ہے۔

لیکن جب آپ اذان کے آخر میں پڑھیں گے تو یہ مردود ہو جائے گا مقبول نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی رعایت نہیں رکھی گئی۔

چھینک کے وقت درود پڑھنے پر حضرت ابن عمرؓ کا ٹوکنا

ایک مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ (مشکوۃ شریف میں واقعہ آتا ہے۔ باب الاوطاس میں) ایک آدمی کو چھینک آ گئی...... چھینکنے کے بعد وہ کہتا ہے السلام علی رسول اللہ...... جب اس نے یوں کہا......تو

حضرت ابن عمر تو بہت محب سنت تھے۔ وہ تو بدعت کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ جس وقت انہوں نے سنا تو فوراً ٹوکا۔ کہنے لگے کہ میں بھی کہتا ہوں..... السلام علی رسول اللہ..... کہیں مجھے السلام علی رسول اللہ کا منکر نہ سمجھ لینا..... میں بھی کہتا ہوں..... لیکن..... لَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ☆ چھینکنے کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ نہیں سکھایا کہ تم کہو السلام علی رسول اللہ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ بتایا ہے کہ جس وقت کسی کو چھینک آئے تو وہ کہے الحمد للہ..... یا کہے الحمد للہ رب العالمین یا الحمد للہ علی کل حال تینوں قسم کے کلمے ثابت ہیں..... جو شخص چھینکنے پر کہے گا الحمد للہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کے مطابق بات کی..... یہ بات باعث اجر ہے اللہ کے ہاں قبول ہے..... الحمد للہ رب العالمین کہہ دے..... یہ نمونے کے مطابق ہے..... قبول ہے..... الحمد للہ علی کل حال کہہ دے..... نمونے کے مطابق ہے..... قبول ہے.....

لیکن اگر اس موقع پر السلام علی رسول اللہ..... یا..... الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کہے..... تو اگرچہ درود کا کلمہ ہے لیکن چونکہ اس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور نمونے کی رعایت نہیں رکھی گئی تو عبد اللہ بن عمر نے ٹوک دیا کہ یہ ٹھیک نہیں ساتھ یہ بھی کہہ دیا..... اَنَا اَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ..... میں بھی کہتا ہوں السلام علی رسول اللہ میں کوئی السلام علی رسول اللہ کا منکر نہیں..... لیکن..... لیس ھکذا..... بات اس طرح سے نہیں ہے..... چھینکنے کے اوپر السلام علی رسول اللہ..... کہنے کا کوئی مطلب نہیں۔ یہ ہے اصل کے اعتبار سے نمونے کی رعایت..... کہ اپنی عقل دوڑانے کی ضرورت نہیں..... اپنی عقل کے ساتھ تجویز کر کے پیوند لگانے کی

☆ (ترمذی ۲/۱۰۳۔ مشکوٰۃ ۲۰۶)

ضرورت نہیں جتنا عمل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اسکے مطابق اگر عمل کریں گے تو اللہ کے ہاں قبول ہوگا اور اگر اس کو سامنے رکھتے ہوئے اسکے مطابق عمل نہیں کریں گے تو اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دستر خوان کے داعی

جیسے حدیث شریف میں ایک مثال دی گئی...... سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں لیٹا ہوا تھا تو فرشتے آئے اور میرے پاس آ کے آپس میں باتیں کرنے لگے اور آپس میں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو لیٹا ہوا ہے اس کی ایک مثال ہے...... دوسرے کہنے لگے وہ کیا مثال ہے بیان کرو تو کہنے والا کہنے لگا...... مثال یہ ہے کہ جیسے ایک سردار نے کوئی حویلی بنائی...... گھر بنایا...... جب وہ مکمل ہو گیا تو اس کے اندر دستر خوان لگایا...... دعوت تیار کی...... دعوت تیار کرنے کے بعد ایک داعی کو بھیجا...... کہ جاؤ جا کے لوگوں کو بلا کے لاؤ تا کہ وہ محل میں داخل ہوں اور یہ دعوت کھا لیں...... تو جو اس داعی کی بات مانے گا وہ اس دار (گھر) میں داخل ہو جائے گا...... دعوت کھالے گا اور مالک مکان بھی خوش ہو جائے گا...... اور جو اس داعی کی بات نہیں مانے گا...... نہ وہ مکان میں آئے گا نہ کھانا کھائے گا نہ سردار اس کے اوپر خوش ہوگا...... یہ مثال بیان کی...... دوسرے کہنے لگے اس کا انطباق کرو...... اس کی وضاحت کرو...... توضاحت میں کہا گیا کہ سید تو اللہ ہیں...... یعنی بنانے والے...... اور دار جنت ہے...... اور اس کے اندر جو نعمتیں وہ دستر خوان لگ گیا...... اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کے بھیج دیا گیا...... جو اس کی پکار کے اوپر لبیک کہے گا وہ اس دار کے اندر داخل ہوگا...... نعمتیں کھائے گا...... اللہ بھی راضی ہو جائے گا......

اور جو اس داعی کی آواز کے اوپر لبیک نہیں کہے گا نہ وہ اس دار کے اندر آسکے گا...... نہ وہ یہ نعمتیں کھاسکے گا...... نہ سید اس کے اوپر راضی ہوگا...... مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ ☆...... محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تفریق کرنے والا ہے جنتی اور دوزخی علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے...... جو محمد ﷺ کی بات مانے گا وہ جنتی ہے جو نہیں مانے گا اس کا جنت سے کوئی سروکار نہیں۔

اس مثال میں بھی اسی بات کی اہمیت بیان کی گئی کہ کام کرتے وقت دیکھا کرو کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سکھایا اور کیا بتایا...... اس کے مطابق اگر کرو گے تو اللہ کے ہاں قبول ہوگا...... یہ ایک ایسا گر ہے کہ جس گر کو سامنے رکھنے کے بعد آپ ہزاروں گمراہیوں سے بچ جائیں گے یہ نہ دیکھا کرو کہ اچھا یوں لگتا ہے ...... اچھا یوں لگتا ہے۔ بات یوں ہے...... یہ دیکھو کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کیا طریقہ بتایا ہے؟...... نبی اس لئے آیا کرتا ہے تاکہ اپنے آپ کو اس نمونے پر ڈھالتے چلے جاؤ...... تو تب جا کے اللہ کے ہاں مقبول ہو وگے اور اس عمل کے اوپر ثواب ملے گا...... نمونے کی حیثیت یہ ہوا کرتی ہے۔

محبوب ﷺ کے ذاتی کمالات کا تذکرہ اور اس کا فائدہ

لیکن ساتھ ساتھ اس بات کو دیکھ لیں...... سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دو قسم کے ہیں...... ایک اختیاری...... ایک غیر اختیاری...... اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ کس اعتبار سے ہیں؟

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تخلیق کے اعتبار سے مخلوق میں سے سب

☆(بخاری ۲/۱۰۸۱۔ مشکوٰۃ ۱/۲۷)

سے زیادہ حسین...... لیکن ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اس نمونے کو دیکھ کے اپنے آپ کو ویسا بنالیں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن بے مثال تھا۔

آپ کے قد جیسا ہم قد نہیں بنا سکتے

آپ کے نقش و نگار جیسے ہم اپنا نقش و نگار نہیں بنا سکتے

آپ کی خوبصورتی جیسی ہم اپنے اوپر خوبصورتی نہیں طے کر سکتے

اور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں کمالات رکھے تھے...... جو آپ کے ساتھ ہی خاص ہیں...... آپ کے پسینے سے خوشبو آتی تھی...... مہکتے تھے...... اور آپ کے لعاب دہن میں ایک خاص خصوصیت تھی...... یہ چیزیں ایسی ہیں جو ذاتی کمالات ہیں یہ چیزیں ہمارے لئے نمونہ نہیں...... بلکہ یہ چیزیں ہمارے علم میں آئیں گی تو ان کے علم میں آنے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہمارے دل میں آئے گی...... مثلاً معجزات جو صادر ہوئے ہیں...... اور ذاتی کمالات...... تو معجزات کا مطالعہ...... معجزات کو بیان کرنا...... عظمت اور محبت پیدا کرنے کے لئے ہے۔

محبت مطلوب ہے مقصود نہیں

اور عظمت و محبت یہ بھی دونوں مطلوب چیزیں ہیں...... مطلوب ہیں لیکن مقصود نہیں...... بلکہ مقصود کا ذریعہ ہیں...... مقصود اطاعت ہے...... اگر اس محبت و عظمت کے نتیجے میں اطاعت آ گئی...... تو یہ وسیلہ اور ذریعہ ٹھیک ہو گیا...... اور اگر محبت و عظمت کے نتیجے میں اطاعت نہیں آئی تو پھر یہ وسیلہ ٹھیک نہیں...... صرف محبت

بغیر اطاعت کے...... صرف عظمت بغیر اطاعت کے ...... یہ ناکافی ہے......

محبت ابوطالب کے کام نہ آئی

محبت ابوطالب کے کام نہ آئی۔ اگر محبت کی بناء پر جان چھوٹنی ہوتی بغیر اطاعت کے تو ابوطالب لازماً بخشے جاتے...... کیونکہ جتنی ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ہے ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے...... ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا انتقال ہو گیا تھا...... جب ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ظاہری دنیا میں آئے نہیں تھے...... چھ سال کی عمر تھی جب والدہ کا انتقال ہو گیا...... پھر آپ کی سرپرستی آپ کے دادا عبدالمطلب نے کی ہے...... نو سال کی عمر تھی جب دادا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے...... اور پھر آپ چچا کی کفالت میں آگئے...... اور آپ کی عمر تقریباً پچاس سال تھی جس وقت ابوطالب کی وفات ہوئی ہے...... پچاس میں سے 9 نکال لیجئے تو 41 سال بنتے ہیں...... 41 سال ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزارے شادی آپ کی سرپرستی میں ہوئی...... اور بچپن...... جوانی...... سب ابوطالب کی سرپرستی میں گزری...... جب آپ نے نبوت کا اظہار کیا...... ساری قوم دشمن ہو گئی اور ابوطالب سب کے سامنے سینہ سپر ہو گئے...... حتیٰ کہ جس وقت سب نے مل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بائیکاٹ کیا تو ابوطالب ساتھ تھے...... تین سال تک شعب ابی طالب میں ایسے رہے جس طرح سے کوئی جیل میں رہتا ہے...... کسی جگہ بھی ابوطالب پیچھے نہیں ہٹے

ہمدردی کی...... خیر خواہی کی

آپ کے ساتھ مصیبتیں اٹھائیں۔

اس سے زیادہ اور کیا تعلق ہوسکتا ہے..... لیکن آخر وقت تک کلمہ نہیں پڑھا..... اطاعت نہیں کی..... کیونکہ اطاعت کی ابتداء ایمان سے ہوتی ہے..... جب ایمان نہیں لائے تو آخر وقت تک کا حال آپ کو معلوم ہے..... کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مجلس میں گئے تھے..... جب ان کے اوپر جان کنی کی کیفیت آنے والی تھی..... مرض الموت ظاہر ہوگئی تھی اور خیال تھا کہ یہ وفات پا جائیں گے..... تو بہت کہا کہ چچا تو اس کلمے کے ساتھ اپنے ہونٹ ہلا دے..... تو میں اللہ کے سامنے تیری سفارش کرسکوں گا..... لیکن ابوطالب نے اطاعت نہیں کی تو 41 سال کی محبت اور 41 سال کی ہمدردی کچھ کام نہ آئی..... جہنم سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا..... جہنم میں رہیں گے..... صحیح روایات کے اندر نام لے کے یہ قصہ آیا ہوا ہے☆..... کہ ابوطالب کفر کی سزا کی بنا پر جہنم میں رہیں گے۔ ان کو نکلنا نصیب نہیں ہوگا اگر ہمدردی محبت بغیر اطاعت کے کام آنے والی ہوتی تو ابوطالب کے ضرور کام آتی۔

فاطمہ! میں کام نہیں آسکوں گا

بیٹی باپ سے کتنا تعلق رکھتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی سے کتنی محبت تھی لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تھا تو صاف طور پر بیٹی کو بھی خطاب کرکے کہا کہ..... **فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ مَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا**☆☆..... فاطمہ اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی کوشش کرو میں کام نہیں آسکوں گا..... مطلب یہ ہے کہ جب تک اطاعت نہیں ہوگی اس وقت اگر

☆ (بخاری ۱/ ۱۸۹۔ مسلم ۱/ ۴۰) ☆☆ (مسلم ۱/ ۱۱۴)

کہو کہ باپ ہونے کی حیثیت سے کوئی چھوٹ جائے گا یا اس تعلق سے کوئی فائدہ اٹھالے گا...... نہیں...... جب تک ایمان نہیں ہوگا باپ ہونا بھی کام نہیں آئے گا۔

انبیاء کے ساتھ رشتہ داری کام نہ آئی

ابراہیم کے باپ کا حال کیا قرآن نے نقل نہیں کیا؟
نوح کے بیٹے کا حال کیا قرآن نے نقل نہیں کیا؟
نوحؑ کی بیوی کا حال کیا قرآن نے نقل نہیں کیا؟
لوطؑ کی بیوی کا حال نہیں بتایا؟

یہی تعلقات تو ہوا کرتے ہیں لیکن ان تعلقات کو بغیر اطاعت کے اگر کوئی شخص کہے کہ مفید ہو جائیں گے...... نہیں...... اطاعت ضروری ہے...... اگر یہ محبت، تعلق، عظمت اطاعت کا ذریعہ بن گیا تو مقصد حاصل ہو گیا...... اگر صرف محبت ہی رہ گئی...... دعوے ہی دعوے رہ گئے...... اطاعت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس سے آخرت میں فائدہ نہیں ہوگا...... اس لئے سب سے زیادہ ضروری ہے اطاعت...... اور اطاعت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نمونے کو سامنے رکھتے ہوئے انسان اپنی زندگی کو ڈھال لے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کون سا حصہ نمونہ ہے...... وہ اول سے لے کر آخر تک آپ کی عملی زندگی جو اختیاری اعمال ہیں جو اللہ کے احکامات پہنچانے کے طور پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھائے وہ سارے کے سارے ہمارے لئے نمونہ ہیں۔

ان میں مشکل بھی ہیں...... آسان بھی ہیں...... اور بعضے لوگوں کی عادت

ہے کہ آسان آسان باتوں کوتو دوڑ دوڑ کے لیتے ہیں کہ یہ سنت ہے کرلو..... جس طرح سے شیخ سعدیؒ کہتے ہیں

زسنت نہ بینی درویشاں اثر
مگر خواب بیشی و نان سحر

کہ یہ لوگ ایسے ہیں جو بڑی محبت کے دعوے کرتے ہیں..... اتباع سنت کے دعوے کرتے ہیں لیکن سنتیں ان کو کیسی یاد ہیں..... ایک تو دوپہر کو سونا ضرور ہے کہ سنت ہے..... اور ایک سحری کے وقت روٹی ضرور کھانی ہے کہ سنت ہے..... یا ان کو کھانے کی سنتیں یاد ہیں یا سونے کی۔ اور یہ ان کو بالکل یاد نہیں کہ سرور کائنات رات کو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جب اللہ کی عبادت کرتے تھے..... قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے تو پاؤں پہ ورم آجاتے تھے۔☆

شب برأت اور حلوے کی سنت

۱۵ شعبان کو حلوہ کھانا ہے اس لئے کھانا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگ احد میں دانت ٹوٹ گیا تھا اور دانت ٹوٹنے کے بعد آپ نے حلوہ کھایا تھا اس لئے ہم نے حلوہ ضرور کھانا ہے..... سنت کو ادا کرنے کے لئے..... یعنی کیسی بے ڈھنگی باتیں ہیں..... جنگ احد شوال میں ہوئی تھی..... شعبان میں نہیں ہوئی تھی..... اور یہ حلوہ کھاتے ہیں پندرہ شعبان کو..... کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت ٹوٹا تھا اور آپ نے حلوہ کھایا تھا اس لئے ضرور کھانا ہے..... شعبان اور شوال میں دو مہینوں کا فرق ہے.....

(بخاری ۱۵۲/۱، مسلم ۳۷۷/۲)

اس قسم کی سنتیں جو تلاش کر لیتے ہیں...... یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ سنتوں کے اندر یہ بات ہے کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے نماز پڑھو...... جس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم غریبوں کے ساتھ خیر خواہی کرتے تھے خیر خواہی کرو...... جس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے تھے صلہ رحمی کرو......

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین شعبے عطا ہوئے

اور پھر خصوصیت کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو...... کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بھیجا تھا تو کس لئے بھیجا تھا یہ تین کام قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں (۱) تلاوت کتاب (۲) تعلیم کتاب وحکمت (۳) اور تزکیہ...... یہ تین کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کئے گئے کہ اللہ نے امیوں کے اندر نبی بھیجا...... جس نبی کا کام کیا ہے

(۱) کتاب اللہ کی تلاوت (۲) تعلیم کتاب وحکمت (۳) اور تزکیہ

کتاب اللہ کی تلاوت تو جس طرح سے حافظ کرتے ہیں...... الفاظ کا پڑھنا ...... تعلیم کتاب وحکمت...... کتاب کے مفہوم کو سمجھانا...... اور اس کے مستنبط احکام جو اشاروں سے ثابت ہوتے ہیں حکمت کے تحت وہ آ جاتے ہیں...... یا تعلیم کتاب وسنت کہہ لیجئے کہ حکمت سے سنت مراد ہے...... کتاب سکھائی...... سنت سکھائی...... اور پھر آگے تزکیہ۔

تزکیہ کی مختصر وضاحت

تزکیہ کا معنی ہوتا ہے صاف ستھرا کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے تحت جو اعمال آئے ان کے ساتھ...... کفر کی...... شرک کی...... بدعت کی...... جہالت

کی......گندگی جو انسان کے دل کے اندر......اعمال کے اندر بھری ہوئی ہے ان کو دور کر کے انسان کو صاف ستھرا کرنا یعنی اس علم کے مطابق عمل کروانا اور انسان کی شخصیت کو اس علم کے مطابق ڈھالنا...... یہ ہے تزکیہ......

تلاوت کتاب قراء کے حصے میں

یہ ہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کام جو آپ کیا کرتے تھے......

اصل بنیادی کام یہ ہیں......اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کو اختیار کرتے ہوئے اگر کوئی شخص تلاوت کتاب اللہ، تعلیم کتاب وحکمت، یا تزکیہ کے عمل کو اختیار کرتا ہے تو یہ سب سے اونچے اعمال ہیں......انسان کی زندگی کے اندر جو آتے ہیں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تو یہ سارے کام یکدم جمع تھے

آپ تلاوت کتاب بھی کرتے تھے۔

آپ تعلیم کتاب وحکمت بھی دیتے تھے۔

اور تزکیہ بھی کرتے تھے۔

اب امت کے اندر یہ کام تقسیم ہو گئے......کسی کسی شخص میں اللہ تعالیٰ ان کو جمع بھی کر دیتا ہے۔

اب ایک طبقہ تو ایسا ہو گیا جس نے تلاوت کتاب اپنے ذمہ لے لی وہ کتاب پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں یہ بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی اتباع کرتے ہیں اور آپ کے منصب کے نائب ہیں یہ بھی نائب رسول ہیں......

اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی رعایت رکھتے ہوئے جب کتاب

اللہ کو پڑھیں گے پڑھائیں گے یہ بھی نبیوں والا کام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں...... آپ کی خلافت میں...... یہ بھی وہ پسندیدہ شغل ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔

تعلیم کتاب علماء کے حصے میں

دوسرے نمبر پر تعلیم کتاب...... جیسے قرآن کریم کا معنی بیان کیا جائے...... قرآن کریم کے مفہوم کو سمجھایا جائے اور اس کے باریک باریک نکات نکال کر بیان کیے جائیں یہ تعلیم کتاب وحکمت میں آ گئے اور یہ کام علماء کے حصے میں آ گیا جو

کتاب کا معنی بیان کرتے ہیں۔

کتاب کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

اور کتاب اللہ سے حکمت ودانائی کی باتیں سناتے ہیں

یہ بھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں

آپ کی نیابت میں یہ بھی نبیوں والا کام کرتے ہیں...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم والا کام کرتے ہیں جو آپ کے مقاصد میں شامل ہے...... سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کے مطابق تعلیم کتاب وحکمت بہت بڑی سعادت ہے۔

تزکیہ صوفیاء کے حصے میں

آگے تزکیہ ہے جس میں عملی زندگی آ گئی کہ کتاب وسنت کے تحت جو اعمال

ثابت ہوئے انکی آگے مشق کروائی جائے اور انسان کے دل اور دماغ سے جہالت کو دور کیا جائے...... اسے علمی زندگی کے اندر رنگ دیا جائے کہ جو پڑھا اس کے مطابق عمل بھی ہو جائے یہ تزکیہ ہے۔ اور یہ ہمارے خانقاہی لوگوں کے حصے میں آ گیا...... اکابر، بزرگ اللہ کی یاد کو طبیعت میں رچاتے ہیں...... عملی زندگی بناتے ہیں...... تو خانقاہی نظام سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تزکیے کی شان کا حامل ہے...... تو جو لوگ تزکیہ کرتے ہیں وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے متبع ہیں...... آپ یہ کام بھی کیا کرتے تھے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں اور آپ کے خلیفہ ہیں اور ان کا یہ عمل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کے تحت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ترین عمل ہے...... تزکیے کے بارے میں تو جب عنوان آئے گا تزکیہ اور تصوف کا...... تو اس میں اس کی مباحث کا ہم تذکرہ کریں گے...... یہ تو بطور مثال کے ذکر کر رہا ہوں کہ یہ تینوں کام اعلیٰ اور معیاری کام ہیں جو سرور کائنات کیا کرتے تھے ان کاموں کو اپنانا اور ان کی اتباع کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح جانشینی اور صحیح خلافت ہے اور یہ ہیں نبیوں والے کام جو انسان کرتا ہے......

اپنے آپ کو گھٹیا نہ سمجھو

اس لئے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس کام پر لگا دیا ہے وہ اپنے آپ کو گھٹیا نہ سمجھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والے رستے پہ چلایا ہے......

کتاب پڑھنا اور پڑھانا نبیوں کا کام ہے

کتاب کی تعلیم دینا اور حکمت سکھانا نبیوں کا کام ہے

اور اسی طرح تزکیہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں سے ہے جو لوگ یہ کام کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں...... سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں...... اس لئے اس کام کو بھی گھٹیا نہ سمجھا جائے...... اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کام یہ ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقاصد میں ذکر کیا ہے۔

انبیاء کی وراثت میں تکالیف بھی اٹھانی پڑیں گی

آپ جانتے ہیں کہ جس وقت خلافت یا نیابت میں کوئی چیز ملا کرتی ہے یا وراثت میں کوئی چیز ملا کرتی ہے...... تو اس میں صرف فوائد نہیں آیا کرتے بلکہ کچھ ذمہ داریاں بھی آیا کرتی ہیں۔

آپ اپنے والدین کے وارث بنے تو جہاں آپ نے ان کی وراثت لی ہے۔

آپ نے زمین لی...جائیداد لی..... مکان لیا۔

تو ان کے قرضے اور دوسری ذمہ داریاں بھی آپ پر آئیں گی۔

اسی طرح سے انبیاء کی وراثت جن لوگوں کو ملتی ہے ان کے ساتھ کچھ لوازمات بھی آتے ہیں (یہ طالب علموں کے سمجھنے کی بات ہے) آج کل اکثر و بیشتر نوجوان طبقہ...... جو مدرسوں میں پڑھتا ہے...... ذہن سازی نہ ہونے کی وجہ سے اور اللہ کی دولت جو اپنے پاس آ رہی ہے اس کی قدر نہ ہونے کی وجہ سے...... بسا اوقات...... اپنے بھائیوں...... خاندان کے لوگوں...... بازار کے لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے بد دل ہو جاتے ہیں...وہ سمجھتے ہیں شاید ہم تو بہت ہی ذلیل قسم کی

مخلوق ہیں...... لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں...... مذاق اڑا کر ہماری بے قدری کرتے ہیں اوراس سے وہ دل چھوڑ بیٹھتے ہیں کہ کیا پڑھنا ہے مولوی کی تو عزت ہی نہیں......

بازار میں جاؤ تو لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔

گھر جاتے ہیں تو دوسرے بھائی مذاق اڑاتے ہیں۔

گاؤں میں جاؤ تو دوسرے لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔

اس مذاق کی وجہ سے وہ اس دولت کی بے قدری کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو دی ہے۔

لیکن ان کو یاد ہونا چاہئے کہ اللہ کے نبی جس دین کو لے کے آئے اور جنہوں نے ہمارے سامنے ہر قسم کا نمونہ پیش کیا...... ان کی زندگی میں ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ دنیا داروں نے ہمیشہ نبیوں کا مذاق اڑایا...... چونکہ ان کو اس دولت کی قدر نہیں تھی جو نبیوں کے پاس ہوتی تھی......

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کا مذاق اڑایا

فرعون کے سامنے جب موسیٰؑ گئے تھے...... اپنے انہیں پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ اپنے اس ڈنڈے کو ہاتھ میں لے کے...... نہ کوئی ساتھ فوج تھی نہ کوئی دوسری چیز تھی اس وقت فرعون نے بھی کہا...... اَنَا خَيْرٌ اَمْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ☆...... مہین کا لفظ موسیٰ کیلئے استعمال کیا تھا...... مہین کہتے ہیں ذلیل کو...... بے قدرے کو...... کہ میں اچھا ہوں یا یہ ذلیل آدمی اچھا ہے۔

☆ (سورہ زخرف۔ آیت ۵۲)

میرے پاس محلات ہیں

نہریں بہتی ہیں

میرے لئے ملک مصر ہے۔

اور میں اپنے خدام کو اور اپنی فوجوں کو سونے کے کنگن پہناتا ہوں فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ ☆ ......اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے...... ہمارے آگے پیچھے فوجیں کھڑی ہوئی ہیں اس کے آگے پیچھے فرشتے کیوں نہیں آئے......

تمام نبیوں کا مذاق اڑایا گیا

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق جب مشرکین اڑاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تسلی اسی طرح سے دی وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ☆☆ ......آپ سے پہلے بھی رسولوں کا ایسے ہی مذاق اڑایا گیا تھا...... دنیا دار کو چونکہ اس دولت کی قدر نہیں ہوتی اس کو اپنے اچھے لباس، اپنے سونے چاندی کی قدر ہوتی ہے......اس لئے وہ ہمیشہ اس دولت کی بے قدری کرتے ہیں...... لیکن اہل علم کو اس کی قدر پہچاننی چاہئے جس کو اللہ تعالیٰ نے تلاوت کتاب کیلئے منتخب کر لیا اس کو نبوت کی جانشینی دے دی......جس کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم کتاب وحکمت کیلئے منتخب کر لیا اس کو نبوت کی جانشینی دے دی......جس کو اللہ تعالیٰ نے تزکیے کے لئے منتخب کر لیا اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت کی جانشینی دے دی......تو علم کا پھیلانا اور علم کے ساتھ مخلوق کو رنگنا (جو تزکیہ ہے) یہ بہت اونچے کام ہیں...... اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

☆(سورہ زخرف۔ آیت ۵۳) ☆☆(سورہ انبیاء۔ آیت ۴۱)

اتباع کے مطابق یہ کام کئے جائیں تو دنیا کے اندر سب سے عالی قدر یہی لوگ ہوں گے...... جس کا نتیجہ آخرت میں جا کے ظاہر ہوگا۔

اللہ رنگ ساز، علماء رنگ فروش، اور صوفیاء رنگریز

(ایک ہی بات عرض کروں پھر ختم کرتا ہوں) تزکیہ اصل میں پاک کرنے کو کہتے ہیں...... یہاں مقصود ہے کہ علم کا رنگ اس کے اوپر چڑھا دیا جائے...... حضرت لاہوریؒ کی بات یاد آئی (یہ خود میں نے ان سے سنی) صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ☆...... کے تحت انہوں نے یہ بات بیان فرمائی...... فرماتے تھے کہ دین کو اللہ نے رنگ کے ساتھ تعبیر کیا ہے......اور یہ حضرت لاہوری کا عام جملہ تھا کہ میں کہا کرتا ہوں...... کہ اللہ تو رنگساز ہے...... جس نے رنگ بنایا ہے اور علماء رنگ فروش ہیں......ان کی دکان ہے رنگ فروشی کی...... کہ ان کی دکان پہ جاؤ جا کے رنگ کی پڑیا خرید لاؤ...... یہ رنگ بیچتے ہیں......اور صوفیاء رنگ ریز ہیں جو کپڑوں کو رنگ چڑھاتے ہیں......

جس طرح سے ایک رنگ ریز ہوا کرتا ہے جو کپڑوں کو رنگتا ہے ایک رنگ فروش ہوتا ہے ایک رنگ ساز ہوتا ہے...... تو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رنگساز ہیں اور علماء رنگ فروش ہیں......

علماء کی رنگ فروشی پر حضرت لاہوریؒ کے دو جملے

اس رنگ فروشی کے اوپر وہ دو جملے کہا کرتے تھے کہ علماء کی رنگ فروشی کا تو یہ حال ہے کہ میں ترجمہ پڑھایا کرتا ہوں (حضرت لاہوری کا معمول تھا...... رمضان

☆ (بقرہ۔ آیت ۱۳۸)

میں تفسیر شروع کروایا کرتے تھے...... عید الاضحیٰ پہ ختم کیا کرتے تھے...... وہ فارغ التحصیل علماء کو لیتے تھے...... غیر فاضل کو نہیں لیتے تھے) کہتے تھے میرے پاس علماء پڑھنے کے لئے آتے ہیں جو فارغ التحصیل ہوتے ہیں...... لیکن نماز باجماعت تک کے پابند نہیں ہوتے...... بعضے نماز تک کے پابند نہیں ہوتے...... وہ ایسے حال میں آتے ہیں۔

اور اگر ان سے کہا جائے کہ تم تہجد کی فضیلت پہ تقریر کرو تو وہ دو دو تین تین گھنٹے تہجد کے فضائل بیان کرلیں گے...... لیکن جب تہجد کا وقت آئے گا سوئے ہوئے ہوں گے...... اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ رنگ فروش ہیں...... یہ دوسرے کو پڑیا باندھ کے دے تو سکتے ہیں بتا سکتے ہیں لیکن رنگ خود اپنے اوپر چڑھا ہوا نہیں ہوتا دوسرے پہ کیا چڑھائیں گے لیکن کہتے تھے کہ جب تین مہینے میرے پاس گزار کے جاتے ہیں تو نماز باجماعت تو اپنی جگہ رہی۔ تہجد کے پابند ہو کے جاتے ہیں اس کو کہتے ہیں رنگ چڑھنا...... اس لئے

اولیاء اللہ ہوں

خانقاہی لوگ ہوں

مدرسے والے ہوں (جو تعلیم کتاب وحکمت کرتے ہیں)

درجہ قرآن والے ہوں (جو تلاوت کتاب کرتے ہیں)

یہ سارے کے سارے طبقے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور آپ کے وارث ہیں اور یہ سارے کے سارے کام بڑے اونچے درجے کے ہیں کبھی بھی اس کام کی حقارت دل میں نہیں آنی چاہئے انسان اس کی قدر پہچانے اور عملی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کرے کہ جو پڑھتے ہو اس پر عمل بھی کرو...... تاکہ علم کا رنگ

چڑھے تب جا کے صحیح طور پر انسان اللہ کا مقبول بنے گا۔

تو نمونے کی رعایت رکھنا ضروری ہے...... سنت اور بدعت کا فرق اگر ہوتا ہے تو اسی کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اختیار کرنے کی توفیق دے اتباع سنت پر عمل کرنے اور بدعت سے بچنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

معجزات

بموقع : ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام : جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت : بعد عشاء

تاریخ : ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

معجزات

خطبہ!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَمَا کَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔☆ وَقَالَ اللّٰہُ فِیْ مَقَامٍ آخَرَ. قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَراً رَّسُوْلاً ☆☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆ (سورہ ابراہیم ۔ آیت ۱۱) ☆☆ (سورہ بنی اسرائیل ۔ آیت ۹۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر درود شریف

سارے کے سارے ایک دفعہ درود شریف پڑھ لیا کرو تا کہ تقریر کے دوران میں جب حضورؐ کا نام آئے ایک دفعہ درود شریف پڑھنا ایک مجلس میں واجب ہے اور جتنی دفعہ نام آئے اتنی دفعہ پڑھنا مستحب ہے آپ لوگ چونکہ بیان کی طرف متوجہ ہو کے بیٹھے ہوتے ہیں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کو درود شریف پڑھنا یاد نہ رہے تو یہ واجب کے ترک کا گناہ ہوگا اس لئے ایک مرتبہ درود شریف ضرور پڑھ لیا کریں تا کہ اگر درمیان میں پڑھنا یاد نہ بھی رہے تو کم از کم گناہ تو نہ ہو تو درود شریف پڑھ لیجیے سارے کے سارے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی

مسئلہ رسالت کے متعلق مختلف عنوانات پر آپ کے سامنے کئی بیان ہو گئے اور آج کا بیان جو ہے اس کا تعلق حضورؐ کے معجزات کے ساتھ ہے۔ معجزات کا ذکر کرنا اس لئے ضروری ہوا کہ معجزے کے سلسلے سے ہی تعلق ہے کرامات کا،.... انبیاء کے معجزات ہوں یا اولیاء کی کرامات ہوں اس میں بھی بسا اوقات غلط سوچ کے نتیجے میں یہ بعض غلطیوں کی بنیاد بن جاتے ہیں.... اس لئے ضروری ہے کہ اہلسنت و الجماعت کا مسلک انبیاءؑ کے معجزات کے بارے میں یا اولیاء کی کرامات کے بارے میں جو کچھ ہے..... آپ کے سامنے واضح کر دیا جائے۔

حضورؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کیلئے انبیاء کا سلسلہ جو شروع کیا تھا تو پہلے پہلے

نبی ہیں آدمؑ اور آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبین۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا پچھلا نبی کوئی آجائے تو وہ ختم نبوت کے منافی نہیں، حضرت عیسیٰؑ آپ کے دور نبوت کے اندر تشریف لائیں گے لیکن وہ چونکہ آپ سے پہلے کے ہیں اس لیے ان کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے آپ کے ظہور کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا جو اب کہے کہ میں نبی ہوں وہ دجال ہے، کافر ہے، جہنمی ہے، کذاب ہے اور جو اس کو نبی مانے وہ بھی کافر، اسلام سے خارج، مرتد، جہنمی۔ سرور کائناتؐ کے تشریف لانے کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہوگیا اب کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا۔

معجزہ کی ضرورت

تو اللہ تعالیٰ جس کو نبی بناتے ہیں اپنا نمائندہ بناتے ہیں اپنے اور مخلوق کے درمیان، اپنا علم اس کے اوپر اتارتے ہیں تو اس نبی کی نبوت کی کوئی دلیل تو ہونی چاہیے ....جس سے عام بندے پہچان سکیں کہ یہ عام انسانوں سے ممتاز ہیں، باقی انسانوں جیسے نہیں ہیں، واقعی یہ اللہ کے نمائندے ہیں اور اللہ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق ہے اس کے پہچاننے کیلئے کوئی نہ کوئی علامت ضرور چاہیے ایک کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تو لوگوں کیلئے کوئی امتیاز کی چیز ضرور ہو...کوئی نشانی ضرور ہو کہ جس کے ساتھ پہچانا جا سکے کہ واقعی نبی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ سرور کائناتؐ نے فرمایا

مَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُ ☆

کوئی نبی ایسا نہیں ...جو آیا ہو... مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی چیز ضرور دی ہے کہ جس کے اوپر اعتماد کر کے انسان ایمان لاتا ہے ...یعنی وہ نشانی بن جاتی ہے

☆ (بخاری ۲/۷۴۴۷۔ مسلم ۱/۸۶)

نبوت کی... کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہے اور اس نشانی کے ساتھ اس کو پہچان لیا گیا (یہ روایت کا ایک ٹکڑا ہے آگے حضورؐ نے اپنا معجزہ ذکر کیا کہ اللہ نے مجھے کیا نشانی دی ہے وہ اپنے موقع پر بات آئے گی) بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ ایسی کوئی نہ کوئی چیز دیتا ہے کہ جس کے اوپر اعتماد کر کے بشر اس پر ایمان لاتا ہے۔

نبوت کی اصل دلیل کمالات ہیں

وہ چیز کیا ہوتی ہے؟ اصل دلیل نبی کی نبوت کی، وہ تو اس کے کمالات ہیں جو اس کو علمی کمالات حاصل ہوتے ہیں، عملی کمالات حاصل ہوتے ہیں، اخلاقی کمالات حاصل ہوتے ہیں، ان کی دیانت امانت کیس ند، ان کی انسانی ہمدردی اور اچھی اچھی صفات جو انسان میں ہونی چاہیں وہ ان میں اعلیٰ درجے کی موجود ہوتی ہیں اصل تو نبوت کی پہچان انہی چیزوں سے ہوتی ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے معجزہ نہیں مانگا

آپ جانتے ہیں کہ سرور کائنات کو جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس عالم ظاہر میں نبوت عطاء فرمائی تھی یعنی جب آپ کی نبوت کا اظہار ہوا... نبوت کا فیصلہ تو عالم ارواح سے تھا... آپ کیلئے نبوت ثابت ہو چکی تھی جب ابھی آدم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ... لیکن اس کا ظہور آپ کی چالیس سال کی عمر میں غار حرا میں ہوا.. اور غار حراء سے اتر کے آپ نے اظہار فرمایا... تو حضرت خدیجہ نے کوئی معجزہ نہیں مانگا کسی... معجزے کو دیکھ کے حضرت خدیجہ ایمان نہیں لائیں ... بلکہ حضرت خدیجہ نے تصدیق کی آپ کے اخلاق عالیہ کا تذکرہ کر کے،... جس طرح باب بدء الوحی، بخاری میں اور دوسری حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے ... حضرت خدیجہ نے کسی معجزے کا

مطالبہ نہیں کیا... کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا.. بلکہ آپ کے اخلاق عالیہ کو دلیل بنایا ...کہ واقعی اللہ کی طرف سے وحی آپ پر آئی ہے...آپ اللہ کے مقبول بندے ہیں.. اس میں کوئی کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں...سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ ام المومنین ہیں اور انہوں نے کسی معجزے کا مطالبہ نہیں کیا آپ کے اخلاق عالیہ سے متاثر ہو کر انہوں نے تصدیق کی۔

حضرت ابوبکر دلیل مانگے بغیر ایمان لائے

مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں جس وقت حضورؐ نے حضرت ابوبکر کے سامنے اپنی نبوت کا ذکر کیا تو کسی روایت میں موجود نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا ہو کہ کوئی معجزہ دکھاؤ، یا کہا ہو کہ آپ کی نبوت کی کیا دلیل ہے،؟ کسی روایت میں یہ نہیں آتا ابوبکر بھی متاثر تھے تو آپ کی دیانت سے متاثر تھے، امانت سے متاثر تھے،...آپ کے اخلاق عالیہ سے متاثر تھے...اصل کے اعتبار سے تو علامت یہی ہوا کرتی ہے۔

کمالات کے باوجود معجزات کا ظہور کیوں؟

لیکن اس ذریعے سے پہچان لینا ہر آدمی کا کام نہیں ہے اس ذریعے سے پہچان سکتا ہے تو صاحب بصیرت پہچان سکتا ہے، کوئی عقل کامل کا مالک پہچان سکتا ہے، کوئی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان پہچان سکتا ہے۔ ایک عام آدمی وہ اخلاق سے، ...علمی کمالات سے....دوسرے حالات سے استدلال کر کے نہیں پہچان سکتا...اس کیلئے مشکل ہے...اسی لئے اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں عطاء فرماتے ہیں جن کو لوگ دیکھ لیں اور ایک عام سے عام آدمی بھی سمجھ لے کہ واقعی ان کا کسی غیبی طاقت کے ساتھ

تعلق ہے... اگر غیبی طاقت کے ساتھ تعلق نہ ہوتا تو یہ کام کر کے نہ دکھا سکتے... کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ اپنی قوت اور طاقت کے ساتھ یہ کام کر کے دکھا دے... اس کے مقابلے میں انسان عاجز ہیں... یہ اگر کام ظاہر ہوا ہے تو کسی غیبی طاقت کے ساتھ ظاہر ہوا ہے... اس قسم کی نشانی جو آیا کرتی ہے اس کو عام آدمی بھی سمجھ لیتا ہے اور عام آدمی بھی اس سے استدلال کر لیتا ہے۔

معجزہ کی حقیقت

اس لئے اللہ تعالیٰ حسی نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں اور یہ جو حسی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں عام طور پر ان کو ہی معجزات کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

آپ طالب علم ہیں طالبعلمانہ انداز میں اس بات کو سمجھیں **مُعْجِزَہ** ... یہ اعجاز مصدر ہے... اسم فاعل کا صیغہ ہے... اعجاز کا معنی ہوتا ہے دوسرے کو عاجز کر دینا... کہ کوئی مقابلہ نہ کر سکے تو معجزہ اس کام کو کہتے ہیں... کہ جو اپنے مدمقابل لوگوں کو عاجز کر دے... وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکیں اس کو کہتے ہیں معجزہ،... معجزہ کا لفظ اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کے ہاتھ پر کچھ اس قسم کے کام ظاہر ہوتے ہیں کہ دوسرا انسان ان کے کرنے سے عاجز ہوتا ہے... ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا... وہ علامت بن جاتے ہیں کہ اس انسان کا باقی انسانوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ان کے ساتھ شامل ہے،... غیبی طاقت سے یہ کام صادر ہو رہے ہیں... کسی انسان کے بس میں نہیں کہ یہ کام کر کے دکھا دیں.... معجزہ کا یہ معنی ہوتا ہے۔

قرآن کریم اور معجزات انبیاء

قرآن کریم میں انبیاءؑ کے چند معجزوں کا ذکر آیا ہوا ہے (بالترتیب بات عرض کروں) اور بہت سارے نبیوں کا نہیں بھی ذکر آیا، نہ ان کے ناموں کا ذکر آیا نہ ان کے کاموں کا ذکر آیا، حضرت آدم کا نام قرآن کریم میں ہے لیکن ان کا کوئی معجزہ قرآن کریم میں مذکور نہیں، حضرت ادریسؑ کا ذکر قرآن کریم میں ہے لیکن ان کا کوئی معجزہ مذکور نہیں، ہودؑ کا ذکر ہے لیکن ان کا کوئی معجزہ قرآن کریم میں مذکور نہیں۔

صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا تذکرہ

صالحؑ کا ذکر ہے ان کے معجزے کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہوا ہے

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ☆ اللہ کی اونٹنی کے ساتھ قرآن کریم نے اس کو ذکر کیا ہے یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے نشانی ہے اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ورنہ اللہ کا عذاب تم پہ آ جائے گا قرآن کریم نے صرف اس کو ناقۃ اللہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اس کو ایک معجزہ قرار دیا ہے لیکن تفصیلی روایات کے اندر یہ بات موجود ہے... وہ ناقۃ اللہ معجزہ بایں طور تھی کہ وہ پہاڑ سے ظاہر ہوئی تھی... باقاعدگی کے ساتھ جس طرح سے اونٹ اور اونٹنی ملتے ہیں اور بچہ پیدا ہوتا ہے اس طرح سے نہیں ہوئی تھی... یہ معجزے کے طور پر چٹان سے یا پہاڑ سے اونٹنی ظاہر ہوئی تھی... اس لئے اس کو معجزہ قرار دیا... یہ تفصیلی روایات میں بات ہے..☆☆ .ورنہ قرآن کریم نے صرف ناقۃ اللہ قرار دیا ہے...وہ ناقۃ اللہ معجزہ کس طرح سے بنی تھی اور ظاہر کس طرح سے ہوئی.... لوگوں کے

☆ (سورہ ہود۔ آیت ۶۴) ☆☆ (تفسیر طبری ۸/۲۲۴۔ واخرجہ عبدالرزاق وابن ابی شیبۃ وغیرہما کذا فی الدر المنثور ۳/۴۹۱)۔

سامنے کیسے آئی تھی... قرآن کریم میں تفصیل نہیں ہے،

روایات میں ہے کہ وہ اونٹنی پہاڑ سے ظاہر ہوئی تھی... اس لئے عام اونٹوں کے مقابلے میں اس کا وجود بڑا تھا.... عام اونٹوں کے مقابلے میں اس کا چلنا پھرنا مختلف تھا.. تو حضرت صالحؑ کا معجزہ قرار دیا گیا اور حضرت صالحؑ نے کہا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے.... اس کے ساتھ کوئی کسی قسم کا تعرض نہیں کرنا، جس چراگاہ میں وہ جاتی تھی باقی جانور ڈر کے بھاگ جاتے... جہاں وہ پانی پینے کیلئے جاتی تو پانی باقی جانوروں کے مقابلے میں وہ زیادہ پی لیتی....، اس لئے باری باندھنی پڑی... کہ ایک دن یہ ناقہ پانی پیا کرے گی اور دوسرے دن تمہارے جانور پانی پیا کریں گے... جس سے معلوم ہوا ہے کہ اس ناقہ کے اوپر عام جانوروں کے مقابلے میں آثار زیادہ نمایاں تھے

لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُوْمٍ☆

قرآن کریم میں جو آیا ہے کہ باری باندھ لی پانی کیلئے

لیکن وہ قوم برداشت نہ کر سکی کہ یہ ناقہ اس طرح سے آزاد پھرے اور ہمارے جانور اس سے بدکیں، ہمارے جانوروں کا حق یوں کھا جائے اس قسم کے جذبات کے تحت وہ اس کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے اور کوئی بدبخت قوم کے مشورے کے ساتھ اٹھا اور اس کی کھونچیں کاٹ دیں اور اس کو ہلاک کر دیا جب وہ اللہ کی آیات کے مقابلے میں آ گئے تو تین دن کے بعد اس قوم کے اوپر عذاب آ گیا اور وہ قوم ساری کی ساری برباد کر دی گئی قرآن کریم میں یہ قصہ مذکور ہے۔

☆ (سورہ شعراء آیت ۱۵۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوگئی

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر قرآن میں آیا... حضرت ابراہیمؑ کا یہ معجزہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ بادشاہ وقت نے اور پوری قوم نے مل کر بت شکنی کے نتیجے میں ... یعنی ان کے خداؤں کو چونکہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذاً ☆

ان کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا ان کا ستیاناس کر دیا تھا اس کے نتیجے میں حکومت نے اور وہاں کی پبلک نے مل کر حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلانا چاہا... اور بہت بڑی آگ جلا کر حضرت ابراہیمؑ کو اس میں پھینک دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْداً وَسَلَاماً ☆☆

اے آگ! سلامتی والی بن جا... برداً کے ساتھ سلاماً کا لفظ اس لئے بڑھا دیا گیا کہ اللہ کا حکم اگر اتنا ہی ہوتا کہ ٹھنڈی ہو جا... تو آگ برف بن جاتی اور برف بن جانے کی وجہ سے حضرت ابراہیم کو تکلیف ہوتی اس لئے برداً کے ساتھ سلاماً کا لفظ آ گیا کہ ٹھنڈی ہو جا لیکن سلامتی والی ٹھنڈی کہ ٹھنڈی ہو کر بھی ابراہیم کو تکلیف نہ ہو۔ تو ساری دنیا عاجز آ گئی، زندہ جلانا چاہا لیکن نہ جلا سکے، آگ ابراہیمؑ کیلئے برد وسلام ہوگئی، یہ معجزہ حضرت ابراہیمؑ کیلئے ظاہر ہوا، قوم نے دیکھا۔

معجزاتِ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر

حضرت موسیٰؑ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر، ان کے معجزات قرآن کریم میں بمقابلہ دوسرے نبیوں کے، زیادہ ذکر کئے گئے ہیں پہلے پہلے جس وقت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ

☆ (سورہ انبیاء۔ آیت ۵۸) ☆☆ (سورہ انبیاء۔ آیت ۶۹)

نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا تو ان کو دو معجزے دیئے تھے ایک عصائے موسیٰ اور ایک ید بیضاء (ان سب کو مستحضر رکھیں تا کہ جب بعد میں ان پر تبصرہ ہوگا تو بات ساری سامنے ہونی چاہیے)

عصا والا معجزہ، یہ وہ عصا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پاس رکھا کرتے تھے کیونکہ بکریاں چراتے تھے اور بکریاں چرانے والوں کے ہاتھ میں لاٹھی تو ہوتی ہے۔ جیسے قرآن میں آتا ہے

اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِی ☆

اس کے ساتھ میں بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں اور دوسری ضرورتیں پوری کرتا ہوں تو اس طرح بڑی ساری لاٹھی تو ہاتھ میں تھی جب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس لاٹھی کو ڈال دے، موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو ڈالا تو وہ سانپ بن گیا اور قرآن کریم میں موجود ہے کہ جب وہ لاٹھی سانپ بنی تو موسیٰ علیہ السلام ڈر کے بھاگ گئے

وَلّٰی مُدْبِراً ☆☆

موسیٰ علیہ السلام ڈر کے بھاگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا **خُذْهَا**، اس کو پکڑ لو، **سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى** ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے..... تو تفاسیر میں لکھا ہے کہ جب اللہ کا حکم آیا اس کو پکڑنے کیلئے ...تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ پہ یوں کپڑا لپیٹا اور اس کو پکڑنے لگے، فرشتوں نے کہا موسیٰ! اگر اللہ تجھے بچانا نہ چاہے تو یہ کپڑا تجھے بچالے گا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ کپڑا بچا نہیں سکتا لیکن میں کمزور مخلوق ہوں اور مجھے ظاہری اسباب کا سہارا لینا پڑتا ہے...

☆ (سورہ طٰہٰ۔ آیت ۱۸) ☆☆ (سورہ قصص۔ آیت ۳۱)

یہ بات میں اس لئے سنا رہا ہوں کہ جب یہ بات آئے گی آپ کے سامنے کہ معجزات اختیاری ہوتے ہیں یا غیر اختیاری ہوتے ہیں؟ انبیاءؑ کے اختیار سے صادر ہوتے ہیں یا اللہ کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں؟ وہاں یہ بات آپ کے کام آئے گی.. کہ اگر یہ انبیاءؑ کی قدرت سے صادر ہونے والے ہوتے تو ان کے ساتھ انبیاء کا علم متعلق ہوتا... انبیاءؑ کو بسا اوقات پتا بھی نہیں ہوتا کہ کیا ہونے والا ہے اور اللہ کی طرف سے یہ کام ظاہر ہو جاتا ہے.. تو جس وقت انبیاءؑ کا علم بھی اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا تو قدرت تو علم کے بعد ہوا کرتی ہے... اس لئے انبیاء کی قدرت سے معجزات صادر نہیں ہوتے.. اگر اس عصا کے سانپ بننے میں موسیٰ علیہ السلام کا اختیار دخیل ہوتا یا.. موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ دخیل ہوتا.. تو موسیٰ علیہ السلام ڈر کے نہ بھاگتے۔

دوسرا معجزہ ید بیضاء دیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ ☆ یہ ہاتھ اپنے پہلو سے ملاؤ... ملانے کے بعد پھر نکالو... تو جس وقت نکلتا تو بالکل چمکدار، سفید، روشن ہو جاتا... اس کو ید بیضاء کہتے ہیں.. اور پھر جب اصلی حالت پہ لوٹانا ہوتا. تو پھر اس کو اپنے پہلو میں لیتے. وہ پہلی حالت میں آجاتا۔

عصائے موسیٰ کا کمال اور دریا کے بارہ رستے

یہ دو بڑے معجزے تھے پھر عصا کے ساتھ ہی اور معجزے ظاہر ہوئے... جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل رہے تھے اور فرعون کی فوجیں پیچھے لگ گئی تھیں... آگے سمندر آ گیا... پیچھے فرعون کی فوجیں آ گئیں... قوم گھبرا گئی... کہ اب تو ہم پکڑے گئے۔

☆ (سورہ طٰہٰ۔ آیت ۲۲)

اِنَّا لَمُدْرَكُوْن ☆ آگے سمندر ہے.. پیچھے سے فرعون فوجیں لے کرآ گیا..کہاں جائیں گے؟ تو حضرت موسیٰ نے کہا گھبراؤ بالکل نہیں...میرے ساتھ میرا رب ہے ..وہ مجھے رستہ دے گا...تو اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ یہی عصا سمندر پہ مارو.. جب اس عصا کو سمندر پہ مارا گیا تو سمندر پھٹ گیا اور بارہ سڑکیں ظاہر ہو گئیں...درمیان میں پانی یوں کھڑا ہو گیا جیسے پہاڑ ہوتا ہے

كَالطَّوْدِ الْعَظِيْم ☆☆

بارہ قبیلے تھے.. بارہ سڑکیں بن گئیں اوران پر سے بارہ خاندان بنی اسرائیل کے گزر گئے اور جب وہ گزر گئے.. اسرائیل کا آخری گزرا اور ادھر سے فرعون کی فوجیں بھی بے سوچے سمجھیں انہی سڑکوں پر چڑھ گئیں کہ یہ رستے کھلے ہوئے ہیں...چلو ان کے پیچھے ...جب فرعونیوں کا آخری آدمی سمندر کی حد میں آ گیا اور اسرائیلیوں کا آخری آدمی نکل گیا تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو کہہ دیا کہ مل جاؤ، سڑکیں بنانے کی کیا ضرورت ہے، جب پانی مل گیا تو فرعون اور جتنے فرعونی تھے سارے غوطے کھا کھا کے مر گئے :وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ☆☆☆

تو فرعون کے سارے لوگوں کو ڈبو دیا تو یہ بھی عصائے موسیٰ سے معجزہ ظاہر ہوا کہ سمندر پر مارا اور سمندر پھٹ گیا۔

پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے

وادی تیہ میں یہی معجزہ ظاہر ہوا.. جب قوم پیاسی ہوگئی... پینے کو پانی کہیں ملتا نہیں تھا.. تو قوم نے موسیٰ سے پانی مانگا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے ..تو اللہ تعالیٰ کی

☆(سورہ شعراء۔آیت ٦١)☆☆(سورہ شعراء۔آیت ٦٣)☆☆☆(سورہ بقرہ۔آیت ٥٠)

طرف سے حکم آیا کہ یہی لاٹھی فلاں پتھر پہ مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی لاٹھی ماری تو ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بارہ خاندان جو تھے۔ ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک ایک چشمہ متعین کر دیا گیا... وہ اس چشمے سے پانی لے کر پیتے رہے... یہ بھی اسی عصاء کے ذریعے معجزہ ظاہر ہوا... تو عصاء کے ذریعے مختلف قسم کے معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کئے یہ دو تو نمایاں طور پر قرآن میں موجود ہیں... سمندر کا پھٹ جانا اور پتھر سے چشموں کا جاری ہو جانا... اس کا بھی ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسی عصاء کو بنایا...

باقی دوسرے جو آیات بینات کا ذکر ہے قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کیلئے ان کی تفصیل علیحدہ ہے کہ دشمنوں کو عاجز کرنے کیلئے کبھی مینڈکوں کا سیلاب آ گیا... کبھی غلے کو گھن لگ گئے... کبھی پانی خون بن گیا... کبھی کوئی صورتحال پیش آ گئی... کبھی کوئی صورتحال پیش آ گئی... قرآن کریم نے ان کو بھی آیات کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔☆

لیکن اس میں بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی حرکت نہیں کروائی گئی... ان واقعات کو جو اللہ کی طرف سے ظاہر ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے تحت، ان کو بھی دلیل نبوت کے طور پر قرآن کریم نے ذکر کیا ہے... جس سے فرعونی مقابلہ کرنے میں عاجز آئے... موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے... مصیبت ٹل جاتی تھی۔

معجزاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر:

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو

☆(سورہ اعراف۔ آیت ۱۳۳)

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات بھی قرآن کریم کے اندر ذکر کیے گئے ہیں اور بہت وضاحت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں مردوں کو زندہ کرنا، یہ معجزہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی ☆

میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں کہ کوئی مردہ ہو اور عیسیٰؑ اس کو کہہ دیں قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ، اللہ کی اجازت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو تو وہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا.... ابراء اکمہ، مادرزاد اندھا جو ماں کے پیٹ سے ہی اندھا پیدا ہو... اس وقت کوئی ڈاکٹری یا طب ایسی نہیں تھی... جو اس کو بینا کر سکے... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں کے اوپر ہاتھ پھیرتے تھے تو بینا ہو جاتا تھا... دیکھنے لگ جاتا تھا... اسی طرح ابرص یعنی کوڑھی.. اس کا کوئی علاج اس وقت نہیں تھا حضرت عیسیٰؑ اس کوڑھی کے بدن کے اوپر ہاتھ پھیرتے تھے اور وہ کوڑھی ٹھیک ہو جاتا تھا... تو یہ قرآن کریم کے اندر حضرت عیسیٰؑ کے معجزے ذکر کیے گئے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کا علمی معجزہ

اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کا ایک علمی معجزہ بھی ذکر کیا ہوا ہے.. کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ دیکھو میں اللہ کے اذن (اجازت) کے ساتھ مردوں کو زندہ کرتا ہوں، کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتا ہوں،... مادرزاد اندھوں کو سوانکھا (بینا) کر دیتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی میں تمہارے سامنے مٹی کی ایک تصویر بناتا ہوں اور تصویر بنانے کے بعد اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ پرندہ ہو کے اڑ

☆ (سورہ آل عمران۔ آیت ۴۹)

جاتی ہے...تو بے جان مٹی کے اندر جان پڑ جانا، مردے میں جان پڑ جانا (جس سے جان نکل گئی تھی دوبارہ پڑ گئی) اور علمی معجزہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کہا میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تم گھر کے اندر کیا کھا کے آئے ہو اور رکھ کے آئے ہو یہ حضرت عیسیٰؑ کا علمی معجزہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔

اُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ.☆ یہ علمی معجزہ ہے۔

عالمی نبی کے عالمی معجزے

اور آگے آ گیا سرور کائنات کا نمبر، آپ کی نبوت چونکہ پورے عالم کیلئے محیط تھی پہلے انبیاء مقامی مقامی تھے، خاص خاص قوموں کی طرف آئے، خاص خاص علاقوں کی طرف آئے...اس لئے ان کے معجزات بھی خاص خاص ہیئت میں نمایاں ہوئے...اور سرور کائنات ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ ساری دنیا کیلئے عام تھی اور قیامت تک کیلئے تھی...اس لئے حضورؐ کے معجزے پوری کی پوری دنیا کے اوپر حاوی اور اس قسم کے عالمی معجزے تھے کہ جن کے اثرات پوری دنیا پر واقع ہوئے.....عملی معجزے بھی اور علمی معجزے بھی اور اس جہان کے اندر جتنی آبادی ہے اور اس جہاں کے جتنے حصے ہیں..ہر ایک کے اندر حضورؐ کا معجزہ نمایاں ہوا.....عملی معجزات آسمان پر بھی ظاہر ہوئے چاند دو ٹکڑے ہو گیا.....عملی معجزات

آگ میں بھی نمایاں ہوئے......پانی میں بھی نمایاں ہوئے۔

مٹی میں بھی نمایاں ہوئے....نباتات میں بھی نمایاں ہوئے۔

انسانوں میں بھی نمایاں ہوئے...حیوانوں میں بھی نمایاں ہوئے۔

☆ (سورہ آل عمران۔ آیت ۴۹)۔

کوئی جنس اور کوئی نوع اس دنیا کے اندر ایسی موجود نہیں جس میں سردر کائناتؐ کے معجزات کا ظہور نہ ہوا ہو۔ ہر ہر چیز میں ظہور ہوا، آسمانوں پہ ہوا، زمین پہ ہوا،

دعا کرتے ہی فوراً بادل آگئے

فضا میں ہوا، فضا میں آپؐ کے معجزے کا ذکر جیسے صحیح روایات میں ہے کہ آسمان بالکل صاف ہے اور صحابہ کرام نے درخواست کی کہ بارش کی دعا کیجئے آپ نے ہاتھ اٹھائے اللہ سے بارش مانگنے کیلئے، اور فوراً بادل آگئے اور اس طرح سے موصلہ دھار بارش ہوئی کہ منبر سے اترتے اترتے حضورؐ کی داڑھی مبارک سے بارش کا پانی ٹپک رہا تھا اور پھر بارش ہو رہی ہے بادل ہیں، صحابہ کرام نے درخواست کی کہ اب یہ نہیں ہونی چاہیے بہت ہوگئی تو آپؐ نے یوں انگلی کا اشارہ کیا

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا ☆

یا اللہ ہمارے اردگرد تو ہو.. ہمارے اوپر نہ ہو..، کہتے ہیں کہ جدھر جدھر انگلی کا اشارہ ہوتا چلا جاتا تھا بادل پھٹتے چلے جاتے تھے یہ سارے کے سارے عملی معجزے تھے۔

دائمی نبی کا دائمی معجزہ

اور سب سے بڑا معجزہ دائمی... وہ ہے قرآن کریم، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا.... یہ ہے علمی معجزہ... اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ باقی نبیوں کو بھی نشانیاں دی گئیں لیکن مجھے جو سب سے بڑی نشانی دی گئی ہے... وہ ہے اللہ کی وحی اور اللہ کی کتاب...، باقی معجزے جتنے تھے انبیاءؑ کے وہ سب عملی تھے... انبیاء کا دور

☆ (بخاری ۱/۱۲۷۔ مسلم ۱/۲۹۴)

محدود تھا..جب نبی دنیا سے گیا تو معجزہ بھی ساتھ ہی چلا گیا،موسیٰؑ تشریف لے گئے عصائے موسیٰ والا معجزہ ختم، اب اگر کوئی یہودی موسیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دے اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ ذکر کرے تو کوئی شخص اس سے مطالبہ کرے کہ ہمیں دکھاؤ..ہم کیسے مان لیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جایا کرتی تھی...تو کسی یہودی کے بس میں نہیں ہے کہ وہ کر کے دکھادے کہ دیکھو لاٹھی یوں سانپ بن جاتی تھی... ید بیضاء والا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا کوئی یہودی نہیں دکھا سکتا...موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تو ساتھ ہی معجزہ بھی چلا گیا اور اسی طرح سے عیسیٰؑ کا معجزہ احیاء موتی آج عیسائی وہ معجزہ نہیں دکھا سکتے۔اگر کوئی معجزہ آج دیکھا جا سکتا ہے وہ قرآن کریم ہے...جو آپ سے لے کر قیامت تک تر و تازہ ایک ہی حالت میں موجود ہے۔

کرامات اور معجزات میں فرق

بموقع 8 ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام 8 جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت 8 بعد عشاء

تاریخ 8 ۳ جمادی الاوّل ۱۴۱۷ھ

کرامات اور معجزات میں فرق

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا قَالَ یَا مَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆ (سورہ آل عمران ۔۔ آیت ۳۷)

تمہید:

گزشتہ بیان میں آپ حضرات کے سامنے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ذکر آیا تھا اور قرآن میں انبیاء کے جن معجزات کا ذکر ہے وہ آپ کے سامنے بیان ہوئے تھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن کریم کا ذکر آیا تھا۔ اور باقی معجزات کا ذکر اجمالی آیا تھا۔ معجزات کے تذکرے کے بعد آج آپ کے سامنے اولیاء اللہ کی کرامات کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

معجزات کے بارے میں افراط وتفریط:

معجزات اور کرامات ان کا ذکر اس وجہ سے اہم ہے کہ اس میں دو قسم کے فریق پائے جاتے ہیں۔ بعض سرے سے ہی معجزات کا انکار کرتے ہیں کہ یہ چیز عقل کے خلاف ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اور بعض لوگ ان چیزوں کو ان لوگوں کے متعلق جن کے ہاتھوں پہ ظاہر ہوتے ہیں مافوق الفطرت عقیدہ بنالیتے ہیں کہ یہ مختار کل ہیں اور ان کو یہ اختیار حاصل ہے یہ وہ کچھ کرسکتے ہیں جو عام انسان نہیں کرسکتا۔ گویا کہ یا اس میں افراط ہے یا تفریط ہے۔

معجزات کے انکار کی ابتدا:

ہندوستان میں معجزات کے انکار کرنے والوں میں پیش پیش سرسید احمد خان علی گڑھی ہیں یہ علیگڑھ یونیورسٹی کے بانی ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی معجزے کو ثابت نہ ہونے دیا جائے اور پھر معجزے کو ایسی تاویل کر کے عام اسباب کے درجے میں لے آتے ہیں کہ جس طرح سے ایک عام اسباب ہیں۔ یہ اسباب کے تحت ہی

ہوا تھا لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معجزہ کوئی ایسا تھا جو انسان کی عقل وفہم سے بالاتر ہے یا ظاہری اسباب کے خلاف ہے وہ کہتے تھے یہ بات غلط ہے ان کا نظریہ یہ تھا کہ نیچر اور فطرت کے خلاف کوئی چیز واقع نہیں ہوسکتی اس لئے شاید آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ ان لوگوں کو نیچری کہتے ہیں یہ نیچری اس لئے کہلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا دار الاسباب ہے اور ہر چیز کی ایک نیچر ہے آگ کی نیچر ہے کہ وہ جلاتی ہے پانی کی نیچر ہے کہ ڈبوتا ہے تو جو جس چیز کی نیچر ہے وہ بدل نہیں سکتی ہے اس لئے آگ میں جو چیز جائے گی جل جائے گی پانی میں جو چیز جائے گی اگر ثقل والی ہوگی تو ڈوب جائے گی۔ اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

احادیث معجزات میں تاویلیں:

اس لئے جو بھی معجزہ ان کے سامنے پیش کیا جائے اس کی وہ ایسی تاویل کرتے ہیں کہ تاویل کر کے اس کو زیادہ سے زیادہ اسباب کے قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں یہ سرسید احمد خان علیگڑھی جو علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی ہیں... یہ ان کی بات کر رہا ہوں.... نیچریوں کے یہ ہندوستان کے اندر امام ہیں۔

بارہ چشموں والے معجزے میں تاویل:

بس ایک مثال آپ کے سامنے عرض کردوں قرآن کریم میں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ذکر کرتے ہوئے یہ لفظ آیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی مانگا تو ہم نے کہا اِضۡرِبۡ بِعَصَاكَ الۡحَجَرَ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا۔☆ یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرآن میں مذکور ہے جس کا سیدھا سادھا مطلب

☆ (بقرہ۔ آیت ۶۰)

ساری امت سمجھتی آ رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگا اور ہم نے کہا تو اپنی لاٹھی اس پتھر پر مار تو موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی پتھر پر ماری اور معجزے کے طور پر ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے ہم ہمیشہ ترجمہ یہی پڑھتے ہیں ..یہی پڑھاتے ہیں .... جب سے قرآن کریم اترا اس وقت سے جتنے قرآن کریم کے مفسر ہوئے اس کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں اور یہی سمجھتے ہیں ...اور آپ نے بھی یہی سمجھا ہے نا؟ کہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا پتھر پہ مارا اور اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

اب یہ ایک لاٹھی پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑیں یہ سر سید احمد کی عقل میں نہیں آتا کہ یہ کیسے ہو گیا پتھر پہ لاٹھی ماری اور اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے وہ کہتے ہیں اس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ پتھر پہ لاٹھی ماری بارہ چشمے پھوٹ پڑے تو پھر اس کا مطلب کیا ہے بھائی؟ وہ کہتے تھے اس کا مطلب یہ ہے موسیٰ علیہ السلام سے موسیٰ کی قوم نے پانی مانگا کیونکہ جہاں موسیٰ نے اپنی قوم کو ٹھہرایا تھا وہاں پانی نہیں تھا۔ تو ہم نے کہا بِعَصَاکَ الْحَجَر

وہ کہتے ہیں کہ ضرب کا معنی صرف مارنا نہیں ہوتا بلکہ ضرب زمین میں چلنے کو بھی کہتے ہیں دو تین آیتیں بطور نمونہ کے۔ "اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ" ☆ جب تم زمین میں چلو تو کوئی ڈر نہیں کہ تم قصر کر لیا کرو اور بھی دو تین جگہ قرآن مجید میں ہے۔ ضرب کا معنی زمین پر چلنا قرآن کریم میں کئی جگہ آتا ہے۔ جیسے یہ ایک آیت میں نے آپ کو سنا دی۔ وہ کہتے ہیں کہ عصا کا معنی صرف لاٹھی نہیں بلکہ عصا لاٹھی کو بھی کہتے ہیں اور عصا عربی

☆ (نساء۔ آیت ۱۰۱)

کے اندر جماعت کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ لغت کے اندر یہ محاورہ موجود ہے بلکہ "تَفَرَّقَتْ عَصَاهُمْ۔ ان کی جماعت متفرق ہوگئی ان کی لاٹھی پھٹ گئی یہ معنی نہیں اس کا "تفرقت عصاہم" کا معنی ہے ان کی جماعت متفرق ہوگئی تو عصا جماعت کو بھی کہتے ہیں صرف لاٹھی کو نہیں کہتے

اورالحجر سے مراد ہے پہاڑی علاقہ تو آیت کا معنی اصل میں یوں تھا کہ جب موسیٰ سے قوم نے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی جماعت کو لے کے پہاڑوں میں چلا جا تو موسیٰ اپنی جماعت کو لے کے پہاڑوں میں چلے گئے وہاں دیکھا تو بارہ چشمے موجود تھے دیکھو عقل کے مطابق ہوگئی بات۔ پہاڑوں میں چشمے ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں تو چشمے ہوتے ہی ہیں جانتے ہیں نا، آپ۔؟

اب یہ کہ لاٹھی ماریں پتھر پر۔ بارہ چشمے پھوٹ پڑیں یہ سرسید کی عقل میں نہیں آتا۔ اس نے یہ تاویل کرلی تو ان کو کہتے ہیں نیچری یہ لوگ معجزات کے منکر ہیں جو معجزہ ان کے سامنے پیش کیا جائے وہ اس کی اس قسم کی تاویل کرتے ہیں جیسے یہ تاویل اس آیت کی میں نے آپ کو سنائی۔

معراج والے معجزے میں تاویل:

ایسے جلدی سے یہی ذہن میں آ گئی ایک بات۔ کہ اس طرح سے تاویل کر کے وہ ہر معجزے کو وہ اس میں لانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کو اسباب کے درجے میں لے آئیں تاکہ ہر کسی کی سمجھ میں آ جائے۔ مثلاً معراج کا معجزہ ہے وہ کہتے ہیں کہ خواب ہے اور خواب میں آپ چاہے جہاں چلے جائیں، حضور خواب میں بیت المقدس گئے۔ خواب میں ملاقاتیں ہوئیں۔ خواب میں آسمانوں پر گئے۔ خواب

میں اللہ سے باتیں ہوئیں تو خواب کس کو نہیں آتا۔

اب بیداری کے اندر ایک انسان بیداری میں مہینوں کا سفر طے کرے اور ساتویں آسمان تک چلا جائے اور اللہ سے باتیں کرے۔ جنت دیکھے دوزخ دیکھے فرشتوں سے ملاقاتیں ہوں انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائے راتوں رات واپس بھی آجائے تو یہ نیچریوں کی عقل میں نہیں آتی بات، وہ کہتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے تو پھر جب یہ ہو نہیں سکتا تو حدیث میں تو آ گیا۔ کہتے ہیں سمجھنے والوں کی غلطی ہے یہ خواب ہے اور خواب میں آپ جہاں چاہیں پھرتے رہیں اور تھوڑے سے وقت میں آپ کتنے کتنے سفر کر آتے ہیں تو اس طرح سے اس کو خواب پر محمول کر کے قریب الی الفہم کر دیا ہے کہ لوگوں کی سمجھ میں بات آ گئی واقعی خواب اگر ہو تو خواب میں تو بیت المقدس کیا تم ہر روز انگلینڈ جاؤ اور وہاں جا کے سارے عجائب گھر دیکھ کے راتوں رات واپس آجاؤ۔ تمہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ تمہیں کون جھوٹا کہے گا۔☆

غلط تاویل کا مدلل رد:

لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ نہیں معلوم کہ اگر یہ خواب ہوتا تو اس بناء پر لوگ تکذیب کیوں کرتے؟۔ پھر اس بناء پر جھٹلانے کی کوشش کیوں کی گئی؟۔ فتنہ کیوں کھڑا ہو گیا؟۔ میں بیان کروں کہ میں رات دہلی گیا تھا اور وہاں سیر کر کے سارے ہندوستان کے امیروں وزیروں سے مل کر۔ بازاروں میں سیر کر کے میں آ گیا ہوں تو کوئی کہے گا میں جھوٹ بولتا ہوں؟، خواب میں جہاں چاہیں پھرتے رہیں۔ تو اس خواب کو فتنہ کیوں بنالیا گیا لوگ جھٹلانے پر کیوں آمادہ ہو گئے اس لئے یہ بیداری کا

☆ (تفسیر القرآن لسر سید ۶/۹۴۔ بحوالہ خودنوشت افکار سرسید)

واقعہ ہے یہ خواب نہیں ہے تو ایک طبقہ تو یہ ہے جو یہ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں کہ کسی انسان کے ہاتھ سے ایسا کام ظاہر ہوسکتا ہے جو عام انسانوں کے بس میں نہ ہو ظاہری اسباب کے خلاف ہو۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا یہ لوگ ہیں جو نیچری کہلاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کی فطرت بدلتی نہیں ہے جو فطرت ہے وہ باقی رہتی ہے یہ تو ہیں انتہائی کوتاہی کرنے والے جن کے دل میں نہ نبی کی عظمت۔ نہ اللہ کی قدرت کے قائل۔

اور ایک طبقہ وہ ہے کہ جو انہیں معجزات کو اس نبی کے قادر مطلق ہونے کی دلیل بنالیتا ہے کہ اگر یہ انسان ہوتے تو ایسے کیسے کر کے دکھاتے؟.... جب انہوں نے یوں کر کے دکھا دیا معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہی نہیں۔ یہ کچھ اور ہے اور اس کو ان کی قدرت کی دلیل بنالیا کہ یہ قادر ہیں۔ ایسے کام کر دیتے ہیں جو عام انسان نہیں کر سکتا۔ یہ افراط ہے۔ کہ عقیدت میں افراط ہوگئی۔

کرامات کے بارے میں افراط وتفریط:

بالکل اسی قسم کا معاملہ اولیاء اللہ کی کرامات کے ساتھ بھی ہے کہ ایک طبقہ تو ایسا ہے جو کسی ولی سے کوئی کرامت صادر ہونا مانتا ہی نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ''اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْن'' ہیں یہ افواہیں یہ جھوٹے قصے ہیں... کسی انسان سے کوئی ایسا واقعہ نہیں صادر ہوسکتا کہ جو عام اسباب کے خلاف ہو اور دوسرا انسان اس کو کر کے نہ دکھا سکے وہ سرے سے کرامات کے منکر ہیں اور اس قسم کی بات اگر سامنے آتی ہے تو کہتے ہیں یہ محض عقیدت کے قصے ہیں ...ورنہ حقیقت اس میں کچھ نہیں ہے۔ وہ سرے سے کرامات کا انکار کر دیتے ہیں

اور ایک طبقہ وہ ہے کہ جو انہیں کرامات کو ان کے قادر ہونے کی دلیل بناتا ہے اور ان کے مشکل کشا ہونے کی۔ فریاد سننے کی دلیل بناتا ہے کہ دیکھو فلاں نے یہ کر کے دکھا دیا۔ حلاں نے یہ کر کے دکھا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کو بھی قدرت حاصل ہے اور وہ بھی یوں کر سکتے ہیں تو یہی کرامات ان کے لئے شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن گئیں... اور وہ اللہ کے نیک بندوں کو اللہ بنا بیٹھے اور اللہ کے بندوں کو خدا کی خدائی میں شریک کرلیا

تو بعضے لوگ تھے انہوں نے انہیں واقعات کو لے کر جب وہ بیان کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ یوں کر سکتے ہیں یوں کر سکتے ہیں۔ دلیل کے طور پر یہ کرامات ہی بیان کرتے ہیں اور ان کرامات سے استدلال کر کے لوگوں کو پیر پرستی، قبر پرستی قبروں کے ساتھ عقیدت اور انکا طواف اور ان کے اوپر چڑھاوے چڑھانا اور وہاں جا کے مرادیں مانگنا۔ ان شرکیہ اعمال پر وہ برانگیختہ کرتے ہیں۔ آمادہ کرتے ہیں تو انہیں کرامات کے ذریعے سے کرتے ہیں۔

عنوان بالا کو اختیار کرنے کی وجہ:

اس لئے ضرورت پیش آئی کہ ہم آپ کے سامنے اس بات کو واضح کریں کہ معجزات اور کرامات کی حقیقت کیا ہے اور اس بارے میں اہل سنت والجماعت اہل حق اور خصوصیت سے علماء دیوبند اور ہمارا اس میں کیا نظریہ ہے انسان اس کو کس انداز میں سوچے اور کس انداز میں دیکھے اس لئے ضرورت پیش آئی کہ اس عقائد کے بیان کے سلسلے میں کرامات کا تذکرہ بھی کر دیا جائے... تو یہ ہے اس عنوان کے اختیار کرنے کی وجہ۔

معجزات اور کرامات کے بارے میں صحیح نظریہ:

تو اب حقیقت حال یہ ہے کہ جس طرح سے معجزات برحق جو قرآن کریم میں آگئے وہ بھی اور جو قرآن کریم میں مذکور نہیں لیکن روایات صحیحہ کے اندر آئے ہوئے ہیں وہ معجزات بھی برحق...اور اسی طرح سے ہم ان کو معجزہ مانتے ہیں جس طرح سے وہ ظاہر کے طور پر بیان ہوئے۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟ جو قرآن کریم میں آگئے ان کو بھی مانتے ہیں اور جو قرآن کریم میں نہیں آئے لیکن صحیح روایات کے اندر مذکور ہیں۔خواہ وہ سرور کائنات ﷺ کے ہوں یا دوسرے انبیاء کے ہوں۔ہم ان کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔اور اسی طرح سے تسلیم کرتے ہیں جس طرح سے روایات کے ظاہر سے سمجھ آتا ہے۔ہم ان میں سے کسی میں تاویل کرنے کے قائل نہیں اور ہم ان میں سے کسی کے انکار کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

وہ معجزات کتنی نوعیت کے ہیں وہ آگے میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں اصولی طور پر پہلے گفتگو سن لیجئے۔ہم ان سب معجزات کو مانتے ہیں اور ایسے ہی کرامات اولیاء برحق یہ ہمارا عقیدہ ہے اولیاء اللہ کی کرامات صحیح ہیں اور اللہ کے ولیوں سے ایسے کام ہوتے ہیں جو عام انسان نہیں کرسکتا۔

جیسے انبیاء سے معجزات صادر ہوتے ہیں اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں علماء دیوبند اس بات کے قائل ہیں میں بھی اس بات کا قائل ہوں اور آپ بھی قائل ہیں۔

اولیاء اللہ سے کرامات صادر ہوتی ہیں نظریہ کے طور پر۔عقیدے کے طور پر ...پہلے اس بات کو لیجئے کہ اولیاء اللہ سے کرامات صادر ہوتی ہیں کیسی کیسی کرامات،

صادر ہوسکتی ہیں یہ بھی آپ کے سامنے اسی طرح سے تفصیل طلب بات ہے جس طرح سے کیسے کیسے معجزات صادر ہوئے انبیاء علیہم السلام سے۔ کتنی نوعیت کے ہیں۔ کرامات بھی اتنی نوعیت کی ہیں۔

کرامات تسلیم ہیں مگر نقل کی صحت شرط ہے:

لیکن اولیاء اللہ کی کرامات جو صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہوں، یہ ہماری بات یاد رکھنا۔ قرآن کریم میں آگئیں یا روایات حدیث میں آگئیں یا اولیاء اللہ کے تذکروں میں بشرطیکہ روایت صحیح ہو اور اس کے نقل کرنے والے صحیح لوگ ہوں جو کرامات ثابت ہوں ہم ان کو تسلیم کرتے ہیں کرامات تسلیم کرتے ہیں بشرطیکہ صحیح ہوں جیسے معجزات ہم مانتے ہیں بشرطیکہ صحیح روایات کے اندر ان کا ذکر آیا ہوا ہو۔

مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل:

بس یہ جو میں نے آیت پڑھی قرآن کریم کی (یعنی خطبے کے اندر) اس میں کرامت ہی مذکور ہے اس لئے میں نے یہ پڑھی کہ حضرت مریم علیہا السلام جس وقت (حضرت مریم نبی نہیں تھیں۔ یاد رکھئے۔ اللہ نے کسی عورت کو نبی نہیں بنایا یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے) حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو ایک کمرے میں بٹھایا ہوا تھا اور باہر سے دروازہ بند کر کے جاتے تھے کسی اور کے آنے کا امکان ہی نہیں تھا لیکن جب حضرت مریم کے پاس آتے ہیں۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔☆

☆ (آل عمران۔۔ آیت ۳۷)

کہ جس وقت وہ آتے، اس کمرے میں داخل ہوتے تو مریم کے پاس رزق موجود ہوتا جیسے تفاسیر میں لکھتے ہیں ایسے ایسے پھل جو بے موسم ہوتے مریم کے پاس پہنچے ہوئے ہوتے۔ جب کہ دروازہ بند ہوتا وہاں کوئی جا ہی نہیں سکتا تھا۔ تو پوچھتے یَا مَـرْيَـمُ اَنّٰى لَکِ هٰذَا مریم یہ تجھے کہاں سے مل گئے۔ یہ پھل تیرے پاس کہاں سے آگئے۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ۔ تو مریم کہتی۔ اللہ کی جانب سے آئے ہیں۔ اِنَّ اللهَ يَـرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے، اب ظاہری اسباب کے خلاف ظاہری اسباب کے بغیر بند کمرے میں حضرت مریم کے پاس رزق کا پہنچ جانا یہ حضرت مریمؑ کی کرامت ہے ارے بات سمجھے؟... اس کو معجزہ نہیں کہیں گے کیونکہ حضرت مریمؑ نبی نہیں تھیں۔

حضرت خبیبؓ کے پاس بے موسم تازہ انگور:

جیسے کہ اسی طرح کی کرامات بخاری شریف (۲/۵۸۵) میں ہے۔ وہ جو دس صحابہ تھے، غزوہ ذات الرجیع میں جن میں سے سات تو وہاں شہید ہوگئے مقابلہ کرتے ہوئے... تین اتر آئے تھے... دو گرفتار ہو گئے۔ ان میں سے حضرت خبیب جس گھر کے اندر وہ گرفتار تھے اس گھر کی عورت نقل کرتی ہے (صحیح بخاری میں موجود ہے) وہ کہتی ہیں کہ خبیب جیسا اچھا قیدی میں نے نہیں دیکھا۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا گھر میں اور مکہ میں ان دنوں کہیں پھل موجود نہیں تھا اور میں نے خبیب کے ہاتھ میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں انگوروں کا خوشہ ہے اور وہ انگور کھا رہا ہے۔ انگوروں کا خوشہ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ کھا رہا ہے تازہ بتازہ انگور جب کہ مکہ میں ان دنوں پھل ہی موجود نہیں تھا اور وہ خود زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے اور مشرکوں کے گھر میں پڑا

ہے۔ اللہ کی طرف سے رزق ملتا ہے کھا رہا ہے یہ کرامت حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی بخاری میں موجود ہے یا قرآن کریم میں ہی ایک کرامت اور ذکر کی گئی ہے۔ بنیاد تلاش کر کے دے رہا ہوں آپ کو کرامات کی بنیاد۔

تختِ بلقیس پل جھپکنے کی مقدار میں آ گیا:

یا قرآن کریم میں ہی ایک کرامت اور ذکر کی گئی ہے (بنیاد تلاش کر کے دے رہا ہوں آپ کو... کرامات کی بنیاد)۔ قرآن کریم میں ایک اور کرامت بھی مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جس وقت خط و کتابت ہوئی بلقیس کے ساتھ... اور وہ بلقیس سلیمان علیہ السلام کی طرف چل پڑی اپنی جگہ سے... یہ بلقیس تھی یمن میں اور سلیمان علیہ السلام تھے شام میں... شام اور یمن کے درمیان آج فاصلہ دیکھ لیں کتنا ہے... پورا سعودی عرب ملک درمیان میں ہے اگر ہوائی جہاز پر وہاں سے شام چلیں تو کم از کم تین گھنٹے ساڑھے تین گھنٹوں میں ہوائی جہاز آتا ہوگا کیونکہ جدہ سے چل کے سعودی عرب کا جو ایئر پورٹ ہے آخری دمام ڈیڑھ گھنٹے میں تو جہاز وہاں پہنچتا ہے اور جدہ تقریباً سعودی عرب کے وسط میں اتنا ہی پرے ہے... اور اس کے ساتھ پھر آگے ملک شام لگتا ہے... تو ہوائی جہاز پر بھی ساڑھے تین گھنٹے لگتے ہیں وہاں سے آنے کے لئے۔

تو جب یہ بلقیس چلی اور حضرت سلیمان کو اطلاع ہوگئی تو حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں کو خطاب کر کے کہا تھا۔ يَاۤ اَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا ☆

☆ (سورۂ نمل۔ آیت ۳۸)

اے میرے پاس بیٹھنے والے میرے درباریو! تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت اٹھا کے لے آئے۔ قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِیْ۔ قبل اس سے کہ وہ میرے پاس آ جائے۔ میرے پاس آنے سے پہلے پہلے انکا عرش، تخت کون اٹھالائے گا تو وہاں بیٹھا ہوا ایک جن بولا تھا، کہ جی میں لاتا ہوں اور آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے لے آتا ہوں وہاں سے ہوائی جہاز کا تین گھنٹے کا سفر پیدل اگر چلیں تو کم از کم دو ڈھائی مہینوں کا سفر ہوگا، وہ کہنے لگا میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے لے آتا ہوں۔ لیکن قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اور ایک شخص وہاں اور بیٹھا ہوا تھا جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ کہنے لگا آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دیتا ہوں چنانچہ اس نے ایک منٹ میں تخت حاضر کر دیا، فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے جب دیکھا کہ تخت سامنے آ گیا ہے... کہا یہ میرے رب کے فضل سے آ گیا اللہ نے یہ میرے پہ احسان کیا ہے کہ وہ دیکھے میں شکر گزار بندہ بنتا ہوں یا کیا بنتا ہوں، تخت ایک لمحہ میں آ گیا، آنکھ جھپکنے سے پہلے اور یہ الذی عندہ علم من الکتاب، یہ کون تھا اس کے متعلق لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا، آصف بن برخیاء، (تفسیر ابن کثیر ۳/۳۶۵) تو آصف بن برخیاء نے ایک لمحہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے اتنے دور سے عرش عظیم جس کو قرآن نے کہا، بہت بڑا تخت تھا اور وہاں سے یہاں منتقل کر دیا آنکھ جھپکنے سے پہلے یہ بھی ان کرامات میں شامل ہے۔ جس سے بُعدِ مسافت ختم ہوگئی اور اتنا بڑا تخت اللہ کی قدرت کے ساتھ جس طرح تھا آصف بن برخیاء کی کرامت سے آنکھوں کے سامنے آ گیا یہ کرامت بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے سلیمان علیہ السلام کے قصے میں۔

کرامات کے بارے میں اصولی بات:

اور آگے روایات حدیث میں بہت ساری کرامات نقل کی گئی ہیں ان کی تفصیل آپ کے سامنے ابھی عرض کرنا مقصود نہیں اصولی بات ایک ذکر کرتا ہوں جو بات معجزات کے طور پر صادر ہوسکتی ہیں بات یاد رکھئے جو باتیں معجزات کے طور پر صادر ہوسکتی ہیں وہ بطور کرامت کے بھی صادر ہوسکتی ہیں بشرطیکہ وہ معجزہ ایسا نہ ہو جس کے ساتھ تحدی کی گئی ہو

یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یاد رکھئے۔ تحدی کا معنی چیلنج اگر کوئی معجزہ ایسا ہے کہ چیلنج کر دیا گیا ہو کہ کوئی دوسرا شخص ایسا کر نہیں سکتا کسی کے ہاتھ سے یہ بات ظاہر نہیں ہوسکتی وہ چیز کرامت کے طور پر بھی نہیں آئے گی اور وہ پورے معجزات کی فہرست میں صرف ایک معجزہ ہے جس کے ساتھ تحدی کی گئی ہے کہ اس کی مثل لا کے دکھاؤ چاہے سارے جن وانس جمع ہو جائیں اس کی مثل نہیں لاسکتے وہ ہے صرف قرآن کریم، قرآن کریم کے متعلق قرآن کریم میں ہی اعلان کیا گیا ہے کہ اگر جن و انسان بھی سارے کے سارے جمع ہوجائیں۔ اس قرآن کی مثل لانے پر... تو نہیں لاسکتے۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۞

اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

اس لئے کوئی ولی اگر کہے میں کرامت کے طور پر قرآن جیسی ایک سورۃ بنا کے لاتا ہوں تو غلط ہے ایسا نہیں ہوسکتا، ممکن نہیں ہے،... سارے جن... سارے انسان ...سارے ولی اکٹھے ہو جائیں تو بھی قرآن کریم کی مثل نہیں لاسکتے جس کے ساتھ تحدی کی گئی ہے اس کی مثل نہیں لائی جاسکتی ان معجزات میں سے وہ معجزہ صرف

۞ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۸۸)

قرآن کریم ہے اور اس کے علاوہ باقی جتنے معجزات ہیں انبیاء علیہم السلام سے جو معجزے صادر ہوتے ہیں اولیاء اللہ سے اس قسم کی کرامات صادر ہو سکتی ہیں اصولی طور پر اس بات کو یاد رکھئے۔ صادر ہو سکتی ہیں لیکن صادر ہونے کا مطلب ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے..... باقی مانیں گے ہم کس کو جو صحیح سند کے ساتھ معتبر ذریعے سے ہمارے سامنے آئے گی، الٹی پلٹی باتیں میراثیوں کے گانے کے ساتھ، قوالیوں کے چھاپنے کے ساتھ اس قسم کی باتوں کو سن کے مان لینا اگرچہ وہ کرامت کے درجے میں لوگ ذکر کرتے ہوں اس کے ہم قائل نہیں۔

بات صحیح ہو، قرآن میں آئی ہے حدیث میں آئی ہے علماء امت نے نقل کیا ہے صحیح سند کے ساتھ ہمارے سامنے آئی ہو نقل کرنے والے معتبر ہوں جن کے اوپر اعتماد کیا جا سکے کوئی کرامت ہو ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

بارہ سال بعد بیڑا اتارنے کا قصہ بے اصل ہے:

اور اگر ایسے خواہ مخواہ میراثی ٹھونکتے پھریں اور ان کا کوئی کسی قسم کا ثبوت نہ ہو اس قسم کے جھوٹ کے پلندوں کو ماننے کے لئے ہم نہیں تیار۔ اس کی ایک مثال دے دوں، عام طور پر آپ گویوں سے سنتے ہیں میراثیوں سے سنتے ہیں۔ قوالیوں سے سنتے ہیں۔

کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ سال کے بعد ڈوبا ہوا بیڑا تار دیا تھا۔ سنا ہے آپ نے، سنتے ہو؟ کتنے سال کے بعد؟ بارہ سال کے بعد کوئی بارات تھی تو بیڑی میں بیٹھی جا رہی تھی اور وہ بیڑی ڈوب گئی، بیڑا ڈوب گیا جب وہ بیڑا ڈوب گیا تو بارہ سال کے بعد وہ نکالا اور نکال کے ٹھیک ٹھاک کر دیا،

یہ میراثیوں کی گائی ہوئی بات ہے اور قوم کے ذہن میں اس طرح سے بیٹھ گئی کہ میں نے کئی بسوں کے اندر وہ تصویریں لگی ہوئی دیکھی ہیں جیسے دریا میں سے کوئی ہاتھ کے ساتھ کشتی اٹھا رہا ہوں اور اوپر وہ کشتی کی تصویر دی ہوئی ہے نیچے ہاتھ کا اشارہ دیا ہوا ہے...... یہ تاثر دینے کے لئے کہ یہ صورت تھی بیڑا نکالنے کی کہ بیڑا ڈوب گیا تھا اور ساری کی ساری بارات بیڑے کے اندر تھی اور بارہ سال تک وہ بڑھیا روتی رہی اور وہ پیر عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گئی...اور جا کے فریاد کی.....تو پیر جی نے یوں ہاتھ نیچے کر کے یوں بیڑا نکال دیا، تصویر کے اندر یہ دکھایا ہوا ہے یہ تصویریں غالباً آپ نے دیکھی ہوں گی، میں نے یہ بس کے اندر لگی ہوئی دیکھی ہے آپ میں سے کس نے دیکھی ہے تصویر؟ ہاں یہ نیچے سے ہاتھ دے کے یوں بیڑا اٹھایا ہوا ہے...... یہ واقعہ میراثیوں کا گایا ہوا ہے۔

دلیل نمبر 1:

اس کی دلیل کیا ہے؟ ہندوستان اور پاکستان کی قصہ کہانیوں کی کتابوں کے علاوہ، آپ کو معلوم ہے شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ رہنے والے کہاں کے تھے؟ بغداد کے رہنے والے تھے بغداد عراق میں ہے اور یہ کس زمانے میں ہوئے ہیں یہ بھی آپ کو معلوم ہے؟ یہ چھٹی ہجری کے ہیں یعنی حضور ﷺ کی ہجرت کے پانچ سو سال بعد یہ پیدا ہوئے ہیں اور اب کونسی صدی ہے؟ ۱۴۰۰ تو کتنے سال ہو گئے ۹ سو سال۔ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وقت کے محدث تھے، وقت کے مفتی تھے۔ بہت بڑے عالم تھے سلسلہ انکا جاری تھا، اب بھی ان کے نام پر اس جگہ مدرسہ ہے عراق میں....ہندوستان و پاکستان کی قصے کہانیوں کی کتابوں کو چھوڑ کر...ان میراثیوں

کے ان نظموں، نعتوں کو چھوڑ کر ... حضرت شیخ عبدالقادر کی جتنی سوانح لکھی گئیں چاہے عربی میں ... چاہے فارسی میں ... چاہے اردو میں ... جو کسی معتبر آدمی نے لکھی ہے، دنیا کی کسی کتاب کے اندر یہ واقعہ مذکور نہیں ہے، یہ واقعہ ہے تو یا ان چھپے ہوئے قصے کہانیوں میں یا میراثیوں کی زبان پر، اب اس قسم کی کرامتوں کو تسلیم کرنا ہمارے ذمے نہیں ہے ارے بات سمجھے؟۔

دلیل نمبر 2:

آپ کو ایک عجیب بات بتا دوں.... ایک بزرگ کی بات بڑی اچھی مجھے پسند آئی وہ کہتے ہیں ان گانے والوں نے گایا تو خوب لیکن واقعہ پورا نہیں سنایا ذرا آپ بھی توجہ سے سن لیں .... واقعہ پورا یوں ہے (کیونکہ جب ایک حکایت ہی گھڑنی ہے تو یوں گھڑنے میں کیا حرج ہے؟) کہتے ہیں واقعہ یوں ہے کہ ایک بڑھیا کے بیٹے کی بارات جا رہی تھی اور وہ کشتی میں سوار ہوئی تو اس میں ۳۰، ۳۵ آدمی ہوں گے ۴۰ ہوں گے، ۵۰ ہوں گے جتنے ہوں گے، بارات جس طرح سے ہوتی ہے بیڑا ابھر گیا بارات کے ساتھ اور وہ بارات ڈوب گئی، بارات کیا ہوگئی؟ ڈوب گئی۔

اب وہ بڑھیا بارہ سال تک روتی رہی۔ بارہ سال کے بعد اس کو دروازہ مل گیا شیخ عبدالقادر جیلانی کا۔ انہوں نے وہاں فریاد کی تو شیخ نے وہ بیڑا نکال دیا کہتے ہیں یہاں تک تو میراثی گاتے ہیں۔ اگلی بات نہیں بتاتے کہ جب بارات وہاں پہنچی اس لڑکی کی تو آگے شادی ہوگئی اور وہ بچوں والی ہوگئی بارہ سال جو ہوگئے۔ اس نے تو آگے کئی بچے جن دیئے تو وہاں جا کے فساد ہو گیا کہ ہم تو بچی لینے آئے تھے تم نے اور کسی کو کیوں دے دی، وہاں لڑائی ہوگئی۔ اب وہ جہاں آگے اس کی شادی ہوئی تھی

وہ کیسے واپس کریں وہاں وہ بچے جنے بیٹھی ہے اور جب یہ رودھو کے لڑ بھڑ کے واپس آئے تو سب کی بیویاں آگے شادی کی بیٹھی ہیں اور سب کی جائیدادیں تقسیم ہوگئیں آخر جس آدمی کو مرے ہوئے بارہ سال ہوجائیں بارہ سال میں جائیدادیں تقسیم ہوجاتی ہیں ان کی بیویوں نے بھی آگے نکاح کرلیا جب بیویوں نے آگے نکاح کرلیا جائیدادیں تقسیم ہوگئیں کوئی ان کو گھر گھسنے نہیں دیتا، جب گھر گھسنے نہیں دیتا تو پھر سارے اکٹھے ہو کے کہتے ہیں یا اللہ بیڑا ڈوبا ہی رہتا تو اچھا تھا، یہ گھر گھر جو فساد ہوگیا، یہ تو تار کے برباد کردیا یہ آخر اس کرامت کا نتیجہ ہے

تو یہ اگلی بات بھی تو بتاؤ کہ بارہ سال کے بعد جب وہ بارات جائے گی تو کیا وہ لڑکی گھر بیٹھی ہوگی، جس کے نکاح کے لئے وہ گئے تھے.... تو یوں اگر پورا واقعہ بیان کریں پھر تو پتہ چلے اس کرامت کی حیثیت کیا ہے کہ بارہ سال کے بعد یہ بیڑا اتارا تھا تو آخر نتیجہ کیا ہوا۔ نتیجہ فساد۔ اس لئے یہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

مذکورہ قصہ کا ایک صحیح مفہوم اردو محاورات کی روشنی میں:

اگر یہ کسی بزرگ نے لکھا ہو یا بالفرض کسی کتاب کے اندر ہو تو اس کا ایک صحیح مطلب بھی ہے ایک۔ وہ کیا ہے؟ یوں سمجھیں جیسے.... ایک بڑھیا تھی اس کا ایک ہی بچہ تھا نوجوان... اور وہ نشئی ہوگیا.. نشہ کھانے لگ گیا.. گھر کے برتن بھی اٹھا کے بیچ دیئے.. کوئی کام نہیں کرتا... گڑ بڑ کرتا ہے.... لوگ کہیں گے... اس بے چاری بڑھیا کا تو بیڑا ہی ڈوب گیا.. ایک ہی بچہ تھا... وہ بھی برباد ہوگیا، ہمارے ہاں محاورہ ہے کہ نہیں؟ کہ فلاں کا تو بیڑا ہی ڈوب گیا،... یہ بیڑا ڈوبنا، بٹھا بیٹھ جانا، یہ محاورہ ہے یا

نہیں؟... کہ اس بیچاری کا تو بیڑا ہی ڈوب گیا یہ تو زندہ ایسی ہے جیسے مری ہوئی،
بارہ سال تک بچہ آوارہ رہا آخر کسی بزرگ کی توجہ سے وہ نیک ہو گیا، نیک ہو کے ماں کا خدمت گزار ہو گیا وہ بڑھیا تو دعائیں دے گی کہ بارہ سال کے بعد اس بزرگ نے میرا بیڑا اتار دیا بات ٹھیک ہے یا نہیں؟ اگر اس کلام کو صحیح معنی پر محمول کر لیا جائے تو پھر اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، ہم کہتے ہیں میں تو مر چکا تھا، فلاں کی صحبت نے مجھے زندہ کر دیا، یہ قوم مردہ ہوگئی تھی لیکن فلاں لیڈر اٹھا اس نے قوم کو زندہ کر دیا...... یہ خاندان جو تھا... یہ بالکل نیم جان ہو گیا تھا لیکن ایک شخص ان میں پیدا ہوا جس نے سارے خاندان کو زندہ کر دیا،....اب یہ سارے خاندان کو زندہ کر دیا...قوم کو زندہ کر دیا، مردہ کو زندہ کر دیا، قوم کا بیڑا اتار دیا... ان کا بٹھا بیٹھ گیا تھا دوبارہ ان کو آباد کر دیا... کیا یہ محاورے نہیں ہیں؟ تو اس طرح سے کسی بڑھیا کا آوارہ بیٹا جو وہی ایک زندگی کا سہارا تھا اور وہی آوارہ ہو گیا اور اس نے اس بڑھیا کی زندگی جو ہے اجیرن کر دی تھی اگر بارہ سال وہ بیچاری روتی رہی بیٹے کے لئے ....اور بارہ سال کے بعد وہ بیٹا کسی ولی کے ہاتھ چڑھ گیا... اس نے اس کو توبہ کروا دی اور وہ ماں کا فرمانبردار ہو گیا... گھر میں آ گیا... گھر اس نے بسا لیا اور آ کے اپنا کام سیدھا کر لیا تو ہر عقلمند اس کو جانتا ہے کہ اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس بڑھیا کا بیڑا بارہ سال کے بعد فلاں اللہ کے بندے نے تار دیا، ٹھیک ہے بات؟ تو اگر محاورے کے مطابق اس کلام کو لیا جائے تو بات صحیح ہے۔

شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تاثیر:

اب یہ بات تو یوں ہی تھی اگر ہوئی ہے تو۔ کیونکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو

اللہ نے اتنے اثرات دیئے تھے... جس طرح سے آج آپ تبلیغی جماعت والوں کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا

کتنے ڈاکو تائب ہو کے نیک بن گئے اور تہجد گزار ہو گئے

کتنے چوروں نے چوریوں سے توبہ کر لی۔

کتنے زانیوں نے توبہ کر لی۔

کتنے بے نمازی نمازی ہو گئے

اور کتنے بدکردار لوگ ٹھیک ہو گئے.... تو وہ جس وقت اپنا قصہ آپ کو سنائیں گے وہ کہہ سکتے ہیں کہ بھئی ہم تو مرے ہوئے تھے... اس جماعت نے ہمیں زندہ کر دیا ... ان کے متعلقین کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کے بگڑنے کے ساتھ تو خاندان کا بیڑا ہی ڈوب گیا تھا... اس جماعت کی برکت سے بیڑا اتر گیا... اگر اس انداز میں گفتگو کی جائے تو محاورے کے اعتبار سے بالکل گنجائش ہے... کون کہتا ہے کہ گنجائش نہیں ہے؟ اس لئے بیڑا ڈوب جانا بھی صحیح۔ بیڑا اتر جانا بھی صحیح۔

لیکن اگر ویسے ہی تارنا ہے پھر فساد اس طرح سے ہوگا جس طرح سے میں نے بتایا ہے کہ ادھر جاؤ گے ادھر جوتے پڑیں گے.... ادھر جاؤ گے ادھر جوتے پڑیں گے .... نہ ادھر معاملہ ٹھیک رہے گا نہ ادھر ٹھیک رہے گا... پھر اس کرامت کا نتیجہ سوائے پریشانی کے کچھ نہیں ہوگا.... اور بزرگوں کی کرامتیں لوگوں کی راحت کے لئے ہوا کرتی ہیں ... وہ لوگوں کے گھروں میں فساد کرنے کے لئے نہیں ہوا کرتیں.... اگر یہ کرامت اس طرح سے صادر ہوئی ہوتی تو یقیناً تمیں چالیس گھروں کے اندر فساد ہوا ہوگا... تو اس کرامت کا کیا فائدہ؟ اس لئے اسکو ظاہر پر محمول کرنے کی بجائے محاورے کے مطابق لیا جائے... تو بات اپنی جگہ صحیح بھی ہو سکتی ہے۔

اس لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ کرامت ہو صحیح سند کے ساتھ تو ہر کرامت قابل قبول ہے جس طرح سے انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں اولیاء اللہ سے کرامات صادر ہوتی ہیں اور جو چیز بطور معجزہ کے صادر ہوتی ہے۔

کرامت کے بارے میں ایک اور اصول:

اگلی بات، جو چیز بطور معجزہ کے صادر ہوتی ہے یا جو چیز بطور کرامت کے صادر ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا ہو جانا عقلاً بھی ممکن شرعاً بھی ممکن، کیونکہ عقلاً جو چیز ممتنع ہو وہ نہیں واقع ہوا کرتی اور جو شرعاً ممتنع ہو وہ بھی نہیں واقع ہوا کرتی، معجزے اور کرامت کے طور پر کسی چیز کا پیش آ جانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ عقلاً ممکن ہے شرعاً ممکن ہے.... جب اسکا امکان ثابت ہو گیا تو اس کو ظاہری اسباب اختیار کرنے کے ساتھ کوئی اس قسم کا واقعہ ظاہر کر دے تو اسکو کرامت نہیں کہیں گے کیونکہ کرامت ہوتی ہے ظاہری اسباب کے بغیر اور وہ کام ظاہری اسباب کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے لیکن اسکو کرامت نہیں کہیں گے یہ حقیقت کے اعتبار سے بہت مشکل موضوع ہے اور میں بہت کوشش کر رہا ہوں آپ حضرات کو سمجھانے کی ذرا توجہ کریں آپ۔

معراج کے موقع پر مشرکین کے سوالات:

دیکھو سرور کائنات ﷺ کے ایک معجزے کا ذکر ہے کہ جس وقت آپ معراج سے واپس تشریف لائے اور آپ نے قوم کے سامنے ذکر کیا کہ میں بیت المقدس گیا تھا اور وہاں میری انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی.... جب یہ واقعہ ذکر کیا تو ساری قوم کے اندر شور برپا ہو گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور قوم جانتی تھی کہ آپ کبھی بیت

المقدس نہیں گئے۔ یہ سب کو پتا تھا کہ آپ کبھی بیت المقدس نہیں گئے اس لئے بیت اللہ کے پاس حطیم کے اندر حضور ﷺ کھڑے ہیں اور مشرکوں نے گھیرا ہوا ہے اور مشرکین حضور ﷺ سے پوچھنے لگ گئے کہ اچھا اگر آپ بیت المقدس گئے ہیں تو بتاؤ فلاں چیز کیسی ہے، فلانی چیز کیسی ہے؟ فلانی چیز کہاں ہے؟ کتنی بڑی ہے؟ کتنی چھوٹی ہے؟ یہ مشرکوں نے سوال کرنے شروع کر دیئے۔

سوالات پر حضور ﷺ کا پریشان ہونا:

اب سرورِ کائنات ﷺ کہتے ہیں میں اتنا پریشان ہوا کہ زندگی میں اتنا پریشان کبھی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ وہ ایسی چیز پوچھنے لگ گئے جو میں وہاں سے ضبط کر کے نہیں آیا تھا....، دیکھو آپ میں سے کوئی باب العلوم میں دو سال سے پڑھ رہا ہے.. کوئی چار سال سے پڑھ رہا ہے.. کوئی آٹھ سال سے پڑھ رہا ہے.... ہم یہاں چوبیس سال سے بیٹھے ہوئے ہیں.... اب میں کہوں کہ میں نے چوبیس سال باب العلوم میں گزارے ہیں.... کوئی کہے کہ تو غلط کہتا ہے اگر کوئی کہے کہ تو نے چوبیس سال گزارے ہیں تو مسجد میں جو ٹوٹیاں ہیں ان کی تعداد کتنی ہے،... اور مدرسہ کے اندر کمرے کتنے ہیں؟... مسجد کے اوپر شہتیر کتنے ہیں؟۔ مسجد کی کھڑکیاں اور دروازے کتنے ہیں؟ تو یہ کوئی باتیں یاد کیا کرتا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ میں باب العلوم سے آیا ہوں وہ کہیں گے تو غلط کہتا ہے تو بتا کہ مسجد کتنی لمبی چوڑی ہے؟ اس کے جو دروازے رکھے گئے کتنے دروازے ہیں؟ کسی کو پتہ ہے؟ حتیٰ کہ اگر کوئی آپ سے پوچھ لے مسجد میں پنکھے کتنے لگے ہوئے ہیں... تو کسی نے گنے ہوں گے تو بتائے گا... جس نے نہیں گنے اس کو کیا پتا؟.. تو مشرکوں نے ایسے سوال کرنے شروع کر دیئے فرماتے

ہیں میں کہوں کہ مجھے نہیں پتا تو کہیں گے جھوٹا ہے.... کہتے ہیں بیت المقدس ہو کے آیا ہوں اگر ہو کے آیا ہے تو بتا اور میں نے دیکھا نہیں اور میں نے ضبط نہیں کیا تو میں کیسے جواب دے دوں۔

مکہ میں بیت المقدس نظر آ گیا:

تو پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں فوراً اللہ نے دستگیری کی.... یہ ہے جو اللہ کی قدرت کے ساتھ بات آتی ہے، اللہ نے دستگیری کی کہ "فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ☆ اللہ نے بیت المقدس میرے سامنے روشن کر دیا تو جو وہ پوچھتے تھے میں دیکھ کے بتا دیتا تھا۔ بیت المقدس میرے سامنے آ گیا.... کس طرح سے آ گیا ...کہ اس کی تصویر سامنے آ گئی... یا درمیان کے پردے اللہ نے ہٹا دیئے کہ بیت المقدس وہیں تھا اور یہاں سے حضور ﷺ دیکھ رہے تھے۔ دونوں باتیں ممکن ہیں.. جس طرح سے آج آنکھ بند کر کے اپنے گھر کا سارا مطالعہ کر لیجیے۔ کتنی بھینسیں آپ کے گھر میں کھڑی ہیں۔ کتنے کئے کھڑے ہیں...اور کتنے آپ کے کمرے ہیں... کیسے چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں، آنکھیں بند کر و سب کچھ نظر آ جائے گا آپ کو۔ آپ قوت خیالیہ کے ساتھ دیکھ لیتے ہیں... حالانکہ گھر آپ کا وہیں ہے ...لیکن یہاں بیٹھے آپ دیکھ رہے ہیں ٹھیک ہے کہ نہیں؟ تو اس طرح سے اللہ نے پردے درمیان والے ہٹا دیئے یہ بھی ممکن ہے.... اور اللہ کی قدرت سے ایسا بھی ہو سکتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا عکس سامنے کر دیا ہو اور آپ دیکھتے جائیں دیکھ کے بتاتے جائیں۔ ایسا بھی ممکن ہے۔

☆ (بخاری ۶۸۴/۲، مسلم ۹۶/۱)

مذکورہ معجزے کی مثال دور حاضر میں:

اب یہ دیکھو یہ معجزہ ہے کہ مکہ معظمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس دکھا دیا۔ بات ٹھیک ہے اچھا آج ہر شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہوا، لندن کے تماشے دیکھتا ہے، ...امریکہ کے دیکھتا ہے... مری کے پہاڑ بیٹھا ہوا دیکھتا ہے...شاہی مسجد سامنے آجائے گی، فیصل مسجد اس کے سامنے آجائے گی۔ کیا آج گھر گھر میں یہ چیز ہے یا نہیں ہے؟ کہاں کیسے نظر آتی ہے؟ ٹی وی پر، لیکن یہ ٹی وی پر جو آپ کو نظر آ رہی ہے یہ اسباب کے تحت ہے یہ بلا اسباب نہیں ہے، اس لئے یہ کافر بھی دیکھ سکتا ہے مسلمان بھی دیکھ سکتا ہے۔ چھوٹا بھی دیکھ سکتا ہے بڑا بھی دیکھ سکتا ہے۔ جس کو سب میسر آجائے گا یہاں بیٹھا بیت المقدس بھی دیکھ سکتا ہے۔ حج کے دنوں میں آپ یہاں بیٹھے بیت اللہ بھی دیکھتے ہیں مسجد حرام کو بھی دیکھتے ہیں اور عرفات کا بھی مطالعہ کرتے ہیں مزدلفہ کا بھی کرتے ہیں۔ اگر آپ نے کبھی دیکھا ہے حج کے دنوں میں ٹی وی تو دیکھتے ہیں کہ نہیں دیکھتے۔ اب یہاں بیٹھ کے آپ مکہ معظمہ کو دیکھ رہے ہیں یہ ہے سبب کے تحت لیکن سرور کائنات ﷺ نے دیکھا تھا بغیر سبب کے، اس لئے وہ معجزہ ہے یہ معجزہ نہیں ہے۔ اسکی نقل اتاری جاسکتی ہے۔ روس نے ٹی وی بنایا تو امریکہ نے بنالیا۔ امریکہ نے بنالیا تو اب فرانس نے بنالیا۔ فرانس نے بنالیا، برطانیہ نے بنالیا، جو یہ سبب اختیار کرے گا دور بیٹھے یہ چیز دیکھ بھی سکتا ہے۔ دکھا بھی سکتا ہے، لیکن یہ ہے اسباب کے تحت، یہ معجزہ نہیں ہے، اسباب کے تحت جو چیز ہوا کرتی ہے اس کو معجزہ یا کرامت نہیں کہتے۔ معجزہ اور کرامت ہوا کرتا ہے بغیر سبب کے۔

منبر پر بیٹھ کے غزوہ موتہ کا نظارہ:

جیسے حضور ﷺ مدینہ میں منبر پر بیٹھے ہیں۔غزوہ موتہ کا نقشہ سامنے ہے بتا رہے ہیں اب جعفر شہید ہو گیا۔جھنڈا زید نے پکڑ لیا اب زید شہید ہو گیا۔جھنڈا عبداللہ بن رواحہ نے پکڑ لیا اب عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گیا اور اب جھنڈا خالد بن ولید نے پکڑ لیا۔اور خالد بن ولید کو اللہ نے فتح دے دی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں اور ان کی شہادت کی خبر بھی دے رہے ہیں اور یہاں بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔☆ اللہ نے دکھا دیا یہ معجزہ ہے بغیر کسی سبب کے۔تو معجزے بغیر کسی سبب کے ہوتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے سینکڑوں میل دور بیٹھ کر لشکر کو ہدایات دیں:

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں اور خطبہ پڑھتے پڑھتے آواز دی "یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ" ...☆☆ ایران کے اندر نہاوند مقام کے اندر مقابلہ جاری تھا اور اسلامی فوجیں مجوسیوں کے ساتھ ٹکرائی ہوئی تھیں، حضرت عمر نے جنگ کا نقشہ دیکھا منبر پر کھڑے ہوئے اور وہیں سے ہدایات دینی شروع کر دیں اور وہاں میدان جنگ میں ہدایات پہنچ بھی گئیں اور ساریہ نے آواز بھی سن لی اور ہدایات کے مطابق عمل کیا اللہ نے فتح بھی دے دی اب وہ میدان جنگ دیکھا جا رہا ہے، منبر پر کھڑے ہوئے دیکھا جا رہا ہے، مدینہ میں دیکھا جا رہا ہے اور اس کو آواز پہنچائی جا رہی ہے۔اب سینکڑوں میلوں پر حضرت عمر نے آواز پہنچا دی۔

☆ (بخاری ۱/۱۶۷۔۱/۵۳۱۔نسائی ۱/۲۰۷) ☆☆ (الاصابہ ۳/۵۔تاریخ طبری ۲/۵۵۳)۔

کرامتِ عمرؓ کی مثال دورِ حاضر میں:

اور آج گھر گھر سینکڑوں میلوں سے آواز آرہی ہے آرہی ہے کہ نہیں آرہی؟ سینکڑوں میلوں سے آرہی ہے اور بغیر کسی وقفہ کے آرہی ہے دیکھو آپ بی بی سی لگائے بیٹھے ہوں تو وہاں ٹن ٹن ہوتی ہے فوراً آپ سنتے ہیں۔ اتنے بجے سنتے ہیں جتنے بجے وہاں ہوتی ہے۔ درمیان کا فاصلہ کتنا ختم ہوگیا لیکن یہ ہے سبب کے تحت، یہ اسباب کے تحت ہے اور اسباب کے تحت جو کام ہوتا ہے وہ معجزہ اور کرامت نہیں کہلایا کرتا جو چیز بطور معجزے اور کرامت کے صادر ہو۔ اسباب کے تحت اس کے اوپر اگر قدرت پا بھی لی جائے تو اس کو معجزہ اور کرامت کا مقابلہ نہیں کہہ سکتے۔

دیوار پر جنت اور دوزخ کا نظارہ:

حضور ﷺ نے اگر مسجد کی دیوار پر جنت دیکھ لی تھی، دوزخ دیکھ لی تھی یہ حدیث میں آتا ہے کہ نہیں آتا؟ نماز پڑھا رہے تھے آپ صلوٰۃِ کسوف۔ سورج کو گرہن لگا ہوا تھا اور آپ نماز کے درمیان میں کچھ تھوڑا سا آگے بڑھے اور پھر پیچھے کو ہٹے ...نماز سے فارغ ہونے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نماز میں آگے کو کیوں بڑھے، پیچھے کو کیوں ہٹے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب میں آگے کو بڑھا تھا...تو قبلہ کی دیوار پر اللہ نے جنت نمایاں کردی تھی اور اور اتنی نمایاں کردی تھی کہ اگر آگے بڑھ کے میں اگر اس کا کوئی خوشہ توڑنا چاہتا تو توڑ سکتا تھا لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ نہ توڑنا ہی بہتر ہے....جنت جو تھی وہ مسجد کی دیوار پر دکھادی اللہ تعالیٰ نے....اور جب میں پیچھے کو ہٹا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کی دیوار پر مجھے جہنم کا نقشہ دکھایا تھا اور جہنم میں میں نے فلاں کو جلتے دیکھا، فلاں کو جلتے دیکھا، وہ جہنم

جو تھی مسجد کی دیوار پر نمایاں ہوگئی. (بخاری ۱/۱۶۱، مسلم ۱/۲۹۶)...... یہ حضور ﷺ نے نماز پڑھتے ہوئے جنت بھی دیکھ لی، جہنم بھی دیکھ لی، اور جنت کتنی بڑی ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اکٹھے کر لئے جائیں تو یہ اتنی چوڑی ہے صرف۔ لمبی پتا نہیں کتنی ہے اور نظر آ گئی دیوار پر۔

اس معجزے کا نمونہ دورِ حاضر میں:

اور یہ سمجھنا بھی آسان ہوگیا آج۔ کہ پہاڑ جو ہیں.. چھوٹے سے ٹی وی پہ نظر آتے ہیں..، دریا اس میں نظر آتے ہیں، سمندر اس میں نظر آتے ہیں... جہاز اس میں نظر آتے ہیں، شہر اس میں نظر آتا ہے... آج سبب کے تحت اگر یہ چیزیں دیکھ لی گئیں... تو یہ نمونہ تو ہے اس معجزے کا.... جو حضور ﷺ کا تھا لیکن اس کو معجزہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ اسباب کے تحت ہے اور جو چیز سبب کے تحت ہوتی ہے وہ معجزہ نہیں ہوتی۔ اس کو کافر بھی کر سکتا ہے... مسلمان بھی کر سکتا ہے۔ جو وہ سبب اختیار کر لے گا وہ ویسا کر لے گا، سمجھے یا نہیں؟ اس کو نمونہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک بڑی چیز کو چھوٹے نمونے کے تحت دکھا دیا گیا اور ایسا ممکن ہے اور ان واقعات نے آ کے ہمارے سامنے مثالیں مہیا کر دیں..... بات سمجھ گئے؟

معجزہ اور کرامت میں سبب کا دخل نہیں ہوتا:

تو یہ معجزہ ہو یا کرامت ہو یہ سبب کے تحت نہیں ہوتا، بلا سبب ہوتا ہے!... تو جو چیزیں معجزۃً صادر ہوسکتی ہیں کرامتاً بھی صادر ہوسکتی ہیں اور جو چیزیں معجزۃً یا کرامتاً صادر ہوتی ہیں وہ اسباب کے تحت بھی ہوسکتی ہیں لیکن اسباب کے تحت جو ہوں گی..اس کو نہ معجزہ کہیں گے نہ کرامت کہیں گے... کیونکہ معجزہ اور کرامت یہ سبب

کے تحت نہیں ہوتے۔

عیسیٰ علیہ السلام آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اندھا سوا کھا ہو جاتا تھا آج اگر آپریشن کر کے ڈھیلہ بدل کے اندھے کوسوا کھا کر دیا جائے تو اسکو معجزہ نہیں کہیں گے... یہ اسباب کے تحت ہیں عیسیٰ علیہ السلام آپریشن نہیں کرتے تھے... ٹیکے نہیں لگاتے تھے... کوئی ڈھیلہ دوسرا اس کے اندر سیٹ نہیں کرتے تھے، وہ بغیر سبب کے تھا... وہ معجزہ ہے، یہ سبب کے تحت ہوگا.. یہ معجزہ نہیں... یہ کوئی ذہن میں بیٹھ رہی ہے بات؟ اگلی بات جو زیادہ اہم ہے وہ آپ کے سامنے یہ کہنا چاہتا ہوں تا کہ یہ بات اسی درجے میں مکمل ہو جائے کہ..... انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں..... اولیاء اللہ سے جو کرامات ظاہر ہوتی ہیں ان سے مقصد کیا ہوتا ہے..... یہ معجزہ اور کرامت آپ کے کسی کام کا نہیں یعنی ایک ولی آپ کا پیر ہے... وہ آسمان پر اڑ جاتا ہے، ہوا میں اڑا پھرتا ہے اس کا آپ کو کوئی فائدہ نہیں.... پانی پہ پیدل پھر رہا ہے اس کا آپکو کوئی فائدہ نہیں۔ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے آپ کو کوئی فائدہ نہیں بیماروں کو ٹھیک کر دیتا ہے آپ کو کوئی فائدہ نہیں، یہ کرامات آپ کے کام کی نہیں ہیں.... بات سمجھے؟

کرامات کے ظہور کا مقصد:

معجزات اور کرامات کیوں دکھائی جاتی ہیں یہ اس لئے دکھائی جاتی ہیں کہ معجزے کو دیکھ کر آپ اس شخصیت کی عظمت کو سمجھیں،.... اور اس کی محبت آپ کے دل میں آئے۔ عظمت اور محبت کے بعد اطاعت آسان ہو جائے گی.... انبیاء کے معجزے دیکھ کے لوگ ان پر ایمان لے آتے تھے، ایمان لا کے اطاعت قبول کرتے

...تو معجزہ کام آ گیا،

کسی ولی کی کرامت دیکھ کر اس کی محبت دل میں آئے اس کی عظمت دل میں آئے تو آپ کے دل میں شوق پیدا ہو کہ جس رستہ پہ چلنے کی بناء پر اس ولی کو کرامت ملی ہے معلوم ہوتا ہے رستہ ٹھیک ہے، ہمیں بھی یہی رستہ اختیار کرنا چاہئے تو اولیاء کی محبت اور عظمت دل میں کرامات کے ساتھ پیدا ہوگی، پیدا ہونے کے بعد ان کی اطاعت ان کے رستے پہ چلنے کا شوق پیدا ہوگا کہ جس رستے پر چلنے کی بناء پر ولی کو یہ بزرگی حاصل ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رستہ ٹھیک ہے۔ ان کا رستہ درست ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اسی طریقہ کار کو اختیار کریں تا کہ اللہ کے ہم بھی مقبول بندے بن جائیں،.... کرامات اور معجزات اسی لئے دیے جاتے ہیں تا کہ ان شخصیات کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت آپ کے دل میں پیدا ہو اور محبت پیدا ہونے کے بعد آپ ان کی اطاعت کریں۔ جس رستے پر وہ چل رہے ہیں اس رستے پر آپ چلنے کی کوشش کریں۔ تو کرامات کا صادر ہونا ان کے طریقہ کار کے صحیح ہونے کی اور اللہ کے نزدیک ان کے مقبول ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ جب ان کا اللہ کے نزدیک مقبول ہونا ثابت ہو جائے گا تو ان کے طریقہ کار کو اپنانا آپ کیلئے آسان ہو جائیگا..... یہ ہے مقصد اولیاء اللہ کی کرامت دکھانے کا تا کہ آپ ان کی محبت اور عظمت کے ساتھ ان کی اطاعت کریں اور اس طریقہ پر چلیں۔

کرامات اس لئے نہیں دکھائی جاتیں تا کہ یہ نمایاں کر دیا جائے یہ بھی خدائی میں شریک ہیں یا ان کو بھی کچھ اختیارات حاصل ہو گئے کیونکہ یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ نہ معجزے کے اندر نبی کا دخل ہوتا ہے نہ کرامت کے اندر ولی کا دخل ہوتا ہے یہ دونوں جو ہیں اللہ کی قدرت سے صادر ہوتی ہیں۔ جس بندے سے صادر ہوتے ہیں اس کی

صداقت اور مقبولیت عنداللہ کی دلیل ہوتا ہے۔

کرامت میں ولی کا اختیار نہیں ہوتا:

یہ بنیادی عقیدہ... آپ کے سامنے پچھلے بیان میں ذکر کر دیا گیا تھا کہ معجزہ اللہ کی قدرت سے صادر ہوتا ہے... ولی کی کرامت ولی کی قدرت سے نہیں۔ اللہ کی قدرت سے صادر ہوتی ہے... اس میں نہ ولی کا دخل ہوتا ہے نہ نبی کا دخل ہوتا ہے ... اللہ تعالیٰ چاہے تو نبی کو دے معجزہ۔ اگر اللہ نہ چاہے تو نہیں ولی سے کرامت کا صادر ہونا کوئی ضروری نہیں... اللہ اگر چاہے تو صادر ہو جائے اللہ اگر نہ چاہے تو نہیں،... ولی کی قدرت اس میں داخل نہیں ہوتی، اللہ کی طرف سے اس کی مقبولیت عنداللہ نمایاں کرنے کے لئے اس کے ہاتھ پہ اس قسم کے واقعات ظاہر کئے جاتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ مقبول عنداللہ ہے اور اس کا طریقہ کار صحیح ہے... تو جب طریقہ کار صحیح ہے تو اسی رستے پہ چلنے کی کوشش کریں گے اور اسکی اطاعت کریں گے... یہ ہے کرامات کا جو آپ کو فائدہ پہنچتا ہے ورنہ ان کی کرامات کا آپ کو کوئی فائدہ نہیں.... آپ فائدہ یہ اٹھا سکتے ہیں۔

معجزے اسی لئے دکھائے جاتے ہیں... کرامتیں اس لئے ظاہر کی جاتی ہیں... تاکہ لوگ ان کی محبت اختیار کر کے ان کے راستے پہ چلیں اور ویسے ہی نیک بننے کی کوشش کریں... کہ ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہے اس لئے کہ ولی کو کرامت نبی کے طریقہ پر چلنے پر ملی ہے اور جس وقت آپ اس ولی کے طریقہ پر چلیں گے... آپ بھی مقبول عنداللہ ہو جائیں گے تو لوگوں کے لئے شریعت پر چلنا آسان کرنے کے

لئے ....اولیاء اور انبیاء کے ساتھ لوگوں کے قلوب جوڑنے کے لئے...اس قسم کے واقعات دکھائے جاتے ہیں...نہ کہ اس لئے دکھائے جاتے ہیں کہ لوگ ان کی قدرت کو دیکھ کر شرک میں مبتلا ہو جائیں.... یہ ہے صحیح طرز فکر کرامات اور معجزات کے بارے میں،

میرا خیال ہے کہ بقدر ضرورت گفتگو ہوگئی ہوگی باقی کچھ رہ گئی ،تو پھر انشاء اللہ کریں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

کرامات اولیاء اللہ

بموقع : ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام : جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت : بعد عشاء

تاریخ : ۱۷ جمادی الاوّل ۱۴۱۷ھ

کرامات اولیاء

خطبہ!

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم . اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن ـ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْن،☆

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی

☆ (سورہ یونس ـ آیت ۶۲، ۶۳)

تمہید

گذشتہ بیان میں کرامات اولیاء کے متعلق تذکرہ شروع ہوا تھا کچھ ضروری حصہ اس میں بیان ہو گیا تھا اور کچھ ضروری باتیں رہ گئی تھیں جو خیال ہوا آج بیان کر دوں۔

عقیدہ اہلسنت اور موضوع کی نزاکت

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ تو آپ کے سامنے بیان ہو گیا تھا کہ کرامات اولیاء برحق ہیں...اولیاء اللہ سے کرامات صادر ہوتی ہیں... یہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے...لیکن یہ کرامات کا موضوع بہت پیچیدہ اور مشکل ہے....بہت سارے لوگوں کے شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بھی یہی چیز بنتی ہے...اس لئے میں نے پچھلے بیان میں واضح کیا تھا کہ بعض لوگ تو سرے سے مانتے ہی نہیں نہ معجزات کو، نہ کرامات کو، بعضے مانتے ہیں تو ان واقعات کو الوہیت کی دلیل بنا لیتے ہیں اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں باتیں ہی غلط ہیں...سرے سے انکار کرنا یہ بھی خلاف واقعہ ہے...کہ قرآن وحدیث میں بہت سارے معجزات اور کرامات کی نشاندہی ہے..اور ان معجزات اور کرامات کو اس صاحب کی جس صاحب سے معجزات وکرامات صادر ہوتی ہیں ان کیلئے الوہیت کی دلیل بنا کر ان کی پوجا شروع کر دینا یہ بھی بات خلاف واقعہ ہے اور ایسا بھی درست نہیں...

بلکہ یہ معجزات اور کرامات اللہ کی طرف سے اس لئے دی جاتی ہیں تاکہ اس شخصیت کے متعلق آپ کے دل میں ادب آئے، احترام آئے، عظمت آئے تو پھر آپ ان سے محبت کریں، ان کی اطاعت کریں، ان کے طریقے پہ چلیں...تو اطاعت

کو خوشگوار بنانے کیلئے وہ شخص جس کی آپ اطاعت کرنا چاہتے ہیں اس کی عظمت، محبت ضروری ہوتی ہے اور معجزات و کرامات کے ساتھ ان کی عظمت کو نمایاں کیا جاتا ہے تاکہ آپ لوگ ان سے محبت کریں محبت کرنے کے بعد ان کی ہدایات پر چلیں اور ان کے طریقے پہ چلیں .... آپ اس دلیل کے ساتھ ان کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے ان کے رستے پہ چلیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو بھی شرف دے گا اصل کے اعتبار سے معجزہ اور کرامات کے اظہار سے... یہ مقصد ہوتا ہے...اس کی الوہیت نہیں ثابت کرنی ہوتی...نہ کرامات کے ساتھ کسی کی الوہیت ثابت ہوتی ہے۔

کرامات کا موضوع پیچیدہ کیوں؟

موضوع پیچیدہ اس لئے ہے کہ معجزہ کی تعیین تو بڑی آسانی سے ہوگئی کہ جس کے ہاتھ پہ وہ ظاہر ہو رہا ہے وہ مدعی نبوت ہے...وہ کہتا ہے میں اللہ کا نبی ہوں.... اللہ کے نبی ہونے کا جب وہ دعویٰ کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے جو معجزات دیئے جاتے ہیں یعنی اس کے ساتھ ایسے کام ہوتے ہیں جو عام انسان نہیں کرسکتا...تو اس کو ماننا اور پہچان لینا کہ یہ معجزہ ہے...نبوت کے ساتھ یہ آسان ہوگیا...جب کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر اپنی صداقت کیلئے کسی معجزے کا اظہار کرتا ہے تو اس کو معجزہ قرار دینا آسان ہوگیا۔

لیکن ولی کا معاملہ نبی سے مختلف ہے..ولی نہ تو مدعی ہوتا ہے کہ میں ولی ہوں اور نہ وہ اس بات کا مکلّف ہے شریعت کی رو سے..کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ میں ولی ہوں اور نہ اس کا پہچاننا ہر ایک کے بس میں ہے...اس لئے جس شخص کے ہاتھ سے کوئی خرق عادت بات ظاہر ہو ضروری نہیں کہ وہ کرامت ہو...بلکہ اس کا ولی ہونا

ثابت ہوگا تو کرامت ہونا ثابت ہوگا...ورنہ بغیر ولی ہونے کے بھی لوگوں کے ہاتھ سے اس قسم کے واقعات صادر ہو جاتے ہیں کہ جن کو عام لوگ کرنے پر قادر نہیں ہوتے اور وہ کچھ عجیب قسم کا تصرف ہوتا ہے۔

جادو کا کرتب اور قرآن سے شہادت

جادو کے ذریعے اس قسم کے کرتب دکھائے جا سکتے ہیں لیکن جادوگر کافر ہوتا ہے... انتہائی گندا ہوتا ہے... انتہائی بداخلاق ہوتا ہے... اگر وہ کسی قسم کا کرتب دکھائے تو ہم اس کو کرامت نہیں کہہ سکتے... لیکن اس کی ظاہری صورت کرامت کے ساتھ ملتی جلتی ہو سکتی ہے... جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادوگر آئے تھے تو کیا قرآن کریم نے ان کے جادو کا ذکر نہیں کیا؟ کہ جادو کے زور پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ایسی صورت میں کر دیں کہ لوگوں کو نظر آ رہی تھیں کہ دوڑ رہی ہیں۔

يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى۔☆ اور۔ سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ☆☆

لوگوں کی آنکھوں پہ جادو کر دیا... قرآن کریم کہتا ہے کہ ان کے جادو کا اثر آنکھوں پر ہو گیا تھا اور جادو کا اثر ہو جانے کے بعد لاٹھیاں اور رسیاں ایسے لگتی تھیں جیسے سانپوں کی طرح بھاگی پھر رہی ہیں... اب موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا وہ بھی سانپ نظر آ رہا ہے اور جادوگروں نے رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں وہ بھی سانپ نظر آ رہی ہیں... قرآن کریم کہتا ہے کہ معجزے کے مقابلے میں انہوں نے یہ کرتب دکھایا.... یہ تو اللہ کی قدرت تھی کہ چونکہ مقابلہ ہو رہا تھا اور مقابلے میں اللہ نے حق کو

☆(سورہ طٰہٰ۔ آیت ٦٦) ☆☆(سورہ اعراف۔ آیت ١١٦)

غالب کرنا تھا... تو جادوگروں کا جادو اس حق کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا... جب انہوں نے رسیاں لاٹھیاں پھینکیں تو خود موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں آیا کہ یہ تو بھاگ رہی ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ☆ تو موسیٰ علیہ السلام دل کے اندر یہ خوف محسوس کرنے لگ گئے کہ اب میں لاٹھی پھینکوں گا تو وہ بھی سانپ نظر آئے گا پھر فرق کیسے ہوگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے... یہ تو حق اور باطل مشتبہ ہو گیا۔ یہ بات میں آپ کے سامنے اس لئے کر رہا ہوں کہ کبھی کبھی اس قسم کے تصرفات آپس میں مشتبہ ہو جاتے ہیں... حالانکہ ایک اللہ کی طرف سے معجزہ ہوتا ہے ایک جادو کا اثر ہوتا ہے... ایک اللہ کی طرف سے کرامت ہوتی ہے اور ایک جادو کا اثر ہوتا ہے... دونوں کے درمیان فرق کرنا ہر کسی کے بس میں نہیں ہے.. اس لئے جاہل دھوکہ کھا جاتا ہے... وہاں چونکہ مقابلہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرنے کی بات نہیں.. پھینک دو اپنی لاٹھی... دیکھو کیا ہوتا ہے.. تو موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی پھینکی قرآن کہتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے بنایا وہ لاٹھی سب کو نگل گئی... جتنے بھی بھاگے پھرتے نظر آ رہے تھے سب کو نگل گئی... جادوگروں کی سمجھ میں بات آ گئی ..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ عوام فیصلہ کس طرح سے کریں گے... کہ معجزہ ہے یا جادو

جادو اور کرامت میں اشتباہ

میں اس واقعہ سے استدلال کرنا چاہتا ہوں کہ کبھی جادو کے تصرفات کرامت کے ساتھ مشتبہ ہو جاتے ہیں اور جاہل آدمی ایک جادوگر کو اس قسم کے آدمی

☆ (سورہ طٰہٰ۔ آیت ٦٧)

کو جو عملیات کے ذریعے کوئی کرتب دکھاتا ہے... سمجھ لیتا ہے کہ یہ کرامت ہے اور کرامت مان کے اس جادوگر کے پیچھے لگ جاتے ہیں.... وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے... اور دنیا کی طلب کیلئے لوگوں کو کرتب دکھاتا ہے اور لوگوں کو لوٹ کر چلا جاتا ہے... ان ظاہری صورتوں کے ذریعے جن کو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کرامتیں ہیں... ہوتے یہ جادو کے اثرات ہیں.. قرآن کریم کے اس واقعہ سے میں یہ حقیقت آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں کہ کبھی کبھی ایک جادوگر ہوتا ہے اور وہ کرتب دکھاتا ہے.... جاہل سمجھتے ہیں کہ یہ اسی طرح سے ہے جیسے ولیوں کی کرامتیں ہوتی ہیں... یہ فرق کرنا کہ جادو ہے یا کرامت... اور جس سے یہ بات صادر ہوئی ہے یہ جادوگر کافر مردود گندا ہے یا اللہ کا ولی.... یہ فرق کرنا پھر ہر کسی کے بس میں نہیں ہوتا.. اس طرح سے مخلوق گمراہ ہو جاتی ہے

اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایک کام ہوتا اسباب کے ساتھ ہے... لیکن اسباب مخفی ہیں.. عام آدمی ان کو دیکھ نہیں سکتا اور جو کام کر رہا ہے... اس نے وہ اسباب خفیہ طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں تو وہ جاہلوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ دیکھو میں نے یہ کام کر کے دکھا دیا جو عام آدمی نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ اپنی شخصیت کو وہ منواتا ہے۔

مخفی اسباب کیلئے دور جدید کی مثال

جس طرح سے آج کل الیکٹرونک لہریں جو چل رہی ہیں... اب ان میں اس قسم کی پیچیدہ باتیں ہیں کہ کوئی آدمی کسی جاہل آبادی میں چلا جائے اور اس کے ہاتھ میں ریڈیو ہو اور وہاں کے لوگوں نے پہلے ریڈیو نہ دیکھا ہو... فرض کر رہا ہوں، (مثال دے رہا ہوں.. پہلے پہلے جب نکلا تھا تو ایسی باتیں ہوتی ہوں گی) کہ کسی

جاہل آبادی میں کوئی جائے ... جا کے لوگوں کو کہے دیکھو یہ ایک بے جان سی چیز میرے پاس ہے اور میں تمہیں بلا کے دکھا دیتا ہوں.. دیکھو کیسے باتیں کرتا ہے.... جاہل آدمی اس کو سمجھ لیں گے کہ یہ کوئی کرامت یا معجزہ ہے...ورنہ بے جان چیز کیسے بول رہی ہے...لیکن آپ جانتے ہیں کہ در پردہ اس میں کچھ ایسے مخفی اسباب ہیں جو صاحب فن جانتا ہے...دوسرا نہیں جانتا اس لئے اس کا بولنا اس کا دور سے آواز اخذ کر لینا یہ کوئی معجزہ یا کرامت نہیں بلکہ اسباب کے تحت ہے..جو اس فن کو سمجھتا ہے وہ اس بات کو سمجھ جائے گا جو اس فن کو نہیں جانتا دھوکے میں آ جائے گا۔

دجال کے کرتب

دجال نے جو کچھ کر کے دکھانا ہے...جو حدیث شریف میں آتا ہے..دجال جو کرتب دکھائے گا کہ جدھر کو اشارہ کرے گا بادل آ جائیں گے، بارش ہو جائے گی، آندھی آ جائے گی، فلاں مر جائے گا، فلاں زندہ ہو جائے گا، یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا، دجال کے بہت سارے کرتب حدیث میں بتائے گئے ہیں۔

ایک نوجوان اس کے سامنے جائے گا، اور وہ دجال کے سامنے جا کے کہے گا کہ میں تجھے نہیں مانتا.. پہلے تو دجال اس کی پٹائی کروائے گا...خوب اچھی طرح سے پٹائی کر کے کہے گا کہ مان مجھے رب...، وہ کہے گا میں نہیں مانتا..تو پھر حدیث میں آتا ہے کہ دجال آری منگوائے گا اور اس نوجوان کے سر کے اوپر رکھے گا...چیر کے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا..اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں ٹہلے گا...اس کے بعد کہے گا قُم ، اٹھ کھڑا ہو..،تو وہ جوان جس کے چیر کر دو ٹکڑے کئے ہوئے ہیں اور جن کے درمیان میں دجال چکر کاٹ رہا ہے وہ اٹھ کے کھڑا ہو جائے گا...زندہ ہو جائے

گا (صحیح حدیث میں واقعہ موجود ہے...... مشکوٰۃ میں ہے☆...ساری حدیث کی کتابوں میں ہے، پڑھیں گے آپ) اب اس سے وہ ثبوت مہیا کرنا چاہے گا کہ دیکھو میں رب ہوں میں نے مردہ زندہ کر دیا۔ وہ بھی دکھائے گا یہ کرتب۔

حدیث میں مذکور ہے کہ جب وہ چلے گا تو زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے چلیں گے جس طرح سے شہد کی مکھی کا یعسوب اگر کوئی پکڑ لے جوان کا سردار ہوتا ہے تو جدھر وہ مکھی جائے گی ساری مکھیاں اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہیں تو زمین کے خزانے اس کے پیچھے یوں جائیں گے جیسے یعسوب کے پیچھے شہد کی مکھیاں جاتی ہیں۔

مردے زندہ کر کے دکھائے گا... کسی کا باپ مرا ہوا ہو گا تو اسے کہے گا میں تیرے باپ کو زندہ کر کے تجھ سے بات کروا دوں تو تو مجھے مان لے گا وہ کہے گا کہ ہاں مان لوں گا تو اس کا باپ زندہ ہو کر اس سے باتیں کرنے لگ جائے گا تو مردوں کو زندہ کرنا، بارش کا لانا، اور کھیتوں کو اجاڑ دینا، جانوروں کو کمزور کر دینا، جانوروں کو موٹا کر دینا،

یہ سارے کے سارے واقعات دجال کی طرف سے پیش آئیں گے اور حدیث شریف میں مذکور ہیں تو جو لوگ جاہل ہوں گے وہ ان چیزوں کو دیکھ کے سمجھیں گے کہ واقعی یہ معجزات ہیں یا کرامات ہیں یہ رب ہے یا رب کا کوئی مقبول بندہ، سارے اس کی بیعت ہو جائیں گے اس کے پیچھے لگ جائیں گے خود بھی جہنم میں جائے گا سب کو اکٹھا کر کے جہنم میں لے جائے گا۔ اس قسم کے تصرفات کو دیکھ کر جس کے ہاتھ سے یہ باتیں صادر ہوں اس کو جلدی سے مان لینا کہ یہ عام

☆ (مسلم ۲/۴۰۲۔ بخاری ۱/۲۵۲۔ مشکوٰۃ ۱/۴۷۲)

انسانوں سے کوئی ممتاز چیز ہے اس کو کوئی قوت اور طاقت حاصل ہے یہ عقیدہ وہ عقیدہ ہے جو ایک دن ان جاہلوں کو دجال کے جال میں بھی پھنسا دے گا اور یہ دجال کو بھی اب سمجھ بیٹھیں گے اور اس کو رب سمجھ کے مشرک بنیں گے، دجال کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو دجال نے بھی اس قسم کے تصرفات دکھانے ہیں۔

دجال کے تصرفات کی حقیقت

اب یہ تصرفات وہ کیسے دکھائے گا کیا اس کے پاس اس طرح سے الیکٹرانک سلسلہ ہوگا جس سے لوگوں کی آنکھوں پہ وہ اثر ڈالے گا جیسے بازی گر عجیب وغریب کرتب کر کے دکھا دیتے ہیں اور آپ کی آنکھوں کے سامنے سارا کا سارا ہوتا ہے وہ کچھ کا کچھ بنا کے دکھا دیتے ہیں کیا اس کا سلسلہ بازی گروں جیسا ہوگا یا اس کے قبضے میں کوئی مخفی لہریں ہوں گی اور الیکٹرانک سلسلہ ہوگا کہ ہوگا کچھ نظر کچھ آئے گا جو کچھ بھی ہو بہر حال حدیث شریف میں عنوان یہی اختیار کیا گیا ہے کہ مردوں کو زندہ کر کے دکھائے گا اس کو یہ کرتب حاصل ہوگا.. تو یہ کرتب دجال نے بھی دکھانے ہیں جو پکا کافر ہی نہیں بلکہ کافروں کا سردار، کفر کا منبع اور وقت کے بدترین قسم کے کفار اس کے ساتھ ہوں گے او سارے جہنم میں جائیں گے لیکن یہ کرتب وہ بھی دکھائے گا۔ تو اس لئے جادوگر کرتب دکھاتے ہیں مخفی اسباب والے بازی گر کرتب دکھاتے ہیں اس طرح فن کے ماہرین اپنے مخفی اسباب کے ذریعے ایسے کرتب دکھاتے ہیں کہ جس کو دیکھنے کے بعد آپ کہیں گے کہ ہمارے بس میں تو یہ نہیں ایسا کرنا، یہ کس طرح سے ایسا کر دیا اور ان کرتبوں کی وجہ سے آپ اس کی عظمت کے قائل ہو جائیں یہ ہر قسم کے لوگوں سے اس قسم کے کرتب سامنے آسکتے

ہیں قرآن سے ثابت، حدیث سے ثابت اور واقعات شہادت دیتے ہیں کہ اس قسم کے کرتب مختلف قسم کے لوگ دکھاتے رہتے ہیں اور دکھا سکتے ہیں۔

جادو اور کرامت میں فرق کیسے کیا جائے

اس لئے پتہ کیسے چلے کہ جس سے یہ بات صادر ہو رہی ہے کرامت ہے یا جادو کا تصرف ہے یا کوئی مخفی اسباب سے صادر ہونے والی چیز ہے اور ان کے صادر ہونے کی بناء پر ہم ان کو کیا سمجھیں کہ یہ اللہ کا مقبول بندہ یا اللہ کا انکار کرنے والا کافر ہے مرتد ہے، ہر قسم کے لوگوں سے ایسے تصرفات ظاہر ہو جاتے ہیں جس کی بناء پر جاہل لوگ ان کے پیچھے لگ کر اپنا عقیدہ خراب کرتے ہیں اور ایک دھوکے باز کو، جادوگر کو، فن کار کو اللہ کا ولی سمجھ لیتے ہیں اور اس کے پیچھے لگ کے اپنی عاقبت خراب کر بیٹھتے ہیں اس لئے یہ کرامات کا مسئلہ بہت زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ پہلے ولی کو پہچانو کہ ولی کیا ہوتا ہے اس کے بعد پتہ چلے گا کہ کسی کے ہاتھ سے صادر ہونے والی چیز کرامت ہے یا جادو ہے یا فنکاری ہے کیا ہے کیا نہیں، اور ولی کا پہچاننا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس لئے موضوع پیچیدہ ہے۔

ولی کی بہترین پہچان

موٹی سی بات آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر ولی کی پہچان بتائی ہے سب سے پہلے تو آپ نے اس معیار پر کسی کو دیکھنا ہے کہ ولی ہے یا نہیں وہ یہی آیت ہے جو میں نے پڑھی

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اللہ کے ولیوں کو نہ غم ہوتے ہیں نہ خوف ہوتا ہے اور اللہ کے ولی ہوتے کون سے ہیں اَلَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ... جو ایمان لاتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں یہ ولی کی پہچان ہے۔

1۔اس کا عقیدہ صحیح ہو

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہونا چاہیے اگر علمی دلیل کے ساتھ اس کا عقیدہ ٹھیک نہیں تو وہ ولی نہیں ہے اگر اس سے کوئی تصرفات اس قسم کے صادر ہوتے ہیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یا یہ جادو ہے یا فنکاری ہے یا کوئی مخفی اسباب اس قسم کے اختیار کئے گئے ہیں جس طرح سے بازی گر اختیار کرتے ہیں اور لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے اس قسم کے تصرفات دکھائے جا رہے ہیں اگر ایمان نہیں، عقیدہ ٹھیک نہیں ہندو سے اس قسم کے تصرفات ظاہر ہو سکتے ہیں، سکھ سے ہو سکتے ہیں، دہریے سے ہو سکتے ہیں، منکر خدا سے صادر ہو سکتے ہیں، بدترین کافر سے صادر ہو سکتے ہیں جیسے میں نے دجال کی مثال آپ کے سامنے دی تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کا عقیدہ ٹھیک ہونا چاہیے

اگر آپ کے علم کے اعتبار سے اس کا عقیدہ ٹھیک نہیں تو وہ الٹا سیدھا ہو کے آسمان پہ چڑھ جائے... ہوا میں اڑا پھرے... جو چاہے کر کے دکھائے.. یہ ہونے والی کرامت نہیں، اس کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت نہیں.. بلکہ آپ سمجھیں کہ یہ کافر ہے اور یہ یا جادو کے ذریعے سے کرتب دکھا رہا ہے یا کوئی اور اس قسم کی فنکاری ہے جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے یا بازی گری ہے یا چشم بندی ہے بلا دھڑک آپ ان واقعات کو کہہ دیجئے یہ کرامت نہیں کیونکہ کرامت ہوتی ہے ولی کی اور ولی کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے پلے ایمان ہونا چاہیے۔

تو سب سے پہلے دیکھو کہ اس کا ایمان صحیح ہے یا نہیں اگر اس کا عقیدہ صحیح ہے تو پھر آگے بات بنے گی اوا گر پہلے قدم پر آپ سمجھیں کہ اس کا تو عقیدہ ہی صحیح نہیں تو یہ بدعقیدہ آدمی اگر کوئی اس قسم کے کام لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے یہ کرامت نہیں ہیں اس کیلئے دوسرا عنوان اختیار کیجئے جو میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے جادوگری، فنکاری، بازی گری، اور اس قسم کی چیزیں لوگ کرتے کراتے رہتے ہیں یہ کرامت میں شمار نہیں ہوگا۔ تو پہلی شرط ہے کہ اس کا ایمان صحیح ہونا چاہیے اس لئے کوئی ہندو ہو، کوئی سکھ ہو، کوئی برا عقیدہ رکھنے والا ہو قرآن حدیث کے مطابق جو مومن نہیں تو اس سے صادر ہونے والے واقعات کرامت نہیں ہوں گے۔

2۔ وہ متقی ہو

ایمان کے صحیح ہونے کے بعد پھر دوسرا درجہ ہے وکانو یتقون، وہ اللہ سے ڈرتا ہو، اللہ سے ڈرنے کا معیار یہ ہے کہ اللہ کا نافرمان نہ ہو اللہ کے احکام کا پابند ہو جیسے ہم اس وقت متقی اس کو سمجھیں گے جو مومن ہونے کے بعد اسلام کے ارکان کا پابند ہے، نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہے، صحیح نماز پڑھتا ہے، اب ایک ملنگ آجاتا ہے جو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتا، بے نمازی ہے اور اوٹ پٹانگ مارتا ہے اور اس قسم کا تصرف کر دے وہ کرامت نہیں ہے وہ اسی طرح سے جادوگری یا بازی گری یا فنکاری ہے اس کو کرامت نہیں کہیں گے نماز کا پابند ہو، روزے کا پابند ہو، شریعت کا پابند ہو کیونکہ تقویٰ کا مطلب ہی یہی ہے کہ شریعت کے مطابق چلنے والا ہو اور شریعت کے مطابق چلنے کا معیار سرور کائناتؐ کے طریقے کی پابندی ہے، متبع سنت، شریعت کا پابند، ظاہراً بھی، باطناً بھی۔

باطناً شریعت کے پابند ہونے کا مطلب

ظاہراً پابندی تو ہم لوگ دیکھ لیتے ہیں کہ نماز پڑھتا ہے... روزہ رکھتا ہے... کیا کرتا ہے، کیا نہیں کرتا، باطن کے اعتبار سے شریعت کا پابند ہے یا نہیں، یہ پہچاننا میرا اور آپ کا کام نہیں ہے اسی لئے یہ ہمارے بس میں نہیں کہ ہم کسی کو یہ قرار دے سکیں کہ اللہ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے باطناً شریعت کے پابند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں حسد نہ ہو، اس کے دل میں بغض نہ ہو، اس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو بلکہ اللہ کی محبت کا غلبہ ہو اور دنیا کے مقابلے میں وہ آخرت کو ترجیح دیتا ہو، اس کی طبیعت میں لالچ نہ ہو، کسی کو بری نگاہ سے دیکھتا نہ ہو، للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتا نہ ہو، اللہ کے علاوہ کسی پر اس کا توکل اور بھروسہ نہ ہو، غفلت اس کے دل میں نہ ہو، ہر وقت وہ اللہ کو یاد کرتا ہو، باطناً شریعت کے متبع ہونے کا یہ معنیٰ ہے جس کا پہچاننا میرے اور آپ کی بس کی بات نہیں اس لئے اولیاء اللہ کون ہیں کون نہیں ہیں؟ اس کا حقیقتہً فیصلہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔

ہم ظاہر کے مکلّف ہیں

ہم صرف اس کے ظاہر کو دیکھیں گے کہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں اگر شریعت کے مطابق ہے عقیدہ اس کا ٹھیک ہے تو اس کے متعلق اعتقاد رکھیں گے اس کے ہاتھ سے اگر کوئی اس قسم کی بات صادر ہو جائے تو ہم کہیں گے اللہ کی طرف سے اس کی بزرگی کا اظہار ہے تاکہ ہم اس کو بزرگ سمجھ کر اس سے محبت کریں اور اس کی نصیحت پر کان دھریں اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پہ چلیں تاکہ ہمیں بھی یہ شرف حاصل ہو۔

ولایت کا اصل معیار باطن ہے

ورنہ اصل کے اعتبار سے ولایت کے درجات باطن کے اعتبار سے بنتے ہیں ایک آدمی دل کے اندر دنیا کی محبت رکھتا ہے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتا ہے پھر بھی وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی اللہ کا ولی ہوں تو اس کا مغالطہ ہے۔

قرآن سے دلیل

دیکھو یہودی کہتے تھے ..... نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ☆

ہم اللہ کے محبوب ہیں اللہ کے بیٹے ہیں... تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان یہودیوں سے کہو

قُلْ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ☆☆

یہودیو! اگر تمہارا خیال ہے کہ باقی لوگوں کے علاوہ تم اللہ کے ولی ہو

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ

اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو تو موت کی تمنا کرنے کا یہ معنی نہیں کہ تم یوں کہو کہ ہم مرنا چاہتے ہیں بلکہ موت کی تمنا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری زندگی جو گزر رہی ہے جو تمہارے حالات ہیں تمہارے ہر حال سے ٹپکے کہ تمہیں موت کا شوق ہے تا کہ تم اللہ کے پاس جا کر اجر پاؤ اور ایسے معلوم ہو کہ دنیا کے اندر رہنے کا تمہیں شوق نہیں ہے،

تمہارے اقوال، تمہارے افعال، تمہاری جدوجہد ساری کی ساری ایسی ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ واقعی تمہیں اس دنیا کو چھوڑ کے آخرت کی طرف جانے کا شوق ہے تم موت کے متمنی ہو، دنیا کے اندر زیادہ دیر رہنے کے متمنی نہیں ہو اگر تم سچے

☆ (سورہ مائدہ۔آیت ۱۸) ☆☆ (سورہ جمعہ۔آیت ٦)

ہوتو تمہارے اوپر موت کی تمنا کیوں نہیں طاری ہوتی، مجھے آج پتہ چل جائے کہ میں اللہ کا ولی ہوں اور مرنے کے ساتھ ہی میں بخشا جاؤں گا اور اللہ کے ہاں اجر پاؤں گا تو میں بھی تمنا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے موت دے دے، اس دنیا میں رکھا کیا ہے سوائے پریشانیوں کے۔

گر ولی ایں است لعنت بر ولی

لیکن تم دعوے تو کرتے ہو کہ ہم اللہ کے ولی مگر دنیا کی محبت کا تم پر غلبہ مال اکٹھا کرنے کیلئے حرام حلال کی تم تمیز نہیں کرتے اور ساری کی ساری بدکرداریاں تم نے جمع کر رکھی ہیں اور پھر تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کے ولی ہیں۔

کار شیطاں مے کنی نامد ولی
گر ولی ایں است لعنت بر ولی

کام شیطانوں جیسے نام ولی یہ بات نہیں ہے اگر ولی ہے حقیقۃً تو اس کی طبیعت کے اوپر شوق ہوگا آخرت کا، دنیا کا شوق نہیں ہوگا دنیا کی محبت غالب نہیں ہوگی آخرت کی محبت غالب ہوگی تو اس کا ہر کام، ہر کردار، چلنا پھرنا اس بات پہ دلالت کرے گا دیکھنے والے سمجھیں گے کہ ان کا دنیا سے دل لگا ہوا نہیں دنیا میں تو مجبوری کی وجہ سے زندہ ہیں ورنہ ان کی ساری توجہ آخرت کی طرف ہے ہر وقت ان سے یہ شوق ٹپک رہا ہے کہ کس وقت ہم آخرت میں جائیں اور اللہ کے ہاں جا کے اجر پائیں تو موت کی تمنا کا یہ معنی ہے تو یہ علامات ہوتی ہیں جن کے ذریعے باطن کا پتہ چلتا ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے باطن کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، تو تقویٰ معیار ہوگا کسی ولی کا، جتنا خدا سے ڈرے گا جتنا اللہ کی اطاعت کرے گا اللہ کے

احکام کی پابندی کریگا... اتنا اس کو ولایت کا درجہ حاصل ہوتا چلا جائے گا اس میں پھر بہت درجات ہیں جن کی انتہاء کوئی نہیں تو کتنا تقویٰ ہے ظاہری تقویٰ ہے باطنی تقویٰ اس کے ساتھ وہ ولی بنے گا۔

کرامت کیلئے رہنما اصول

ولی ثابت ہو جانے کے بعد کرامات کا صدور ہو سکتا ہے کرامات برحق ہیں اور کیسی کیسی کرامتیں صادر ہو سکتی ہیں اس کے لئے اصول پچھلے بیان میں ذکر کر دیا تھا کہ ہر وہ چیز جو کسی نبی سے بطور معجزہ کے صادر ہو سکتی ہے وہ ولی سے بطور کرامت کے صادر ہو سکتی ہے اور امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے کیونکہ امتی نے اپنے نبی کی اتباع کی اور اس کی پیروی کی تو اس کو یہ شرف حاصل ہوا تو حقیقت کے اعتبار سے شرف اس نبی کا اور نبی کی تعلیم کا ہے جس کی پابندی کرنے کی بناء پر اس ولی کو یہ بات حاصل ہوئی ہے اس لئے ساتھ ساتھ یہ دوسرا لفظ بولا جاتا ہے کہ امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے تو جو چیز بطور معجزہ کے صادر ہو سکتی ہے وہ بطور کرامت کے صادر ہو سکتی ہے۔

کرامت کی ایک قسم طی زمان اور اس کا ثبوت

اب اس کے چند ایک اصول میں آپ کے سامنے عرض کروں ایک ہے طی زمان اور ایک ہے طی مکان، طی کا معنی ہوتا ہے لپیٹ لینا، طی زمان کا معنی زمانہ لپیٹ لیا کہ ایک کام میں اور آپ کریں تو ایک مہینہ لگ جائے اور ایک اللہ کا ولی جس کو ہم جانتے ہیں کہ یہ مومن متقی ہے وہ وہی کام آپ کو پانچ منٹ میں کر کے دکھا دے اس کو کہتے ہیں کہ اس کے حق میں زمانہ سمٹ گیا تو ایسا ہو سکتا ہے کہ عام حالات میں

آپ کام ایک مہینے میں کریں لیکن اللہ کا ولی اس کے ہاتھ سے پانچ منٹ میں کام ہو جائے یہ کرامت اگر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو تو قابل قبول ہے۔

کیوں قابل قبول ہے؟ کہ سرور کائنات کا سفر معراج جس تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگر عام حالات میں یہ سفر کیا جائے تو اس کے اوپر برس ہا برس خرچ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے چند لمحوں کے اندر وہ سفر کروا دیا یہ طی زمان کی مثال ہے اور اگر کسی طرف سے آپ کو صحیح سند کے ساتھ اس قسم کا واقعہ ثابت ہو جائے تو ہم تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں جو واقعہ نبی سے بطور معجزے کے صادر ہو سکتا ہے ولی سے بطور کرامت کے بھی صادر ہو سکتا ہے بشرطیکہ ثبوت اس کا صحیح ہو، اٹکل باتیں نہ ہوں۔

طی مکان اور اس کا ثبوت

ایسے ہی اگر کسی جگہ کسی ولی کی کرامت مذکور ہو کہ وہ ایک لمحے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گیا مثلاً صبح وہ لاہور دیکھا گیا اور شام کو کسی دوسری جگہ دیکھا گیا اور ظاہری طور پر سفر کرتا ہوا معلوم بھی نہیں ہوا تھوڑے سے وقت میں کتنا سفر طے کر گیا ایسی کرامت اگر کسی ولی کی طرف منسوب ہو تو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں اس کو طی مکان کہتے ہیں کہ اللہ نے زمین سمیٹ دی آپ نے جو سفر مہینے میں طے کرنا تھا وہ ایک قدم میں طے کر لیا اس کے سامنے زمین سمٹ گئی۔

معراج کا واقعہ دونوں باتوں کی دلیل ہے کہ اللہ کی طرف سے طی زمان بھی ہو جاتا ہے اللہ کی طرف سے طی مکان بھی ہو جاتا ہے اس لئے اگر صحیح سند کے ساتھ اس قسم کی کرامت ولی کی طرف منسوب ہو تو ہم تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں انکار کرنے کی بات نہیں ہے۔

سید اسماعیل شہید اور طی زمان

ہماری کتابوں میں سید اسماعیل شہیدؒ کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کرامت دی تھی کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دیتے (عصر کی نماز اگر حنفی مذہب کے مطابق پڑھی جائے تو عصر و مغرب کے درمیان زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے کا فاصلہ ہوتا ہے اور اگر مثل اول کے اختتام پر ہی پڑھ لی جائے تو زیادہ سے زیادہ اڑھائی گھنٹے کا فاصلہ ہوتا ہے اس سے زیادہ فاصلہ عصر و مغرب کے درمیان نہیں ہوتا تو آپ زیادہ سے زیادہ اڑھائی گھنٹے سمجھ لیجئے عصر سے لے کر مغرب تک ورنہ عام طور پر جیسے تاخیر عصر ہمارے ہاں ہے تو اس کے بعد گھنٹہ سوا گھنٹہ ہوتا ہے تو سید اسماعیل شہیدؒ کے متعلق ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ عصر کی نماز پڑھ کر تلاوت شروع کرتے مغرب سے پہلے قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ اب آپ اگر قرآن ختم کرنے لگیں تو آپ کو کتنے گھنٹے چاہییں؟ جو کام آپ نے گھنٹوں میں کرنا تھا ان کے ہاں منٹوں میں سمٹ گیا۔

حضرت داؤدؑ اور طی زمان

اور سید انور شاہ صاحب نے سید صاحب کی یہ کرامت اس روایت کے تحت بیان کی ہے جس میں حضرت داؤدؑ کا معجزہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ نے ان کی کتاب زبور ان کی زبان پر اتنی آسان کر دی تھی کہ ادھر وہ حکم دیتے تھے کہ میرے گھوڑے کی زین کسو خادم گھوڑے کے اوپر زین کستا تھا اتنے میں اول سے لے کر آخر تک زبور ختم کر لیتے تھے۔ ☆ تو اس روایت کے تحت بیان کیا ہے کہ اس قسم کی کرامت سید

☆ (بخاری ۱/۴۸۵۔ مشکوۃ ۱/۵۰۸)

اسماعیل شہید کو حاصل تھی میرا یہ مثال دینے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے واقعات اگر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوں تو ہم ان کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ جب ہم اس کو کرامت قرار دیں گے تو کرامت کا مطلب ہی یہی ہے (جیسے تفصیل پہلے آپ کے سامنے آچکی) کہ اللہ کا فعل ہے ظاہر ہو رہا ہے اس بندے کے ہاتھ پر، اس بندے کی قدرت اس میں دخیل نہیں ہوتی، قدرت اللہ کی دخیل ہوتی ہے چاہے معجزہ ہو چاہے کرامت ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کی تقدیر بدل گئی

معجزات کے اندر یہ بات ذکر کی گئی کہ سرور کائناتؐ نے ادھر دعا کی اور ادھر قبول ہوگئی فی الفور دعا کا قبول ہو جانا، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی ماں مشرکہ تھیں اور ابو ہریرہ جب بھی حضورؐ پر ایمان لانے کی بات کرتے تو آگے سے وہ گستاخی کرتی تھی تو ایک دفعہ ابو ہریرہ نے اپنی ماں کو حضورؐ پر ایمان لانے کا کہا تو اس نے حضور کی شان میں گستاخی کی، ابو ہریرہؓ روتے ہوئے گھر سے نکل کے آئے، حضور کی مجلس میں پہنچے اور کہا کہ یا رسول اللہ میری ماں کیلئے دعا کیجئے اللہ اسے ہدایت دے آپ نے اتنا فرمایا

اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ☆

اے اللہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دے یہ دعا سن کے ابو ہریرہ واپس گئے جب گئے تو گھر کا دروازہ بند ہے اور اندر سے پانی کے گرنے کی آواز آرہی ہے انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا ماں نے جلدی سے قمیص پہنی اور سر پر دوپٹہ بھی نہیں لیا اور

☆ (مسلم ۲؍۳۰۱)

آ کے دروازہ کھولا دروازہ کھولتے ہی کہتی ہے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدًا رسول اللہ

ادھر دعا ہوئی اور ادھر قبول ہوگئی پہلے ابو ہریرہ روتے ہوئے شکایت کرنے آئے تھے اب ابو ہریرہ خوشی کے ساتھ روتے ہوئے حضورؐ کو اطلاع دینے کیلئے آئے کہ آپ کی دعا اللہ نے قبول کر لی اور میری ماں کو ہدایت مل گئی۔ مثال میں نے آپ کو اس لئے دی کہ یہ واقعہ معجزات میں ذکر کیا ہوا ہے مشکوٰۃ کے اندر، اس کو معجزات میں شمار کیا ہوا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں قبول نہیں ہوئیں

لیکن آپ جانتے ہیں کہ دعا کا قبول کرنا اللہ کے اختیار میں ہے ابو ہریرہ کی ماں کیلئے حضورؐ کی زبان سے لفظ نکلا فوراً اس کی قسمت بدل گئی اور بعضے ایسے بھی ہوں گے جن کیلئے حضورؐ نے برسوں دعا کی ہوگی لیکن قبول نہیں ہوئی ابو طالب جو آپ کا اتنا خادم تھا کیا آپ نے اس کی ہدایت کیلئے کبھی دعا نہیں کی ہوگی؟ یقیناً کی ہوگی خود حدیث میں ہے، صحیح روایات میں کہ سرور کائناتؐ کہتے ہیں میں نے اللہ سے تین دعائیں خصوصیت سے مانگی ہیں اللہ نے دو قبول کر لیں ایک قبول کرنے سے انکار کر دیا جو قبول نہیں کی یہ وہ دعا تھی کہ یا اللہ میری امت آپس میں اختلاف کر کے نہ لڑے، اللہ نے فرمایا یہ نہیں قبول، اور اسی کا نتیجہ آج ظاہر ہو رہا ہے جس وقت حضورؐ دعا کر رہے تھے اس وقت امت میں اختلاف نہیں تھا لیکن حضورؐ نے دعا مانگی کہ یا اللہ میری امت آپس میں اختلاف کر کے لڑے نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول نہیں کی، صراحت کے ساتھ حدیث میں آتا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ دعا کے ساتھ قسمت

بدل جاتی ہے لیکن اللہ کے اختیار کیساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب کوئی چیز مانگو ضرور مل جاتی ہے، جب بھی کوئی دعا مانگو ضرور قبول ہوتی ہے یہ نبی کے متعلق بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی کسی غیر کے متعلق کیا ضمانت دے سکتے ہیں آپ۔

اس لئے علامہ اقبال کا ایک فقرہ عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں

نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تو بعض لوگ اس کے معتقد ہیں کہ ہاں نگاہ مرد مومن سے تقدیر بدل جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں بالکل غلط، اس پہ نظمیں لکھی ہوئی ہیں لوگوں کی، میں نے سنیں، وہ کہتے ہیں اگر نگاہ مرد مؤمن سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نوحؑ نے اپنے بیٹے کی تقدیر کیوں نہ بدل دی ابراہیمؑ نے اپنے باپ کی کیوں نہ بدل دی، لوطؑ نے اپنی بیوی کی کیوں نہ بدل دی، وہ اس قسم کے واقعات لے کر اس بات کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں نگاہ مرد مؤمن ایسے افسانہ ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا اور جو زیادہ معتقد ہیں وہ کہتے ہیں نہیں... نگاہ مرد مومن سے تقدیر بدل جاتی ہے۔

لیکن یہ بات صحیح بھی ہے غلط بھی ہے، منطقی اصول کے مطابق اس کو قضیہ مہملہ کے طور پر مان لو بات صحیح ہے، قضیہ مہملہ جانتے ہو؟ اس میں ہر ہر فرد پہ حکم نہیں ہوتا فی الجملہ حکم ہوتا ہے تو فی الجملہ ایسا ہو سکتا ہے کہ مؤمن کی نگاہ پڑی جس طرح سے بعض بعض نگاہوں میں یہ اثر ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ نظر لگ گئی بچہ بیمار ہو گیا بھینس کا دودھ خراب ہو گیا، کھانا پکایا تھا فلاں نے دیکھ لیا تو خراب ہو گیا، جس طرح کسی کی نظر میں یہ اثرات ہیں کہ اگر کسی چیز پہ پڑ جائے تو برکت مسلوب ہو جاتی ہے اور وہ چیز خراب ہو جاتی ہے بچے بیمار ہو جاتے ہیں بھینسیں دودھ دینے سے انکار کر

دیتی ہیں جانور بگڑ جاتے ہیں یہ بدنظری ہے، حدیث میں آتا ہے اَلْعَیْنُ حَقٌّ.☆، نظر لگتی ہے... اور اس قسم کے اثرات ہوتے ہیں۔ جس طرح سے اللہ نے یہ برے اثرات بعض لوگوں کی نگاہ کے اندر رکھے ہیں، اسی طرح سے اچھے اثرات بھی ہوتے ہیں کہ اگر کسی اللہ والے کی نگاہ کسی کے اوپر ہمدردی، محبت اور خیر خواہی کے ساتھ پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ اس میں اچھے اثرات بھی پیدا کر دیتے ہیں لیکن یہ قضیہ مہملہ ہے یہ موجبہ کلیہ نہیں اس لئے جزئیات کو لے کے اس کے اوپر انکار نہیں کیا جا سکتا ابو ہریرہ کی ماں کے لئے ہاتھ اٹھے تقدیر بدل گئی اور کسی دوسرے کیلئے اٹھے اللہ نے نہیں مانی یہ اللہ کے اختیار میں ہے تو دعا کرنا اور دعا کرتے ہی قبول ہو جانا یہ معجزات میں ہے اسی طرح سے کرامت کے طور پر آپ یہ کہیں کہ فلاں ولی نے ہمارے لئے دعا کی تھی تو اللہ نے فوراً سن لی اور کام ہو گیا اس طرح سے نسبت کر کے ذکر کرنا ٹھیک ہے لیکن جو کچھ ہوگا۔ ہوگا اللہ کے اختیار کے ساتھ، اللہ اپنے اختیار سے دعا قبول کرے گا اور اگر اللہ نہ چاہے تو دعا قبول نہیں ہوگی بہر حال یہ کہہ دینا ٹھیک ہے کہ

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

لیکن اللہ کا اختیار ساتھ ساتھ ماننا پڑے گا یہ موجبہ کلیہ نہیں ہے یہ مہملہ کے طور پر تو ٹھیک ہے ورنہ ہر جگہ نگاہ مومن اس قسم کا تغیر لا دے واقعات اس کی تصدیق نہیں کرتے، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اچھے لوگوں کی نگاہ کے ساتھ انسان کی تقدیر بدل جاتی ہے کسی اچھے آدمی کی نظر آپ پہ پڑ گئی، توجہ ہو گئی، دعا کی اور آپ کے حق میں قبول ہو گئی، آپ کی تقدیر بدل گئی۔

☆ (بخاری ۸۵۴/۲۔ مسلم ۲۲۰/۲)

پوشیدہ چیزیں کراماتاً نظر آسکتی ہیں

اسی طرح سے انبیاءؑ بعض ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ حضورؐ تشریف فرماتھے اور آپ نے فرمایا کہ عائشہ! جبریل تجھے سلام کہتا ہے تو عائشہؓ نے سلام کا جواب دیا اور ساتھ کہا کہ حضورؐ کو ایسی چیزیں نظر آتی تھیں جو ہمیں نہیں آتی تھیں فرشتوں کو دیکھ لینا نبیوں سے ثابت، جنات کو دیکھ لینا نبیوں سے ثابت، فرشتوں سے باتیں کرنا، جنوں سے باتیں کرنا، پاس بیٹھا ہوا آدمی اسے کچھ نظر نہیں آتا اور آپؐ دیکھ رہے ہیں

اس طرح سے اگر اللہ کا ولی کسی چیز کو دیکھ لے اور تمہیں نظر نہ آئے تو انکار کرنے کی کوئی بات نہیں ان کی نگاہ میں اس قسم کا اثر اللہ رکھ دے کہ وہ فرشتوں کو دیکھ لیں جنات کو دیکھ لیں فرشتوں سے مکالمہ کرلیں آخر مریم اللہ کی ولیہ تھیں نبی تو نہیں تھیں اور مریم کے ساتھ فرشتوں کا گفتگو کرنا قرآن کریم میں مذکور ہے اسی طرح سے کوئی فرشتہ کسی ولی سے بات کرلے کوئی جن آکے کسی ولی کے ساتھ بات کرلے تو انکار کرنے کی کوئی بات نہیں۔

فوت شدگان سے ملاقات
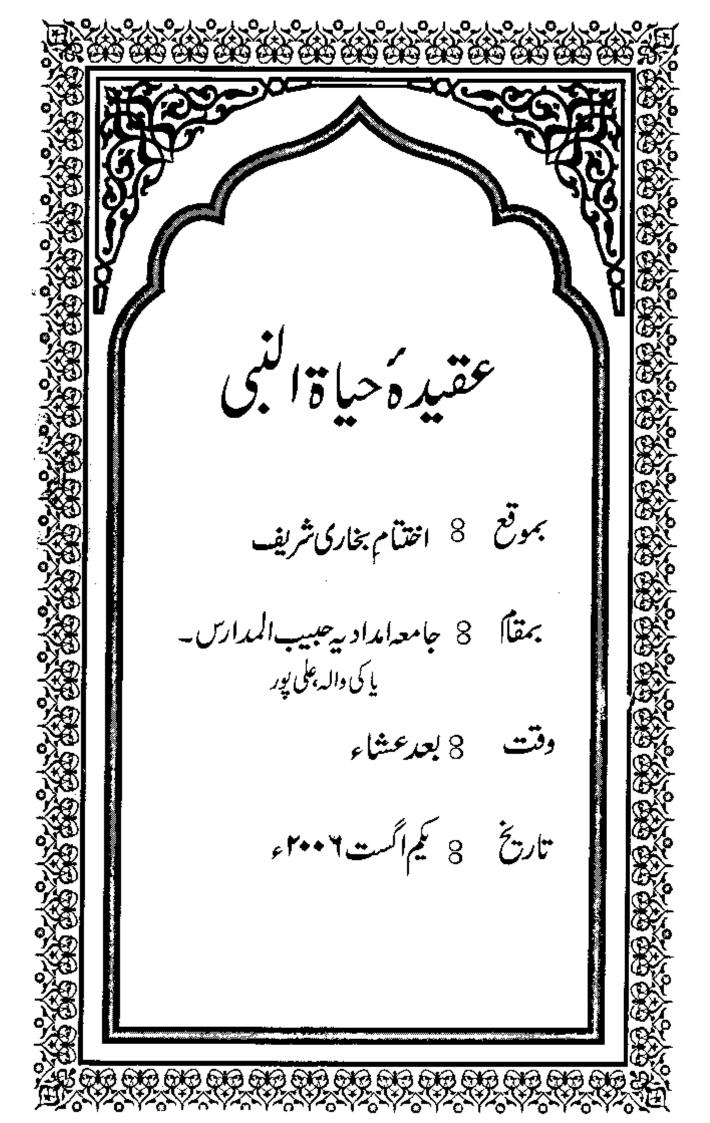
سرور کائنات کو معراج ہوا تھا بیداری میں ہوا تھا یا خواب میں ہوا تھا؟ (بیداری میں) تو بیداری میں حضورؐ نے نبیوں سے ملاقات کی کہ نہیں کی؟ (کی) اور جن نبیوں سے ملاقات کی وہ دنیا میں تھے یا وفات پا گئے تھے؟ (وفات پا گئے تھے) جس کا مطلب یہ ہوا کہ وفات پائے ہوئے اشخاص ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔..........

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

عقیدۂ حیاۃ النبی

بموقع : اختتام بخاری شریف

بمقام : جامعہ امدادیہ حبیب المدارس۔
پاکی والہ، علی پور

وقت : بعد عشاء

تاریخ : یکم اگست ۲۰۰۶ء

عقیدۂ حیات النبی ﷺ

خطبہ!

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

اَمَّا بَعْدُ فَبِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیْ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْکَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَۃَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی

تمہید:

اس مدرسہ میں اس سے قبل بھی ایک مرتبہ آنیکا اتفاق ہوا ہے تقریباً چھ سال قبل ! ختم مشکوٰۃ المصابیح کے موقع پر ! پہلے یہ مدرسہ موقوف علیہ کے درجے تک تھا اور ختم مشکوٰۃ کیلئے پروفیسر محمد مکی صاحب نے مجھے سعادت بخشی تھی اس کے بعد آج آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور الحمد اللہ مدرسہ نے چھ سال کے عرصے میں ترقی کی بہت منازل طے کر لیں اور دورہ حدیث کا اس مدرسہ میں یہ پہلا سال ہے بہت خوشی ہوئی اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے۔

پہلے جب میں آیا تھا تو اس جگہ پر باغ تھا اب ظاہری باغ تو ختم ہو چکا ہے لیکن اس کی جگہ باطنی باغ قائم ہو چکا ہے اور یہ باطنی باغ پوری طرح سے رونق افروز ہے اللہ تعالیٰ اس کی رونق میں اضافہ فرمائے اور نہ صرف اس علاقے کو بلکہ پورے ملک کو اللہ تعالیٰ اس کی برکات سے فیض یاب کرے۔

گفتگو جس وقت صرف طلباء میں ہوتی ہے تو اس میں حدیث کے متعلق فنی باتیں آجاتی ہیں اور یہ فنی باتیں عوام الناس کی سمجھ میں نہیں آتیں اس لئے میں نے اپنا انداز کچھ بدلا ہوا ہے کہ عوام کے مجمع میں عوامی انداز میں بھی کچھ گفتگو ہونی چاہیے تاکہ عوام الناس بھی اس گفتگو سے فائدہ اٹھائیں طلباء تو چونکہ اساتذہ سے فنی باتیں سنتے رہتے ہیں اور یہی باتیں ہم نے بتائی ہیں۔

دورہ حدیث کا معنی:

یہ دورہ حدیث شریف کا لفظ میں بولا ہے اس لفظ کو آپ اکثر سنتے ہیں کہ یہ

دورہ حدیث کی جماعت ہے یہ دورہ کیا چیز ہے؟ آپ کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ دورہ کیا ہوتا ہے؟ اور آپ سنتے ہیں فلاں حاکم دورے پر گیا ہے دورہ کا ماخذ دَارَ یَدُوْرُ ہے اس کا معنی ہے گھومنا، یہاں پر دورہ حدیث میں بھی دورہ کا معنی گھومنا ہی ہے۔

دورہ حدیث کی حقیقت

اس گھومنے کی حقیقت کیا ہے؟ (ابھی آپ کے سامنے مولانا عبدالمجید انور صاحب نے ہمارے سامنے پوری سند حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پڑھ کرسنائی ہے لیکن ہندوستان میں حدیث شریف کی مرکزی شخصیت جس کے ساتھ یہ علم پھیلا ہے پہلے بھی لوگ حدیث شریف پڑھنے والے تھے لیکن اس کی عام اشاعت نہیں تھی مثلاً شارح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ یہ شاہ ولی اللہؒ سے تقریباً سو سال پہلے کے ہیں اور مجدد الف ثانیؒ کے دور کے ہیں یہ بھی محدث تھے لیکن ان کے دور میں بہت جزوی اور مقامی سا کام تھا ملک کے اندر حدیث کا چرچا نہیں ہوا ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا شاہ ولی اللہؒ سے ہوا ہے ہماری علماء دیوبند کی حدیث شریف کی جتنی بھی سندیں ہیں وہ ساری کی ساری شاہ ولی اللہؒ پر آ کر اکٹھی ہوتی ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ ہندوستان سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں ایک عرصہ تک ٹھہرے اور وہاں سے واپس آ کر ہندوستان میں حدیث شریف کا نام شروع کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا طریقہ تدریس

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا طریقہ یہ تھا کہ ایک سال میں مشکوٰۃ المصابیح پڑھاتے تھے ایک دن متن پڑھا کر ترجمہ یاد کرواتے دوسرے دن مشکوٰۃ کی شرح طیبی پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے اس طرح ایک سال کے اندر مشکوٰۃ ختم کروا دیتے تھے

مشکوۃ المصابیح کتب حدیث کا خلاصہ ہے صحاح ستہ اور باقی کتب حدیث کی روایات اس میں موجود ہیں اور حدیث شریف کا تقریباً ہر مضمون مشکوٰۃ میں موجود ہے اور اس سے اگلے سال میں صرف صحاح ستہ کی تلاوت کرواتے تھے اور اس کا نام انہوں نے دورہ رکھا تھا اور اس کا معنی ہے علم حدیث کے اندر چکر لگوا دینا اور طالب علم کو حدیث میں گھما پھرا دینا تا کہ وہ ساری احادیث سے واقف ہو جائے اور ہر حدیث کی تلاوت اس لئے کرواتے تھے تا کہ ہر روایت کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے

اس لئے ہمارے مدارس میں معمول ہے کہ سال کے آخر میں اساتذہ تقریر بند کر دیتے ہیں اور صرف احادیث کی کتابوں کی عبارت پڑھی جاتی ہے بسا اوقات ناواقف شخص اس صورتحال کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس پڑھنے کا کیا فائدہ نہ استاد کو کچھ سمجھ آ رہا ہے نہ طالب علم کو، تو اس ذخیرہ احادیث میں گھمانے پھرانے کو دورہ کہتے ہیں یہ دورے کا طریقہ شاہ ولی اللہؒ کا جاری کردہ ہے۔

مسلک استاد سے ہٹنا نسبت ختم کر دیتا ہے

یہ بات آپ کو سنانے میں میرے سامنے ایک اور مقصد بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شاگرد استاد کے مسلک سے ہٹ جائے اس کی نسبت استاد سے ختم ہو جاتی ہے جب ہمارے ہاں حدیث کا مدار حضرت شاہ ولی اللہ پر ہے تو جو شخص شاہ ولی اللہؒ کے مسلک پر رہے گا اس کی سند صحیح اور ثابت ہو گی اور جو شاہ ولی اللہؒ کے مسلک پر نہیں ہے نہ اس کی سند ثابت ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال ہے اور نہ اس کے علم کا اعتبار ہے۔

شاہ ولی اللہ کا براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنا

حضرت شاہ ولی اللہ ایک سال مدینہ منورہ میں رہے اور وہاں پر انہوں نے اپنے استاد محمد بن ابراہیم الکردی سے حدیث پڑھی حدیث پڑھنے کے بعد جب واپس آئے تو انہوں نے ایک کتاب ''فیوض الحرمین'' لکھی حرمین شریفین سے کیا فیض پایا؟ جیسے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مخصوص ملکی حالات کی وجہ سے حج پر نہیں جا سکے تھے تو ان کے بیٹے محمد معصومؒ جو ان کے جانشین بھی تھے حج پر تشریف لے گئے تو انہوں نے حرمین شریفین سے واپس آ کر ایک کتاب ''یواقیت الحرمین'' لکھی یواقیت یاقوت کی جمع ہے اور یاقوت موتی کو کہتے ہیں یعنی حرمین کے موتی جو ان کو حاصل ہوئے پہلے یہ کتابیں قلمی تھیں لیکن اب یہ دونوں کتابیں چھپی ہوئی ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اور بھی بہت خواب طبع ہو گئے ہیں ان کو پڑھنے کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا سرور کائناتؐ کی روح سے ایسا ربط تھا کہ یہ حضرات آپؐ سے بالکل اس طرح فیض حاصل کرتے تھے جس طرح کہ ایک شاگرد استاد کے سامنے بیٹھ کر فیض حاصل کرتا ہے اور فیوض الحرمین میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وہ روایات بیان کی ہیں اور ہر روایت ذکر کرتے وقت وہ فرماتے ہیں ''سالت رسول اللہؐ سوالا روحانیاً'' میں نے روحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپؐ نے جواب دیا یہ ساری روایات ان کتابوں میں موجود ہیں جواب چھپ کر ہمارے سامنے آچکی ہیں۔

تین باتیں جو براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیں

مثلاً شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ تین باتوں کا حکم رسول اللہؐ نے مجھے میرے

مزاج کے خلاف دیا ہے میرا مزاج کسی اور بات کا تقاضا کرتا تھا لیکن رسول اللہؐ نے فرمایا ایسے نہیں ایسے؟ نمبر 1 میری طبیعت کا میلان یہ تھا کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل ہیں رسول اللہؐ نے مجھے منع فرما دیا کہ بالکل نہیں حضرت ابوبکر صدیق افضل ہیں شاہ ولی اللہ کا یہی عقیدہ بن گیا۔ 2۔ میرا رجحان ترک اسباب کی طرف تھا کہ میں اسباب اختیار نہ کروں رسول اللہؐ نے مجھے منع فرما دیا کہ اسباب ترک نہ کرو، 3۔ میرا رجحان ترک تقلید کی طرف تھا کہ میں کسی کی تقلید نہ کروں بلکہ جس طرح سے مجتہدانہ زندگی گزاری جاتی ہے میں بھی ایسے ہی کروں تو حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں کسی نہ کسی کی تقلید ضرور اختیار کرو۔☆

ان تینوں باتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کو تربیت براہ راست حضورؐ سے ملی کہ ترک تقلید مناسب نہیں مقلد بن کر رہو، ترک اسباب مناسب نہیں اسباب کی زندگی اختیار کرو اور عقیدہ رکھو کہ ابوبکرؓ سب صحابہ سے افضل ہیں حضرت علیؓ ابوبکر صدیقؓ سے افضل نہیں یہ آپ کو حضورؐ نے تلقین فرمائی اور فیوض الحرمین میں یہ بات موجود ہے لیکن شاہ ولی اللہؒ کی عبارت میں جو ''سوالاً روحانیاً'' کا لفظ آتا ہے آپ کہیں گے یہ روحانیت کیا ہے؟ جس کے ذریعہ سے شاہ ولی اللہؒ حضورؐ سے پوچھ لیتے تھے اور حضورؐ جواب دیتے تھے۔

ظاہری دنیا کے علاوہ اور جہان بھی ہیں

یاد رکھیے دنیا صرف یہی نہیں جو آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے اللہ نے انسان کے اندر کچھ اس قسم کی حس بھی رکھی ہے... ایک جہان اس دنیا سے وریٰ ہے

☆ (فیوض الحرمین مترجم ۱/۱۸۶)

اس کے ساتھ رابطہ ہو جانے کے بعد صاحب روحانیت بہت کچھ دیکھ لیتا ہے، بہت کچھ سن لیتا ہے اور جو اس منصب کا نہیں ہوتا اسے نہ وہ چیز دیکھنے میں آتی ہے نہ سننے میں آتی ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیے اس جہان میں ایک جہان ہے جس کا تعلق آواز کے ساتھ ہے آپ نغمے سنتے ہیں، آپ گانے سنتے ہیں، آپ نظمیں سنتے ہیں، آپ نعتیں سنتے ہیں ایک مادر زادہ بہرہ ہے تو آپ کو معلوم ہے نہ وہ نغمہ جانے نہ خوش آوازی جانے اگر ایسے شخص سے سوال کیا جائے کہ دیکھو یہ آواز کتنی اچھی ہے اور کتنی خوبصورت ہے تو وہ کہتا ہے کہ سب جھوٹ بولتے ہو نہ کوئی آواز ہے نہ کوئی اس میں مزا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس وہ آلہ ہی نہیں جس سے وہ آواز کی لذت کو حاصل کر سکے وہ بہرہ ہے اب اس بہرے کے انکار کرنے سے آوازوں کا جہان ختم تو نہیں ہو گیا۔ آوازوں کا جہان تو ہے آپ سب حضرات نغمے، گانے، نظمیں، نعتیں وغیرہ سنتے ہیں تو سمعات کا پورا ایک جہان ہے لیکن بہرہ شخص کہتا ہے کہ یہ سب جھوٹ بولتے ہیں ایسا کچھ نہیں ہے اگر یہ ہوتا تو مجھے نہ معلوم ہوتا لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ اسے جاننے کیلئے جس آلے کی ضرورت ہے وہ اس آلے سے محروم ہے۔

اور دنیا کس قدر رنگوں سے بھری پڑی ہے کتنی خوشنما وادیاں ہیں کتنے خوشنما چہرے انسانوں کے ہم دیکھتے ہیں سبزہ ہے، دریا ہیں، پہاڑ ہیں سب کچھ ہم دیکھتے ہیں لیکن جو مادر زاد اندھا ہے وہ نہیں دیکھ سکتا کہ گلاب کا رنگ کیا ہے چنبیلی کا رنگ کیا ہے آپ اس کے سامنے ہزار مرتبہ کہتے رہیں ایسا گلدستہ ہے ایسے خوشنما پھول ہیں ایسا رنگ ہے ایسی وادی ہے وہ کہے گا پتہ نہیں کیا کہتے ہیں میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا وہ دوسروں کو بے وقوف کہے گا حالانکہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس رنگ وروغن کو دیکھنے کیلئے جس آنکھ کی ضرورت ہے وہ اس سے محروم ہے اور جب تک اس کی آنکھ

نہ بن جائے وہ اس رنگ برنگ جہان کو کیسے دیکھے گا اور جب تک اس کے کان میں سماعت نہ ہو اس وقت تک اس کو خوش آوازی کا کیا پتہ چلے گا، اسی طرح اگر کسی کے ناک میں سونگھنے کی قوت نہ رہے تو ساری خوشبوئیں اس کے سامنے بیکار ہیں۔

آنکھوں والے کی بات مان لینا سعادت ہے

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی حس رکھی ہے کہ جس کے ذریعہ سے اس دنیا سے وریٰ ایک دوسرا جہان ہے جس کو عالم روحانیت کہتے ہیں، فرشتوں کا جہاں ہے... عالم روحانیت میں اس کے سامنے وہ ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جیسے سننے والے کے سامنے نغمے اور آنکھ رکھنے والے کے سامنے رنگ برنگے پھول... اور جو روحانیت سے محروم ہیں... وہ ان میں سے کسی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے اس لئے اگر تمہارے اندر صلاحیت نہیں ہے تو تمہاری نیک بختی ہے کہ جس کے اندر صلاحیت ہے اس کی بات کو مان جایا کرو..... اگر اندھا ضد کر کے بیٹھ جائے کہ جب تک چاند نہیں دیکھوں گا مانوں گا نہیں، اور بہرہ ضد کر کے بیٹھ جائے کہ جب تک خود نہیں سنوں گا مانوں گا نہیں تو دنیا گزر جائے گی، عمر ختم ہو جائے گی نہ آنکھ آئے نہ دیکھ سکے... نہ کان آئے نہ سن سکے،... اور یہ محرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے عالم روحانیت سے رابطے کیلئے بھی ایک حس کو بیدار کرنا پڑتا ہے اور اس حس کو بیدار کرنے والے حضرات کو ہم صوفیاء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور حضرت لاہوری

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ آنکھوں والوں کیلئے روضہ اقدس میں سرور کائنات ﷺ کی حیات اجلی بدیہیات میں سے ہے بدیہی اس کو

کہتے ہیں جس کو سوچنے کی ضرورت نہ ہو جیسے آپ کو دن کے وقت کوئی دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کہ سورج موجود ہے دن نکلا ہوا ہے.... یہ مسئلہ بدیہی ہے....اور اجلیٰ بدیہیات اس کو کہتے ہیں جو بالکل واضح ہو اور اس میں سرے سے غور وفکر کی ضرورت ہی نہ ہو۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے ہاں اظہار بہت تھا اور یہ عام اولیاء اللہ میں نہیں ہوتا تھا وہ ایسے تھا کہ جیسے اس حقیقت کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔ برملا بھرے مجمعے میں کہا کرتے تھے (میں نے خود ان کی زبان سے سنا ہے۔)

حضرت لاہوری کا کشف

فرماتے تھے کہ میں تو کہا کرتا ہوں (یہ ان کا تکیہ کلام تھا) او لاہوریو! تمہارے میانی صاحب قبرستان میں (یہ لاہور کا سب سے بڑا قبرستان ہے) حافظوں کی قبریں بھی ہیں اور گریجویٹ لوگوں کی قبریں بھی ہیں مجھے نہ بتاؤ کہ یہ قبر حافظ کی ہے اور یہ قبر کسی گریجویٹ کی ہے اپنے طور پر دو قبریں متعین کرلو کہ یہ حافظ کی قبر ہے اور یہ گریجویٹ کی قبر ہے احمد علی کو لے جاؤ احمد علی اشارہ کر کے بتائے گا

قَبْرُ هٰذَا الْمَقْبُوْرِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَا ضِ الْجَنَّة

وَقَبْرُ هٰذَا الْمَقْبُوْرِ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَان

یہ قبر جنت کا باغ ہے اور یہ قبر جہنم کا گڑھا ہے اگر ان قبروں میں کچھ نہیں ہے تو تمہیں نظر نہیں آتا تم روحانی طور پر اندھے ہو لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے روحانیت دی ہے اس کی بات مان لو۔ سعادت اسی میں ہے کہ اگر تمہارے پاس آنکھ نہیں ہے تو جس کو اللہ نے آنکھ دی ہے اس کی بات مان لو، بلکہ حضرت لاہوریؒ تو ساتھ یہ بھی

فرمایا کرتے تھے کہ یہ نہیں کہ میں جانتا ہوں.. بلکہ میں تمہیں بھی دکھا سکتا ہوں... آؤ میرے پاس... اور میرا پڑھایا ہوا سبق یاد کرو... میں تمہیں ایک جگہ ٹھہراؤں گا... جو کھانا ہو مجھے دکھا کر کھاؤ تاکہ میں دیکھوں کہ حلال ہے یا حرام... حلال کھاؤ اور میری تعلیم پر عمل کرو... ایک وقت آئے گا کہ میں تمہیں آنکھوں سے دکھادوں گا کہ ان قبروں کے اندر کیا ہوتا ہے... اللہ نے آپ کو آنکھیں دی تھیں اور ہم اندھے ہیں... ہمیں نظر نہیں آتا لیکن ہم ضد نہیں کرتے... ہم اندھے ہو کر آنکھوں والوں کی بات مان لیتے ہیں۔

قبر میں عذاب وثواب کا انکار گمراہی ہے

تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک براہِ راست سرورِ کائنات ﷺ سے ثابت تھا اور ان کی کتابیں اس بارے میں بھری پڑی ہیں اور میں اس کے متعلق بہت باتیں آپ کو سنا سکتا ہوں اور عجیب وغریب سنا سکتا ہوں لیکن دورہ حدیث شریف کی مناسبت سے میں کہتا ہوں کہ جس شخص کا یہ عقیدہ نہیں ہے ان قبور کے اندر عذاب کا، ثواب کا اور ان قبور کے اندر حیات کا اور سرورِ کائناتؐ کی قبر سے جاری فیضان کا، جس شخص کا یہ عقیدہ نہیں ہے وہ اگر اپنے آپ کو محدث سمجھتا ہے تو غلطی میں مبتلا ہے اور جو لوگ اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح حدیث پڑھاتا ہے.... غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ سے نسبت رکھنے والا شخص جس کا یہ عقیدہ نہ ہو... اس کی نسبت منقطع ہے... اس کی نسبت صحیح نہیں ہے شاہ ولی اللہؒ کی کتابیں اٹھا کر دیکھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ان کے نظریات کیا تھے۔

سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ ان کے عقائد ونظریات سب کتابوں میں لکھے

ہوئے ہیں...اب اگر ان کا شاگرد ان کے مسلک پر نہیں ہے تو اس کی اپنے استاد سے نسبت ثابت نہیں ہے۔موسیٰ زئی والے حضرت مولانا خواجہ محمد عثمانؒ اور ان کے جانشین خواجہ سراج الدینؒ اور ان کے جانشین اور مولانا حسین علی صاحب جو کہ خواجہ سراج الدینؒ کے خلیفہ ہیں ان کی کتابیں لکھی ہوئی موجود ہیں

مولانا حسین علی صاحب کا عقیدہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا،

خواجہ محمد عثمانؒ کا عقیدہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا،

خواجہ سراج الدین صاحب کا عقیدہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا،

سید انور شاہ صاحبؒ کا عقیدہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

اب جو شخص کہے میں مولانا حسین علی صاحب کے مسلک پر ہوں....جو شخص کہے میں سید انور شاہ صاحب کے مسلک پر ہوں..لیکن وہ ان کے عقائد ونظریات کا حامل نہیں ہے تو اس کی نسبت صحیح نہیں ہے اس کی نسبت منقطع ہو جاتی ہے ہمارے ہاں یہی کمال ہے..جو مولانا عبدالمجید صاحب (انور) نے آپ کے سامنے ذکر کیا اور اس سلسلہ میں ہمارا بہت اتصال ہے

حضورؐ نے جو کچھ فرمایا.....صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو کچھ سمجھا

فقہاء نے جو سمجھا......صوفیا نے جو سمجھا

فقہا کا طبقہ......محدثین کا طبقہ......صوفیاء کا طبقہ....یہ تینوں طبقے ہمارے نزدیک قرآن وحدیث کے ترجمان ہیں....اس لئے ہم ان تینوں کا احترام کرتے ہوئے جو کچھ یہ تحقیق بیان کرتے ہیں اس پر عمل کر لیتے ہیں..نہ ہم فقہاء کا انکار کرتے ہیں....نہ محدثین کا اور نہ صوفیاء کا،

فقہاء ومحدثین کی کتاب پڑھیں تو علم والی حس کو بیدار کر کے پڑھیں

تصوف کی کتاب پڑھیں تو اس حس کو بیدار کر کے پڑھیں

تو اب آپ کو فقہ، حدیث اور تصوف میں کوئی اختلاف نظر نہیں آئے گا اور اگر آپ کو ان میں اختلاف نظر آتا ہے... تو یہ آپ کی نظر کا قصور ہے یا یہ کہ آپ کی وہ حس بیدار نہیں... جس کے ذریعہ سے ان باتوں کو سمجھا جاتا ہے.... ورنہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مثال:

مولانا رومی فرماتے ہیں ایک استاد کا ایک شاگرد بھینگا تھا (اس کو فارسی میں "لوچ" کہتے ہیں ... بھینگا وہ ہوتا ہے جس کی دونوں آنکھوں کے زاویے علیحدہ علیحدہ ہوں اور جب وہ دیکھتا ہے تو اس کو ایک چیز کے دو نظر آتے ہیں) استاد نے کہا وہ الماری میں رکھی ہوئی بوتل اٹھا کر لے آ...، اس نے جا کر الماری کھولی اور بوتل کو دیکھ کر کہنے لگا.... استاد جی بوتلیں دو ہیں.. کون سی اٹھا کر لاؤں؟، استاد نے کہا بھینگا پن چھوڑ... بوتل ایک ہی ہے... اٹھا کر لے آ....، وہ کہنے لگا کہ میں تو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ دو ہیں... فرمایا اچھا! ایک پر پتھر مار کے توڑ دے... دوسری لے آ،... اب جب اس نے ایک بوتل کو پتھر مارا تو دونوں ہی غائب ہو گئیں.... کیونکہ بوتل حقیقت کے اعتبار سے تو ایک تھی لیکن اس کو بھینگے پن کی وجہ سے دو نظر آ رہی تھیں۔

قرآن وحدیث میں تضاد نظر آنا بھینگا پن ہے

بالکل اسی طرح قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف یہ سب ایک چیزیں ہیں اور جس کو یہ دو علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں حقیقت کے اعتبار سے وہ بھینگا ہے ورنہ اگر اللہ نے علم اور عقل وفہم دیا ہے تو آپ کو ان میں کوئی اختلاف نظر نہیں آئے گا۔ اللہ کا

شکر ہے دلائل شرعیہ میں تعارض نظر نہیں آتا۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ روحانی سلسلے میں ہماری مرکزی شخصیت ہیں اور حضرت گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ان کے خلیفہ ہیں حضرت گنگوہیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے ایک دفعہ مکہ معظّمہ سے خط لکھا (اس وقت خطوط کا سلسلہ آنے جانے والے حاجیوں کے ذریعہ سے ہوتا تھا باقاعدہ ڈاک کا کوئی انتظام نہ تھا) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو.. کہ بہت مدت ہوئی آپ کی طرف سے حالات کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ حضرت گنگوہیؒ نے اس کا جواب لکھا (قاری محمد طیب صاحب نے اس بات کو بیان فرمایا) کہتے ہیں کہ حضرت مجھے سمجھ ہی نہیں آتا کیا حالات لکھوں، کوئی حالات ہیں ہی نہیں لیکن چونکہ آپ کا حکم ہے حالات لکھنے کا... اس لئے غور کرنے کے بعد تین چیزیں سامنے آئی ہیں اور ان کو میں لکھ رہا ہوں۔

1۔ ان میں سے ایک بات حضرت نے یہ لکھی کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے دلائل شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا کہ قرآن سے کچھ ثابت ہوتا ہو، حدیث سے کچھ ثابت ہوتا ہو، فقہ سے کچھ ثابت ہوتا ہو، تصوف سے کچھ ثابت ہوتا ہو مجھے ان میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا اور کہیں پر کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔

2۔ ایک بات یہ لکھی کہ کوئی میری تعریف کرے یا مذمت کرے دونوں صورتوں میں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا... مادح اور ذام دونوں اللہ تعالیٰ نے میری نظر میں ایک کر دیئے ہیں.... مدحت اور مذمت میں میرے نزدیک فرق اٹھ گیا ہے۔

3 ایک بات یہ لکھی کہ ''امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے ہیں'' اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے پیاس کے وقت آدمی پانی کیلئے مجبور ہوتا ہے، بھوک لگنے پر

روٹی کی طلب ہوتی ہے۔۔ ہر موقع پر شریعت کا جو حکم ہو اس پر عمل کرنے کا طبیعت میں ایسے تقاضا پیدا ہوتا ہے جیسے پیاسے کو پانی کا، بھوکے کو روٹی کا،

ان میں سے یہاں پر مقصود پہلا جملہ ذکر کرنا ہے کہ دلائل علمیہ میں تعارض نظر نہیں آتا جن کو اللہ تعالیٰ علم عطاء کرتا ہے... حس بیدار کر دیتا ہے...وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن وحدیث فقہ وتصوف سب ایک ہی چیز ہے اور ان کا آپس میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔اس لئے سعادت مندوہ ہے جو تمام اکابر کے ساتھ محبت رکھے اور ان کے بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرے اور اپنے نظریات وعقائد کو اس کے مطابق کرے...چاہے سمجھ میں آئے...چاہے نہ آئے۔ اگر سمجھ میں نہ آئے، سمجھ لے کہ قصور میرا ہے..ورنہ حقیقت وہی ہے جو اکابر سے تسلسل اسناد کے ساتھ نقل ہوتی چلی آرہی ہے ...یہ دین کو محفوظ رکھنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے۔

امت میں دینی زوال کا سبب

اس کے ساتھ ایک بات اور کہہ دوں آج سے تقریباً 15 یا 16 برس قبل ''ماہنامہ الخیر'' میں مولانا محمد ازہر صاحب نے ایک سوال شائع کیا تھا کہ امت کے اندر دین کا زوال کیوں آرہا ہے؟ امت دین سے کیوں ہٹتی جارہی ہے...اور دین کی برکات کیوں ختم ہوتی جارہی ہیں؟ اور دعوت دی تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کا سبب بیان کرے۔ وہ خط میرے پاس بھی آیا تھا میں نے تو کچھ لکھا نہیں...نہ ہی میرے اندر صلاحیت تھی...

لیکن جن لوگوں نے جوابات لکھے ان میں سب سے اچھا اور معیاری جواب حضرت مولانا زاہد الحسینی صاحب کا تھا جو حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کے

جواب کا حاصل یہ تھا کہ اس امت کے اندر جو دینی زوال آرہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبت نبی سے کٹتی جارہی ہے..نسبت کمزور ہوتی جارہی ہے...جب نسبت کمزور ہو جائے گی.تو جس فیضان نے وہاں سے آنا ہے وہ آنا بند ہو جائے گا اور جب فیضان بند ہو جائے گا تو بے دینی نہیں آئے گی تو اور کیا ہوگا؟۔

اور فرمایا نسبت کے کاٹنے میں دو گروپوں کا سب سے بڑا دخل ہے...ایک منکرین حدیث اور دوسرے منکرین حیات کا...منکرین حدیث نے بھی امت کی نسبت کاٹ دی کیونکہ رسول اللہؐ کے ساتھ نسبت حدیث کی وجہ سے قائم ہوتی ہے۔ اور حدیث میں آپ کی ظاہری شکل وصورت سے لیکر آپ کی ہر قسم کی گفتگو اور آپ کا حال احوال جتنا ہے..وہ سارے کا سارا لکھا ہوا ہے۔آپ جس وقت اس کو پڑھیں گے تو حضورؐ کے سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے تلوے تک کا ذکر ہے اور اس پڑھنے کے ساتھ آپ کے دل میں حضورؐ کی محبت پیدا ہو گی..جب محبت پیدا ہوگی تو آپ حضورؐ کا بار بار تذکرہ کریں گے با..ربار آپؐ پر درود پڑھیں گے تو اس سے آپؐ کے ساتھ نسبت قائم ہو گی ایسے ہی حضورؐ کا وضوء، حضورؐ کی نماز، حضورؐ کا روزہ، حضورؐ کا جہاد، حضورؐ کا سفر، حضورؐ کا حضر اور اس کے علاوہ حضورؐ کی زندگی کے جملہ پہلو...ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کو محدثین نے بیان نہ کر دیا ہو۔اب جب آپ اس کو پڑھیں گے تو پڑھنے سے آپؐ سے نسبت قائم ہوتی جائے گی..لفظ پڑھیں گے لفظوں کی نسبت ہوتی جائے گی اور باطن اور تزکیہ کے حالات آپ پڑھیں گے تو آپؐ کا صبر، توکل، شکر اور روحانی خصائل سے تعلق رکھنے والی حضورؐ کی باتیں جب آپ کے علم میں آئیں گی تو آپ کا حضورؐ سے تعلق قائم ہوتا جائے گا اور اگر آپ نے حدیث پڑھنی ہی نہیں تو آپ اس نسبت کو کیسے حاصل کریں گے؟۔

انکارِ حیات النبی ﷺ نسبت کے انقطاع کا سبب ہے

اور جو لوگ کہتے ہیں حضور کی امت کے ساتھ فیضان رسانی کا تعلق نہیں ہے اور آپؐ کی روضہ اقدس کی زندگی کا انکار کرتے ہیں ان کا روضہ اقدس سے تعلق اور آپؐ سے نسبت کیسے قائم رہ سکتی ہے .... مجھے ان کا یہ جواب بہت پسند آیا تھا اس لئے میں نے متعدد جگہ اس جواب کو ذکر کیا ہے اور میں کہا کرتا ہوں کہ ان دونوں طبقوں ''انکارِ حدیث اور انکارِ حیات'' والوں سے بچ کر رہو۔ اگر ان میں سے کسی ایک طبقہ سے بھی آپ متاثر ہو گئے تو رسولؐ سے نسبت کٹ جائے گی۔

حدیث اور حاملین حدیث کا مقام

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مکاشفات میں یہ بات درج ہے...آپ نے فرمایا جہاں حدیث پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے... ہر حدیث کا معلم اور طالب علم... میں دیکھتا ہوں کہ سرور کائناتؐ کے سینے سے نورانی لہریں اٹھتی ہیں اور ان کے سینوں کے ساتھ ان کا اتصال ہے۔ یہ حدیث پڑھانے اور پڑھنے والوں کا درجہ ہے اور جہاں ان پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کا تعلق حضورؐ سے قائم ہوتا ہے... وہیں جس علاقے میں پڑھی جاتی ہے... ان اہل علاقہ پر بھی اللہ کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے...آج ہمارے اندر جس قسم کے حالات ہیں امم سابقہ میں اس قسم کے حالات ہوئے پر امتیں غرق ہو جاتی تھیں، امتیں برباد ہو جاتی تھیں، آج سب کچھ ہونے کے باوجود اگر دنیا میں رونق ہے..تو آپ یقین جانیے ان دینی درویشوں کی وجہ سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن وحدیث کی خدمت کیلئے منتخب فرمایا ہے اور جب تک یہ طبقہ باقی ہے دنیا آباد ہے اور جس دن یہ طبقہ ختم ہو

جائے گا جیسا کہ نادان لوگ اس کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں... دنیا برباد ہو جائے گی. تو یہ لوگ دنیا کی بربادی کی پوری کوشش کر رہے ہیں ان کا وجود دنیا کی بقاء کا ضامن ہے۔

کتاب التوحید پر اختتام کا سبب

یہ چند تمہیدی باتیں تھیں جو میں نے ذکر کر دیں اور جیسے میں نے پہلے ذکر کیا کہ حدیث کے متعلق فنی باتیں چونکہ عوام کی سمجھ میں آنے والی نہیں ہوتیں لیکن ان کو بھی خلاصے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا اختتام کتاب التوحید پر کیا ہے اور ابتداء باب بدء الوحی سے کی تھی. اس میں کیا نقطہ ہے... یہ ایک لمبی بحث ہے... جو عام طور پر افتتاحِ بخاری کے موقع پر کی جاتی ہے...

کتاب التوحید میں امام بخاریؒ نے مختلف انداز میں فرقِ باطلہ کی تردید کی ہے اور ان فرقِ باطلہ میں سے ایک فرقہ روشن خیال بھی تھا... عقل کی پوجا کرنے والا، جو کہتا تھا کہ جب تک عقل میں نہ آئے اس وقت تک نہیں مانیں گے... جیسے آج کل لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات عقل میں نہیں آئی، اتنے ہزاروں من مٹی کے نیچے اور اتنی دیواروں کے اندر سے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آواز وہاں تک پہنچ جائے.... اور صلوٰۃ وسلام حضورؐ براہِ راست سن لیں..... یہ وہی معتزلہ والا ذہن ہے...

قبر سے قرآن پڑھنے کی آواز

جب کہ ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں واقعات موجود ہیں کہ قبر سے آواز آئی اور دوسروں نے خود سنی اور یہ روایات مشکوٰۃ و ترمذی دونوں میں موجود ہیں۔ ایک صحابی کا ایک جگہ خیمہ لگا ہوا تھا تو اس نے سنا کہ زمین سے سورۃ تبارک الذی

پڑھنے کی آواز آرہی ہے...اس صحابی نے حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ سورت اچھی ہے اور عذاب قبر سے بچانے والی ہے ☆

جب یہ روایت سامنے آتی ہے تو ہم طالب علموں سے کہتے ہیں کہ جب اندر کی آواز باہر آسکتی ہے تو باہر کی آواز اندر جانے میں کیا اشکال ہے، اگر تمہیں سمجھ نہیں آتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری وہ حس نہیں ہے...یہ روشن خیال طبقہ ایسا تھا جو ہر بات کو عقل پر پرکھتا تھا...اب جب ان کے سامنے اس بات کا ذکر آیا کہ آخرت میں اعمال تولے جائیں گے، اقوال تولے جائیں گے، اللہ ایک میزان قائم کرے گا...تو وہ کہتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟۔منہ سے لفظ نکلتا ہے۔.ختم ہوگیا...اس کا کوئی وجود ہی نہیں تو پھر تولا کس چیز کو جائے گا....ایسے ہی عمل اس کا بھی کوئی وجود نہیں جس کیلئے علمی لفظ بولا جاتا ہے...یہ تو عوارض ہیں...وجود جواہر کا ہوتا ہے عوارض کا نہیں، آواز اور اعمال بھی عوارض ہیں اس لئے ان کا بھی وجود نہیں.... جب وجود نہیں تو تولے کیسے جائیں گے؟ یہ ان کا عقیدہ تھا وہ وزن اعمال کا انکار کرتے تھے اور قول وفعل کے وجود کے منکر تھے اور ان کے وزن کے بھی منکر تھے جبکہ حضورؐ نے اس بات کو بیان کیا اور قرآن میں بھی ہے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ☆☆

ہم قیامت کے دن ہر انسان کا ترازو قائم کریں گے اور اس کے چھوٹے بڑے نیک وبد سب اعمال پیش کریں گے اور ان کا وزن کیا جائے گا اور وزن کرنے کے بعد اگر نیکیاں غالب ہوں گی جنت میں جائیں گے....برائیاں غالب ہوں گی جہنم میں جائیں گے...بہرحال وزنِ اعمال قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس کا

☆ (ترمذی ۲/۱۱۷) ☆☆ (سورہ انبیاء۔آیت ۴۷)

انکار کرنا درست نہیں۔

اور آخر میں امام بخاریؒ نے جو روایت ذکر کی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے... کیونکہ اس میں ہے کہ زبان سے نکلنے والے دو کلمے ایسے ہیں اور وہ اللہ کو محبوب ہیں جب وہ کلمے محبوب ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ پڑھنے والے بھی اللہ کے محبوب ہو جائیں گے..لیکن زبان پر ہلکے پھلکے ہیں..کوئی تکلیف نہیں ہوتی...کوئی گرانی نہیں ہوتی، لیکن فرمایا میزان میں بہت وزنی ہوں گے تو اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ کلمات تولے جائیں گے اور ان کا وزن نمایاں ہوگا اور جب قول کا وزن ثابت ہو جائے گا.تو فعل کا وزن بھی ثابت ہو جائے گا۔

لِعَدمِ الْقَائِلِ بِالْفَصْلِ

یہ ایک علمی اصطلاح ہے کہ جو قائل ہیں دونوں کے قائل ہیں اور جو منکر ہیں دونوں کے منکر ہیں...اس لئے ایک کی دلیل مہیا ہو جانے پر دوسرا خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

کتاب التوحید کے ساتھ ربط

اور کتاب التوحید کے ساتھ بھی ان کا ربط واضح ہے کہ یہی کلمات اللہ کی توحید پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ''سبحان اللہ'' کا مطلب ہے کہ اللہ میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں، ''حمد'' کا مطلب ہے کہ اللہ کیلئے ہر خوبی ثابت ہے۔جب عیب کوئی نہیں خوبی ثابت ہے تو انتہائی درجہ کی عظمت ثابت ہوگئی اور جب عظمت ثابت ہوگئی تو معلوم ہو گیا کہ جب سب سے بڑی عظمت اسی کیلئے ہے تو انسان کا سر بھی اسی کے سامنے جھکے گا اسی کا انسان محتاج ہے اور نہ کسی کیلئے اتنی عظمت ثابت اور نہ کوئی ایسی

ذات کہ جس میں کوئی عیب اور نقص نہ ہو۔اس طرح یہ کلمات اللہ کی توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں...اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ جس میں نقص ہو وہ الہٰ نہیں ہو سکتا۔

عیسیٰؑ کے بارے میں عقیدہ، عقیدہ تثلیث کا رد

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ عیسیٰؑ کو الہٰ کہتے ہیں یا الہٰ کا بیٹا کہتے ہیں... ان کے دونوں عقیدے قرآن میں مذکور ہیں

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ☆۔ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ☆☆

عیسیٰ ہی اللہ ہے یا وہ تین میں سے ایک ہے اور ایک عیسیٰ علیہ السلام کی ماں کو بناتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ان کی ماں کی الوہیت کو رد کیا ہے اور اس پر جہاں اور دلائل دیئے ہیں ان میں سے ایک آسان اور بہت سادی سی دلیل جو ہر آدمی سمجھ جائے وہ یہ ہے۔ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ

کہ عیسیٰؑ اور اس کی ماں تو روٹی کھاتے تھے..روٹی کھانے والا الہٰ کیسے ہو جائے گا۔ یہ ایک سادہ سی بات ہے کیونکہ جو شخص روٹی کھاتا ہے..وہ روٹی کا محتاج ہے اور روٹی حاصل کرنے کیلئے وہ پوری کائنات کا محتاج ہے۔ زمین کا محتاج ہے،.....غلہ بونے کا محتاج ہے، بارش کا محتاج ہے.......، کاٹنے کا محتاج ہے،....... اگانے کا محتاج ہے۔

احتیاج ہی احتیاج ہے اس شخص میں جو روٹی کا محتاج ہے اس لئے اللہ نے فرمایا كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ ☆☆☆

☆(مائدہ۔آیت ۷۲)☆☆(مائدہ۔آیت ۷۳)☆☆☆(مائدہ۔آیت ۷۵)

وہ تو دونوں روٹی کھاتے تھے وہ الہٰ کیسے ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ احتیاج اور نقص الوہیت کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتے ...اس طرح سادہ سے انداز میں اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ واضح فرما دیا۔

ایک پادری اور بھڑ بھونجے کا عجیب واقعہ

جب ہندوستان میں انگریز آئے تو ان کی عادت ہے کہ اپنی قوت، طاقت اور دولت کے زور پر اپنا مذہب پھیلاتے ہیں ...دلائل سے نہیں پھیلتا اس لئے یا طاقت سے پھیلاتے ہیں یا دولت سے پھیلاتے ہیں...تو جب انگریز آیا تو ان کے ساتھ پادریوں کی جماعت بھی آ گئی تا کہ یہ لوگوں کے عقیدے خراب کریں، ان میں سے ایک پادری دہلی میں تقریر کر رہا تھا اور ثابت کر رہا تھا کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں (پرانے زمانے میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ سڑکوں کے کنارے پر لوگ دانے بھوننے کیلئے بھٹیاں بنوا کر بیٹھ جاتے تھے اور لوگ ان سے دانے بھنواتے تھے تنور بنا لیتے تھے اور وہاں سے لوگوں کو سستی روٹی دستیاب ہو جاتی تھی...ہم بھی قاسم العلوم کے زمانے میں مدرسہ کے سامنے ایک عورت نے تندور لگایا ہوا تھا وہاں سے ایک آنے کی روٹی اور ایک آنے کا سالن مل جاتا تھا اور یوں 2 آنے میں آدمی روٹی کھا لیتا تھا) تو مجمع میں ایک بھڑ بھونجہ (دانے بھوننے والا) بیٹھا تھا۔اس نے پوچھا کہ واقعی عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں؟ وہ کہنے لگا ہاں! تو اس نے پھر پوچھا اللہ کا کوئی اور بیٹا بھی ہے؟ اس نے کہا نہیں، اس نے کہا کوئی توقع ہے؟ کہ اور ہو جائیگا؟ تو وہ کہنے لگا نہیں! وہ اللہ کا اکلوتا بیٹا ہے ...کوئی اور ہے نہ ہو گا! وہ کہنے لگا پادری صاحب میری شادی کو اتنے سال ہو گئے ہیں..میرے بارہ بیٹے ہیں میں نے تو اتنی کم مدت میں

بارہ بنالئے اور اللہ نے اتنی مدت میں صرف ایک ہی بیٹا بنایا ہے۔ اب پادری صاحب خاموش۔

یہ بات دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کو پہنچی جو حضرت حکیم الامتؒ کے استاد ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ اس شخص نے اتنی زبردست دلیل دی کہ پادری کا باپ بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا لیکن چونکہ جاہل تھا اس لئے اپنی بات علمی انداز میں نہیں کہہ سکا،

کیونکہ اس کا اصل مقصد یہ پوچھنا تھا کہ پادری صاحب! اولاد کا ہونا عیب ہے یا خوبی؟ اگر عیب ہے تو ایک بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی ذات عیب سے پاک ہے اور اگر یہ خوبی ہے تو پھر اللہ کی اولاد ساری مخلوق سے زیادہ ہونی چاہیے اور کسی کی اتنی اولاد نہ ہو جتنی اللہ کی ہو۔ فرمانے لگے کہ اصل اس کا مقصد یہ پوچھنا تھا اور فرمایا یہ اس قدر مضبوط دلیل ہے کہ پادری کا باپ بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔

سبحان اللہ وبحمدہ پر کتاب ختم کا سبب

بہرحال خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس کے اندر کوئی عیب اور نقص ہو وہ الہ نہیں ہوسکتا الوہیت کے بارے میں یہ عقیدہ یاد کرلو.... کہ جو الہ ہے اس میں ہر خوبی ہوگی اور اس میں کوئی نقص نہیں ہوگا۔ اس طرح **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم** یہ اللہ کے متعلق اقرار ہے کہ اللہ کی ذات میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں اور اللہ کی ذات میں ہر خوبی موجود ہے۔ جب ہر خوبی اسی کیلئے ہے تو عظمت اسی کیلئے ہے ...... جب عظمت اسی کیلئے ہے تو ہم جھکیں گے بھی اسی کے سامنے اور وہی ہمارا معبود ہوگا.... حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو اللہ کے ذکر پر ختم کیا ہے گویا کہ اللہ کے

ذکر کی فضیلت بیان کر کے اس کی ترغیب دے دی اور مجالس کے اختتام پر حضورؐ کا معمول بھی یہ تھا کہ تسبیح پڑھتے تھے تا کہ مجلس کے اندر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی تلافی فرما دے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس کتاب کو مرتب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اپنی کوشش کے مطابق پوری محنت کی ہے لیکن بہر حال انسان انسان ہوتا ہے کوئی کسی قسم کی کوتاہی ہوگئی ہو تو اللہ اس ذکر کی برکت سے معاف فرما دے گا ہم بھی اپنی مجلس کا اختتام اسی پر کرتے ہیں۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ

اصل سند تو انہی کی ہوتی ہے جنہوں نے سب پڑھایا ہے لیکن ہمارے ہاں معمول چلا آرہا ہے کہ تبرکاً دوسروں سے سند حاصل کی جاتی ہے تو میں بھی اپنی تمام اسناد کے ساتھ ان طلباء کو جو اس سال فارغ ہو رہے ہیں روایتِ حدیث کی اجازت دیتا ہوں اور یہ سند میرے لکھی ہوئی بھی ہے اگر کسی نے منگوانی ہو تو منگوا سکتا ہے۔

وأخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

خطبات حکیم العصر
خطبات
حکیم العصر
ایک نظر میں
علماء کیلیے علمی جواہر پاروں کا نایاب خزینہ ہے۔
طلباء کیلیے نکات ولطائف کا بحرِ بیکراں ہے۔
خطباء کیلیے مواعظِ حسنہ کا انمول خزانہ ہے۔
ادباء کیلیے ادبیات کا نادر مجموعہ ہے۔
صلحاء کیلیے زہد وتقویٰ کے رہنما اصولوں کا معدن ہے۔
اور
ہر مسلمان کیلیے اسلامی تہذیب و تمدن کا بہترین ترجمان ہے
جس کا مطالعہ یقیناً آپکی علمی و عملی زندگی میں انقلاب لائے گا
ناشر
مکتبہ شیخ لدھیانوی
کہروڑ پکا، ضلع لودھراں
0300-8684071
یہ جلد حاضرِ خدمت...... اگلی جلد بہت جلد